سیرتِ مبارکہ پر عظیم الشان دستاویز

# ساقیٔ کوثر

صلی اللہ علیہ وسلم

جلد اول

مفسرِ قرآن مولانا انیس احمد آزاد قاسمی بلگرامی

مکتبہ نوائے حرم

C-39/12-B، گلی 3، رحمانیہ مسجد والی، چوہان بانگر، نیو سیلم پور، دہلی 53

920 Syed Shamsul Islam

سیرتِ مبارکہ پر عظیم الشان دستاویز

# ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم

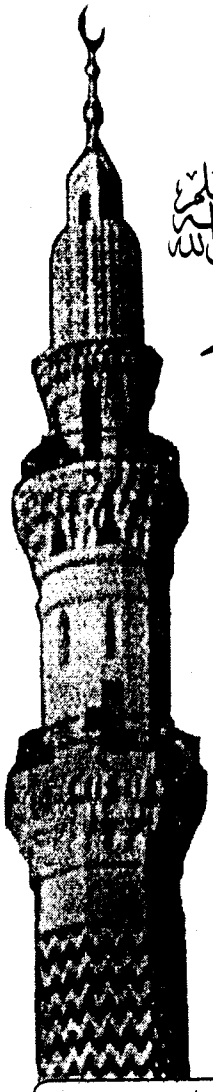

جلد اول

مفسرِ قرآن مولانا انیس احمد آزاد قاسمی بلگرامی

صدر: ترویجِ تعلیم کونسل

مکتبہ نوائے حرم

C-39/12-B، گلی 3، رحمانیہ مسجد والی، چوہان بانگر، نیو سیلم پور، دہلی 53

# تفصیلات

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں


| | |
|---|---|
| نام کتاب: | ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم |
| نام مصنف: | مفسرِ قرآن مولانا انیس احمد آزاد قاسمی بلگرامی |
| صفحات: | ۲۸۰ |
| اشاعت اول: | ستمبر ۲۰۰۳ گیارہ سو |
| اشاعت دوم: | اگست ۲۰۰۴ گیارہ سو |
| کمپوزنگ وڈیزائننگ: | ٹی ایچ پرنٹرس، C-39/12-B، گلی نمبر 3 چوہان بانگر، نیو سیلم پور، دہلی-53 |
| قیمت: | ۷۵ روپے |

ناشر

مکتبہ نوائے حرم

C-39/12-B، گلی 3، رحمانیہ مسجد والی، چوہان بانگر، نیو سیلم پور، دہلی 53

Phone No. 011-22190087,22845689,9891629288

# تقریظ

## حضرت مولانا مفتی سید نظام الدین صاحب مدظلہ العالی

امیر شریعت و جنرل سیکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

آج مورخہ ۲۱ مارچ ۲۰۰۴ء جعفر آباد دہلی کے ایک جلسہ میں حاضری ہوئی۔ اس موقعہ پر مولانا انیس احمد آزاد بلگرامی مدظلہ سے ملاقات ہوئی اور آپ نے ایک اپنی تازہ کتاب ساقیٔ کوثر ﷺ عنایت فرمائی۔

میں نے جلسہ کے اسٹیج پر اس کتاب کو شروع سے آخر تک سرسری طور پر دیکھا۔ یہ کتاب نبی آخر الزماں ﷺ کی حیات طیبہ پر مستند کتابوں میں ایک بہت مبارک اضافہ ہے۔ ظاہر کے اعتبار سے اس کی طباعت و کتابت بھی بہت صاف وعمدہ ہے اور مضمون کے اعتبار سے یہ کتاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کی آئینہ دار ہے اور پڑھنے والے کو متأثر کرتی ہے۔ مختصر اور جامع انداز میں ابتداء سے مکی زندگی کے حالات اور ہجرت کے حالات بہت مستند طور اور مؤثر طریقہ پر جمع کر دئے گئے ہیں۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس کتاب کو مدارس اور اسکولوں کے نصاب میں داخل کیا جائے اور اوسط درجہ کا علم رکھنے والے حضرات بھی مرد و عورت اسکا مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو اجر عظیم عطاء فرمائے۔

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

(حضرت مولانا مفتی) نظام الدین (صاحب)

امیر شریعت و سیکریٹری بورڈ

۲۱ مارچ ۲۰۰۴ء

# تأثرات

## حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب (مفتی پنجاب)

اہل ایمان کے لیے سیرت نبوی ﷺ سب سے دلکش اور مرغوب موضوع ہے جو ان کے لیے نہ صرف روحانی بالیدگی، ایمان کی تازگی بلکہ راہ ہدایت کی ایسی پرنور دعوت ہے جس پر چل کر دونوں جہان کی کامیابیاں قدم چومتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہر زبان میں اس موضوع پر اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ اس کی فہرست بنائی جائے تو خود ایک کتب خانہ بن جائے۔ لیکن پھر بھی یہ موضوع اسی طرح شاداب اور تازگی بخش ہے۔

سیرت نبوی ﷺ پر مفسر قرآن جناب مولانا انیس احمد آزاد قاسمی بلگرامی کی قابل قدر کاوش ساقی کوثر ﷺ دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ماشاء اللہ ہر لحاظ سے بڑی جامع مکمل اور قابل قدر کوشش ہے اللہ تعالیٰ قبولیت عطا فرمائے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

دار السلام اسلامک سینٹر مالیر کوٹلہ پنجاب

# وہی تصویرِ میخانہ بنامِ ساقیٔ کوثرؐ

حضرت مولانا ولی اللہ صاحب ولی عظیم آبادی مقیم مدینہ منورہ

زمیں تا آسماں گونجا ہے نامِ ساقیٔ کوثرؐ
فرازِ قربِ اَوْاَدْنٰی مقامِ ساقیٔ کوثرؐ
حیاتِ جاوداں بخشے جو روح وقلب وقالب کو
وہی فیضانِ رحمت ہے پیامِ ساقیٔ کوثرؐ
ہوئی محفوظ جس سے جان ومال وآبرو سب کی
ملا ہے کیا ہی عالم کو نظامِ ساقیٔ کوثرؐ
خدا سرسبز رکھے، ہے یہ مژدہ ایسے عاشق کو
جو سنتا اور سناتا ہے کلامِ ساقیٔ کوثرؐ
جو ہر فرمان پر اُن کے خودی قربان کرڈالے
خدا شاہد وہ ہے سچا غلامِ ساقیٔ کوثرؐ
رہے جو عمر بھر میخانۂ طیبہ سے وابستہ
وہی محشر میں ہوگا تشنہ کامِ ساقیٔ کوثرؐ
انیسِ بلگرامی نے ولیؔ کیا خوب کھینچی ہے
وہی تصویرِ میخانہ بنامِ ساقیٔ کوثرؐ

# تقریظ

## حضرت مولانا الحاج سید حبیب احمد صاحب مدظلہ العالی صاحبزادہ عارف باللہ

## حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ

ناظم جامعہ عربیہ ہتورا، ضلع باندہ، یوپی

کتاب ساقیٔ کوثرؐ مؤلفہ عزیزم مولانا انیس احمد بلگرامی موصول ہوئی۔ مولانا موصوف نے چونکہ جامعہ عربیہ ہتورا میں بھی تعلیم حاصل کی ہے اس لیے صلاحیتوں کا اندازہ تو پہلے سے ہی ہے۔ کتاب بہت پسند آئی۔ اپنے مضامین اور عنوانات کے اعتبار سے قارئین کو اپنی طرف راغب کرتی ہے۔

یہ کتاب اپنی نوعیت میں ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ دور حاضر کے طلباء کے لیے آسان طریقہ اختیار کیا گیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اسکولوں اور مدارس کے طلباء کے لیے درس میں داخل کرنے کے لائق ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے، نافع بنائے اور مولانا کو جزائے خیر عطاء فرمائے اور مزید دین کی خدمت کی توفیق عطاء فرمائے۔

(حضرت مولانا) سید حبیب احمد غفرلہ

جامعہ عربیہ ہتورا باندہ یوپی

۴ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

# تقریظ

## حضرت مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی مدظلہ استاذ دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

دنیا کے سب سے بڑے عظیم صاحب سیرت وکردار سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر دنیا کی مختلف زبانوں میں ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک دولاکھ سے زائد کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔جن میں بڑی بڑی ذہانتیں، باریک بینیاں، اخذ واستنباط کی اعلیٰ ترین صلاحیتیں، محبوب کی اداؤں سے صرف نظر نہ کرنے والی محبت آگین نگاہیں صرف ہوئی ہیں۔لیکن سیرت پاک کے گوناگوں جلوے نہ ابھی سمیٹے جاسکے ہیں اور نہ آئندہ ان کا احاط ممکن ہے۔

گر مصدر صورت آں دلستاں خواہد کشید حیرتے دارم کہ نازش راچناں خواہد کشید

اس لیے رہتی دنیا تک اس بحر بیکراں سے آبدار موتیوں کے نکالنے کا تسلسل اور اسکی ضرورت انشاء اللہ برقرار رہے گی۔

قسام ازل نے یہ سعادت مفسر قرآن جناب مولانا انیس احمد آزاد قاسمی بلگرامی مدظلہ کو بھی عنایت فرمائی۔انہوں نے بھی شافع روز محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مرتب فرما کر عاشقان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسکین وتسلی کی بہترین صورت بہم پہنچائی ہے۔

جناب موصوف نے انتہائی سہل اور دلنشیں انداز میں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے اہم احوال و کوائف کو ایک عمدہ ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔مجھے اللہ کی ذات سے پوری امید ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب امت مسلمہ کے قلوب میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت کو تیز کرنے والی ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ مولانا کو جزائے خیر عنایت فرمائے اور ان کی اس قابل قدر خدمت کو شرف قبول سے نواز کر مقبول خاص و عام بنادے۔آمین ثم آمین

(حضرت مولانا مفتی) محمد راشد اعظمی (صاحب)

مدرس دارالعلوم دیوبند

۱۷ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ

# نہیں ملتی دو عالم میں مثالِ ساقیٔ کوثرؐ

مداح رسولؐ جناب محمد حنیف صاحب حاصل سنبھلی

بسا ہے جس کی سانسوں میں خیالِ ساقیٔ کوثرؐ
نظر میں کیوں نہ ہو اس کی جمالِ ساقیٔ کوثرؐ

ہم انساں کیا حقیقت میں فرشتے بھی یہ کہتے ہیں
نہیں ملتی دو عالم میں مثالِ ساقیٔ کوثرؐ

تلاوت کا سماعت پر اثر ہونے کی نسبت ہے
بہ فضلِ حق عمر سمجھے سوالِ ساقیٔ کوثرؐ

شفا پانے کو جاتے ہیں مریضِ غم وہاں لاکھوں
مدینے میں بنا ہے اسپتالِ ساقیٔ کوثرؐ

بہاریں کہہ رہی ہیں عالمِ ادراک سے پیہم
کہاں سے لائے کوئی اعتدالِ ساقیٔ کوثرؐ

اجالے ہی اجالے ہیں نظر والوں کی دنیا میں
افق پر جب سے چمکا ہے ہلالِ ساقیٔ کوثرؐ

زمانے میں کسی شے کی اسے حسرت نہیں رہتی
میسر جس کو ہوتا ہے وصالِ ساقیٔ کوثرؐ

یہ حاصلؔ بھی انیسِ قاسمی آزاد ہو جائے
جو آنکھیں دیکھ لیں اِس کی جمالِ ساقیٔ کوثرؐ

# یقیں جس کو نہ ہو اس کو دکھا دیں ساقیٔ کوثرؐ

نتیجہ فکر: جناب الحاج دلشاد احمد صاحب دردؔ دہلوی

مری تشنہ لبی کو بھی مٹا دیں ساقیٔ کوثرؐ
مجھے اک جام محشر میں پلا دیں ساقیٔ کوثرؐ

بھلا پھر کون اس کی پیاس محشر میں بجھائے گا
جسے بھی حوض کوثر سے ہٹا دیں ساقیٔ کوثرؐ

مجھے اپنی ہی صورت دیکھنے کا شوق ہو جائے
مجھے جو خواب میں صورت دکھا دیں ساقیٔ کوثرؐ

ادا حق آپ کا پھر بھی نہیں ہو پائے گا ہم سے
اگر ہم جان بھی اپنی لٹا دیں ساقیٔ کوثرؐ

سعادت حاضری کی ہم کو مولا نے عطا کی ہے
اجازت ہو تو حالِ دل سنا دیں ساقیٔ کوثرؐ

انیس آزاد کی اے دردؔ یہ کاوش بھی عمدہ ہے
یقیں جس کو نہ ہو اس کو دکھا دیں ساقیٔ کوثر

دردؔ دہلوی

657، گلی نمبر 26، جعفر آباد، دہلی 53

# تبصرہ

## ماہنامہ دارالسلام

### مالیرکوٹلہ، پنجاب

سیرت نبویؐ ایک سدابہار موضوع ہے، ساقیٔ کوثر سیرت محمدیؐ پر ایک بہترین کاوش ہے، جس میں ولادت باسعادت سے لے کر ہجرت تک کے واقعات بہت آسان اور سلیس زبان میں بیان کیے گئے ہیں، جگہ جگہ خوب صورت تصاویر ہیں۔

مولانا انیس احمد آزاد صاحب قاسمی کو اللہ تعالیٰ نے حسن بیان اور حسن تحریر دونوں کا سلیقہ دیا ہے۔ کتابت، طباعت نہایت صاف و دل کش، گھروں، مدرسوں اور اسکولوں میں اس کتاب کا عام چلن ہونا چاہیے۔

ماہنامہ دارالسلام

ماہ مئی ۲۰۰۴ء

# فہرست


| عنوان | صفحہ نمبر | عنوان | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| چند باتیں | ۷ | تعمیر آدم علیہ السلام | ۳۶ |
| آپ کو بدرالدجیٰ نورِ سحر لکھتا رہوں | ۹ | تعمیر شیث علیہ السلام | ۳۷ |
| عرب | ۱۰ | تعمیر ابراہیم علیہ السلام | ۳۷ |
| مکہ، دنیا کا قدیم ترین شہر | ۱۱ | تعمیر بنو جرہم | ۳۷ |
| مکہ کے قرآنی نام | ۱۳ | تعمیر عمالقہ | ۳۸ |
| طوفان نوح کے بعد | ۱۶ | تعمیر قصی بن کلاب | ۳۸ |
| تعمیر مکہ، ..... ابراہیم علیہ السلام | ۱۶ | تعمیر قریش | ۳۹ |
| ابراہیمؑ کو آگ میں ڈال دیا گیا | ۱۷ | تقسیم عمل | ۴۰ |
| ابراہیمؑ نے وطن چھوڑ دیا | ۱۸ | حجر اسود کی تنصیب | ۴۰ |
| سفر مصر | ۱۸ | تعمیر عبداللہ بن زبیر | ۴۳ |
| منظم آبادی | ۲۰ | تعمیر حجاج بن یوسف | ۴۶ |
| حضرت اسمٰعیلؑ | ۲۱ | تعمیر سلطان مراد خان | ۴۷ |
| آب زم زم | ۲۳ | تعمیر شاہ فہد بن عبدالعزیز | ۴۸ |
| بنو جرہم | ۲۴ | بعثت محمدیؐ سے قبل عالمی حالات کا جائزہ | ۵۰ |
| حضرت ابراہیمؑ کے مکی سفر | ۲۵ | روم | ۵۰ |
| بیت اللہ کی تعمیر | ۲۷ | ایران | ۵۱ |
| حضرت اسمٰعیل مرکزی جگہ میں | ۲۹ | حرمتیں پامال ہوگئیں | ۵۲ |
| حضرت اسمٰعیلؑ کی زبان | ۳۰ | تحریک تجرد | ۵۲ |
| حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد | ۳۱ | آبروریزی | ۵۳ |
| اقوام عرب | ۳۲ | یورپ | ۵۴ |
| بیت اللہ شریف کی تعمیرات | ۳۴ | سیاسی و مذہبی چپقلش | ۵۵ |
| فرشتوں کی تعمیر | ۳۴ | ہندستان | ۵۷ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| عرب | ۶۱ | نسب نامہ | ۹۹ |
| فساد عقیدہ | ۶۲ | ظہور قدسی | ۱۰۳ |
| اخلاقی بگاڑ | ۶۳ | عبدالمطلب مسرت سے جھوم اٹھے | ۱۰۴ |
| لڑکیوں پر ظلم | ۶۵ | حلیمہ کی قسمت جاگی | ۱۰۶ |
| عمرو بن لحی اور بت پرستی | ۶۹ | شق صدر | ۱۱۰ |
| قریش | ۷۰ | ووجدک ضآلا فہدیٰ | ۱۱۲ |
| قصی اور شہر مکہ کی تجدید | ۷۲ | آمنہ مدینہ میں | ۱۱۳ |
| دارالندوہ | ۷۳ | حضرت آمنہ کا انتقال ہوگیا | ۱۱۴ |
| ہاشم بن عبد مناف | ۷۵ | عبدالمطلب کا انتقال ہوگیا | ۱۱۶ |
| شیبہ، عبدالمطلب | ۷۶ | ابوطالب کی کفالت میں | ۱۱۷ |
| عبدالمطلب کا عروج | ۷۸ | فکر معاش | ۱۱۷ |
| چاہ زم زم کی دریافت | ۸۱ | دوسرا شق صدر | ۱۱۸ |
| عبدالمطلب کی منت | ۸۲ | ملک شام کی سفر اور بحیرہ راہب کی پیشگوئی | ۱۱۸ |
| قرعہ میں عبداللہ کا نام نکل آیا | ۸۳ | رخ انور کے صدقے میں بارش کی طلب | ۱۲۰ |
| عبداللہ جوان ہوگئے | ۸۵ | حلف الفضول | ۱۲۱ |
| عبداللہ کا انتقال ہوگیا | ۸۵ | تجارت | ۱۲۳ |
| اصحاب الفیل (ہاتھی والے) | ۸۷ | خدیجہ سے نکاح | ۱۲۶ |
| عبدالمطلب اور ابرہہ کی گفتگو | ۸۸ | زید بن حارثہ | ۱۲۷ |
| عبدالمطلب کی دعاء | ۸۹ | نبوت | ۱۳۰ |
| ابرہہ مکہ کی طرف | ۸۹ | غار حراء | ۱۳۰ |
| ابرہہ کا لشکر تباہ ہوگیا | ۹۰ | جبریل وحی لاتے ہیں | ۱۳۱ |
| رسول کی ضرورت | ۹۲ | وحی اور اس کی حقیقت | ۱۳۲ |
| جذبات سے ربانی علوم حاصل نہیں ہوسکتے | ۹۴ | وحی کی ضرورت | ۱۳۳ |
| رسول کے علم کی ابتدا | ۹۵ | حضورؐ پر نزول وحی کے طریقے | ۱۳۷ |
| دور رسولؐ سب سے زیادہ ترقی یافتہ دور تھا | ۹۷ | خفیہ دعوت | ۱۴۰ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| متعلقین کا ایمان آپکے عظیم کردار کا مظہر | ۱۴۱ | ایمان بالرسول | ۱۷۶ |
| اسلام کا اولین دستہ | ۱۴۲ | رسول کا کام | ۱۷۶ |
| اہل مکہ کو پتہ چل گیا | ۱۴۳ | عام رہنماؤں اور لیڈروں میں رسول کا امتیاز | ۱۷۷ |
| علی الاعلان دعوت | ۱۴۵ | تعدد رسل اور پیغام کی وحدت | ۱۷۸ |
| حضرت موسیٰؑ | ۱۴۶ | ایمان بالرسول کی اہمیت | ۱۸۰ |
| حضرت ابراہیمؑ | ۱۴۸ | صرف حضرت محمدؐ ہی کی اطاعت کیوں؟ | ۱۸۲ |
| حضرت نوحؑ | ۱۴۸ | حضرت محمدؐ ایک عالمی رہنما | ۱۸۴ |
| حضرت ہودؑ | ۱۴۸ | ایمان بالآخرت | ۱۸۶ |
| حضرت صالحؑ | ۱۴۸ | حیات اخروی کا انکار۔ایک جائزہ | ۱۸۸ |
| حضرت لوطؑ | ۱۴۹ | حیات اخروی کے انکار کا اثر | ۱۸۹ |
| حضرت شعیبؑ | ۱۴۹ | اسلام اور عقیدۂ آخرت | ۱۹۰ |
| قرابت داروں کو اسلام کی دعوت | ۱۵۰ | حیات اخروی کا اثبات | ۱۹۶ |
| صفا پہاڑی پر | ۱۵۲ | ایمان بالآخرت کے فوائد | ۱۹۹ |
| سرور کائنات ﷺ کا انقلابی طریق کار | ۱۵۴ | مخالفت | ۲۰۱ |
| اسلام کے بنیادی عناصر | ۱۵۴ | موسم حج کے لئے لائحہ عمل | ۲۰۲ |
| ایمان باللہ | ۱۵۴ | ولید بن مغیرہ کا مشورہ | ۲۰۲ |
| فطرت کی رہنمائی | ۱۵۷ | طفیل بن عمرو دوسی | ۲۰۵ |
| کائنات کا مطالعہ | ۱۵۸ | استہزاء | ۲۰۷ |
| قرآنی پیغام | ۱۶۰ | اسلامی تعلیمات میں شبہات پیدا کرنا | ۲۰۸ |
| وحدانیت | ۱۶۴ | افسانوں سے قرآنی واقعات کا مقابلہ | ۲۰۹ |
| شرک اور اس کے مفاسد | ۱۶۴ | سودہ بازی | ۲۰۹ |
| شرک کے خلاف اسلام کا ردعمل | ۱۶۶ | ظلم وستم | ۲۱۱ |
| تکوینی امور میں فرشتوں کی پوزیشن | ۱۶۷ | ابوذر غفاری | ۲۱۵ |
| انسان ایک عظیم مخلوق | ۱۶۹ | ہجرت کا اشارہ | ۲۱۷ |
| ایمان باللہ کی اہمیت | ۱۷۰ | ہجرت حبشہ | ۲۱۸ |
| ایمان باللہ کے فوائد | ۱۷۴ | دوسری ہجرت حبشہ | ۲۱۸ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| قریش کی بوکھلاہٹ | ۲۱۹ | پچاس نمازوں میں تخفیف | ۲۵۲ |
| قریش دوسری بار ابوطالب کی خدمت میں | ۲۲۱ | سفر معراج سے واپسی | ۲۵۳ |
| حضرت حمزہؓ ایمان لے آئے | ۲۲۳ | ابوبکر اب صدیق ہوگئے | ۲۵۴ |
| حضرت عمرؓ ایمان لے آئے | ۲۲۴ | نشانیاں طلب کی گئیں | ۲۵۴ |
| سودے بازی کی ایک اور مذموم کوشش | ۲۲۶ | احوال برزخ | ۲۵۵ |
| بنوہاشم اور بنومطلب کا اجتماع | ۲۲۸ | مدینہ کے چھ سعادت مند | ۲۵۸ |
| سوشل بائیکاٹ | ۲۲۹ | پہلی بیعت عقبہ | ۲۵۹ |
| خواجہ ابوطالب اس دار فانی سے کوچ کر گئے | ۲۳۱ | دوسری بیعت عقبہ | ۲۶۰ |
| سفر طائف | ۲۳۱ | ہجرت | ۲۶۳ |
| عداس فریفتہ ہوگیا | ۲۳۲ | دارالندوہ میں قتل محمدؐ کی سازش | ۲۶۴ |
| ظلم کے بدلے دعاء | ۲۳۳ | سازش کا پردہ چاک ہوگیا | ۲۶۶ |
| جنات ایمان لائے | ۲۳۴ | امانتیں علیؓ کے حوالے | ۲۶۶ |
| مطعم بن عدی کی پناہ میں | ۲۳۵ | رسولؐ گھر سے باہر نکلتے ہیں | ۲۶۷ |
| معراج | ۲۳۷ | مجرمین کی بوکھلاہٹ | ۲۶۸ |
| معراج مصطفیٰ زمام اقتدار کی تبدیلی کا اشارہ | ۲۳۸ | غار ثور میں | ۲۷۰ |
| اسراء۔معراج | ۲۴۲ | انعام کا اعلان ہوگیا | ۲۷۱ |
| آغاز سفر | ۲۴۲ | تین لوگ۔تین ذمے داریاں | ۲۷۱ |
| درمیانی منزلیں | ۲۴۳ | غار ثور سے روانگی | ۲۷۳ |
| مسجد اقصیٰ | ۲۴۴ | شعلے بھڑک رہے ہیں اور تلاش جاری ہے | ۲۷۳ |
| امام الانبیاء کی امامت اور نبیوں کا خطاب | ۲۴۶ | چٹان کے سایہ میں | ۲۷۶ |
| آسمانوں کی طرف | ۲۴۸ | ام معبد کے خیمے میں | ۲۷۷ |
| انتہائے عروج | ۲۵۱ | قبا بستی | ۲۷۸ |
| عرش اعظم پر | ۲۵۲ | | |

320



SYED SHAMSUL ISLAM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

320

## چند باتیں

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے اور یقیناً آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا، مگر سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریری تکمیل نہ تو آج تک ہو سکی ہے اور نہ ہی قیامت تک ہو سکے گی۔ ابھی تک کسی بھی صاحب قلم نے نہ تو یہ دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی اس دعوے کی کسی میں سکت ہے کہ اس نے سیرت مبارکہ کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کر دیا ہے۔

کیونکہ رب کائنات نے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو اس قدر جامع بنایا ہے کہ ہر دور کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشعل راہ اور مینارۂ نور ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر گوشہ نظام زندگی کے لیے زریں اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عدل وانصاف کے پیکر، قناعت کے معلم اور مساوات کے سب سے بڑے علم بردار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں ہر دور کے جملہ مسائل کا معقول حل موجود ہے۔

ایک طویل عرصے سے میری تمنا تھی کہ میں بھی سیرت مبارکہ پر کچھ لکھوں، مگر علمی کم مائیگی اور عملی کوتاہیوں کی وجہ سے اس مقدس موضوع پر قلم اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی اور نہ اب ہے۔ بس حصول سعادت کے لیے اس بابرکت موضوع پر کچھ لکھنے کی جسارت کی ہے۔

ستمبر ۲۰۰۰ء ماہنامہ تنویر حرم کی خصوصی پیشکش رسالت نمبر کی اشاعت کا شرف حاصل ہوا جس کی پہلی جلد ۷۸۶ صفحات پر مشتمل ہے، جسے ایک ہزار صفحات پر مکمل کر کے ذکر مصطفیٰ کے نام موسوم کر دیا گیا ہے جو اہل علم اور اصحاب ذوق حضرات کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے۔ اس مجموعہ کو اہل علم کے حلقے میں الحمد للہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ سیرت مبارکہ پر یہ خدمت میرے لیے رب کائنات کا خصوصی عطیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مزید توفیق کا خواہاں ہوں۔

دہلی میں مسلسل متعدد سالوں سے پندرہ روزہ جلسہ سیرت مصطفیٰ میں متعین عناوین پر خطاب کرنے کی بھی

سعادت حاصل ہوتی رہی ہے۔ اور الحمد للہ یہ مبارک سلسلہ برابر جاری ہے۔ سامعین کا تقاضہ تھا کہ جو باتیں آپ زبانی سناتے ہیں انھیں اگر تحریری شکل میں پیش کردیں تو یہ سلسلہ زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ اسی تقاضے کے پیش نظر کچھ اسباق لکھنے شروع کیے۔ اور اللہ کی توفیق سے وہ مسودہ طباعت کے مرحلوں سے گذر کر ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کتابی شکل میں آپ کے سامنے موجود ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اول میں ہجرت کے بیان تک مضمون ہے اور دوسری میں وصال تک اور تیسری جلد میں غزوات اور معجزات کا بیان ہے۔

اس کتاب میں چند مقامات مقدسہ کی تصاویر بھی شامل کردی گئی ہیں تاکہ ان مقامات کو دیکھ کر مضمون سے مزید دلچسپی پیدا ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ مجھے اور تمام قارئین کو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری زندگی عملی طور پر وابستہ رہنے کی سعادت سے مالا مال فرمائے۔

اس کتاب کی کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کے لیے جناب محمد صادق حمزہ صدیقی صاحب اور جناب مشتاق احمد صاحب کی خدمات حاصل رہیں اور اس کی تصحیح میں الحاج حافظ شکیل احمد صاحب کی توجہات مبذول رہیں۔ اور طباعت کے دیگر مراحل کے لیے جناب سید فراق حسین صاحب کی کوششیں شامل رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطاء فرمائے اور ہم سب کو اپنے حبیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

امیدوار شفاعت

انیس احمد آزاد قاسمی بلگرامی

ترویج تعلیم کونسل دہلی

یکم شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ، مطابق ۲۸ ستمبر ۲۰۰۳ء بروز اتوار

# آپؐ کو بدرالدّجیٰ نورِ سحر لکھتا رہوں

ہے تمنا سیرتِ خیرالبشر لکھتا رہوں
صبح لکّھوں شام لکّھوں عمر بھر لکھتا رہوں

والضحیٰ والشّمس لکّھوں و القمر لکھتا رہوں
آپؐ کو بدرالدّجیٰ نورِ سحر لکھتا رہوں

دامنِ رحمت میں آنسو بھی گہر بن جائیں گے
سیرتِ سرکار بس باچشمِ تر لکھتا رہوں

حدِّ امکاں میں نہیں توصیفِ احمد مجتبیٰ
یہ بھی ہے توصیف انکی یہ خبر لکھتا رہوں

دیکھ کر بھی اہلِ مکہ درپئے انکار تھے
اور بن دیکھے ہی میں شَقَّ القمر لکھتا رہوں

ہے کریمی آپؐ کی جو منتخب وہ ہو گئے
اَلْجَبَلُ یَا سَارِیَۃُ عزمِ عمرؓ لکھتا رہوں

تھا وہ طیبہ کا سفر اتنا حسیں اتنا حسیں
چاہتا ہے دل کہ رودادِ سفر لکھتا رہوں

مل گئی آزادؔ جن کو صحبتِ فخرِ رسلؐ
ہے فریضہ میرا ان کو معتبر لکھتا رہوں

انیس احمد آزاد قاسمی بگرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرب

عرب وہ جزیرہ نما ملک ہے جو ہمارے ہندستان سے پچھّم کی سمت میں واقع ہے، عرب کے مشرق میں خلیج فارس اور مغرب میں بحر احمر ہے۔ جب کہ شمال میں ملک شام اور جنوب میں بحر ہند ہے۔

بعثتِ محمدیؐ کے زمانے کی معلوم دنیا کے نقشے پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ ملک عرب ایشیا، یورپ اور افریقہ کے براعظموں کے درمیان میں واقع ہے اور اس ملک کو عالمی ہدایت کیلئے مرکز بنانا دیگر ملکوں کے بالمقابل زیادہ موزوں تھا۔

قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوریؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''پرانی دنیا کے نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایشیا، یورپ اور اوقیانوس کے براعظموں میں جزیرہ نما عرب کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ مرکز ایشیا میں ہوتے ہوئے بھی افریقہ اور یورپ سے بہت قریب ہے۔ خاص کر ان دونوں براعظموں کے اس زمانہ کے متمدن ترین علاقے مصر اور روما سے بھی مرکزیت تھی جو عرب کے مرکز مکہ مکرمہ کو نافِ زمین کا لقب دینے کا موجب بنا۔

کسی مرکز سے ہر انتہائی حصہ قریب ترین ہوتا ہے اور کسی بھی جگہ پہونچنا مرکز ہی سے سہل تر ہوتا ہے، آب و ہوا کا اثر طبائع اور اخلاق پر جو کچھ پڑتا ہے وہ ایک مسلم حقیقت ہے۔ سرد ممالک کے باشندوں کی ذکاوت، پہاڑی اور صحرائی لوگوں کی جفاکشی اور زرخیز ممالک کے رہنے والوں کی تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی ترقی قدرت کے بنائے ہوئے مسلمہ قوانین کے تابع ہوتی ہے۔ جن کی جھلک باہمہ وجوہ اس شہرِ خوباں میں موجود ہے۔

جب یہ مقدس شہر نافِ زمین پر آباد اور تینوں براعظموں کے وسط میں واقع ہے تو کسی

عالمگیر تحریک وتبلیغ کیلئے اس سے بہتر اور موزوں مرکز کوئی نہیں ہوسکتا تھا یہی وجہ ہے کہ معلم انسانیت ﷺ کی تبلیغ وترویج دین کی مرکزیت کا سہرا اسی شہر کے سر ہے''۔ (رحمۃ للعالمین جلد اول ص ۳۰)

# مکہ، دنیا کا قدیم ترین شہر

اسی ملک عرب کے صوبہ حجاز کے مشہور اور قدیم ترین شہر مکہ میں سرور کائنات، فخر موجودات، وجہ تخلیق کائنات احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حجاز کے معنیٰ ہیں حجاب یعنی آڑ، کیونکہ یہ صوبہ صحراءِ عرب کے ریگ اور دو سمندروں بحر احمر اور بحر قلزم کے درمیان آڑ ہے۔

مکہ مکرمہ دنیا کا قدیم ترین شہر ہے، اور اسی شہر مکہ میں اللہ کا وہ گھر موجود ہے جو روئے زمین پر سب سے پہلے اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا۔

اس مقدس بستی کیلئے لفظ مکہ کا استعمال کس دور میں ہوا اور لفظ مکہ انسانوں کی زبانوں پر کب آیا اور کتابوں میں اس بستی کا یہ نام کب مستعمل ہوا؟

اس گتھی کو سلجھاتے ہوئے اور لفظ مکہ کے ابتدائی استعمال کی تاریخ بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ عرب، حجاز، مکہ اور کعبہ جتنے الفاظ اور اسماء ہیں اسوقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، (یعنی جس وقت یہ شہر آباد ہوا ان ناموں سے لوگ نا آشنا تھے) لفظ ''عرب'' دسویں صدی قبل مسیح میں مستعمل ہوا (دیکھئے جغرافیہ بطلیموس) حجاز کا لفظ تو اس سے بھی زیادہ نیا ہے اور مکہ کا نام تو دوسری صدی مسیحی میں بطلیموس کے ہاں سب سے پہلے ''مکاربا'' کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے توریت میں اس مقام کا نام اولاً ''مدبار'' یعنی بادیہ بتایا گیا ہے۔ اور قرآن مجید نے اس کو وادیٔ غیر ذی زرع (بن کھیتی کے زمین) کہا ہے۔

اس کے سوا مکہ شریف کی آبادی کے وقت اس کا کوئی دوسرا نام نہیں تھا۔ مدت کے بعد یہی لفظ یعنی ''مدبار'' بادیہ وصحرا، اور وادیٔ غیر ذی زرع اس سرزمین کا نام قرار پایا۔ لفظ عرب کے لفظی معنی بھی بادیہ اور صحرا کے ہیں۔ اس طرح مدبار، بادیہ، وادیٔ غیر ذی زرع اور عرب سب ہم معنی الفاظ ہیں''۔ (ارض القرآن)

شہر مکہ کی قدامت اور اس کی اہمیت کے تعلق سے چند روایات پیش خدمت ہیں۔

حضرت عطاءؒ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جس سے پانی میں ہلچل پیدا ہوئی اور پھر اپنی قدرت کاملہ سے خانۂ کعبہ کی جگہ ایک قبہ نما ٹیلہ بنا دیا اور اسی جگہ پر دو ہزار سال بعد بیت اللہ شریف بنایا گیا اسی بنا پر اس شہر کو ام القریٰ کہتے ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۹۰)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ دنیا کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے خانۂ کعبہ کو پانی کے چار ستونوں پر کھڑا کیا گیا جن کی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں پھر زمین اس کے نیچے سے پھیلا دی گئی۔ (تفسیر طبری جلد ۱ ص ۵۴۷، مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۹۲)

بسیط میں امام واحدی نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ خالق کائنات نے سرزمین مکہ کو زمین کے دوسرے اجزاء کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل پیدا فرمایا اور اس کی چاروں بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۶، تفسیر قرطبی جلد ۴ ص ۱۳۷)

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت سے حرمت والا قرار دیا ہے جب آسمان وزمین کی تخلیق فرمائی، اللہ کی طرف سے یہ حرمت وتقدس قیامت تک کے لئے ہے۔ (مسلم)

# مکہ کے قرآنی نام

اس مقدس شہر کے بہت سے نام ہیں۔ کتب تاریخ میں تقریباً پچاس نام شمار کروائے گئے ہیں۔ خود قرآن مجید میں اس مقدس شہر کے متعدد نام مذکور ہیں۔

## ① مکہ

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ (قرآن، الفتح ۲۴)

ترجمہ: (اور وہ اللہ وہی ہے جس نے ان کافروں پر تم کو فتح عطا کر دینے کے باوجود مکہ کی سرحد میں ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا۔)

مکہ کے معنی ہیں ختم کر دینا، مٹا دینا، ہلاک کر دینا، مکہ کو مکہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ شہر گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ظالموں کو یہ شہر ہلاک کر دیتا ہے۔

## ② بکہ

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ (قرآن۔ آل عمران ۹۶)

ترجمہ: (بیشک سب سے پہلا گھر جو اللہ کی عبادت کے لئے لوگوں کے واسطے بنایا گیا وہ بکہ میں ہے وہ مبارک ہے اور لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے۔)

اس آیت میں بکہ سے مراد مکہ ہے۔

## ③ ام القریٰ

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (قرآن، الانعام ۹۲)

ترجمہ: (اور یہ کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے جو بابرکت ہے اور اپنے سے ماقبل کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور اسکے اطراف کے لوگوں کو ڈرائیں۔)

اس آیت میں ام القریٰ سے مراد مکہ ہے۔

## ④ بلد

وَاِذْقَالَ اِبْرَاهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَابَلَدًا اٰمِنًا (قرآن،البقرۃ)

ترجمہ:(اوروہ وقت یادکرنے کے قابل ہے جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہااے میرے رب اس کوامن والاشہر بنادے)

اس آیت میں بلد سے مرادشہر مکہ ہے۔

## ⑤ البلد

وَاِذْقَالَ اِبْرَاهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَاالْبَلَدَاٰمِنًا (قرآن،ابراہیم۳۵)

ترجمہ:(اوروہ وقت یادکرنے کے قابل ہے جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہااے میرے رب اس کوامن والاشہر بنادے)

اس آیت میں البلد سے مرادشہر مکہ ہے۔

## ⑥ البلدة

اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ (قرآن،النمل۹۱)

ترجمہ:(بس مجھ کوتو یہی حکم ملاہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں)

اس آیت میں البلدۃ سے مرادشہر مکہ ہے۔

## ⑦ البلد الامین

وَهٰذَا الْبَلَدِالْاَمِیْنِ (قرآن،التین۳)

ترجمہ:(قسم ہےاس امن والےشہر کی)

اس آیت میں البلدالامین سے مرادمکہ ہے۔ابن جوزی فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت ہو یا اسلام،خوف وہراس میں مبتلاہر شخص یہاں امن پاتا ہے۔

## ⑧ قریة

وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِکَ الَّتِیْ اَخْرَجَتْکَ (قرآن،محمد۱۳)

ترجمہ: (اور اے نبیؐ کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جو آپ کی اس بستی سے جہاں کے لوگوں نے آپ کو باہر نکالا ہے طاقت وقوت میں بڑھی ہوئی تھیں)

اس آیت میں قریۃ سے مراد مکہ ہے۔

## ⑨ وادی غیر ذی زرع

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ

(قرآن، ابراہیم ۳۷)

ترجمہ: (اے ہمارے رب بیشک میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس بن کھیتی کی زمین میں ٹھہرایا ہے)

اس آیت میں وادیٔ غیر ذی زرع سے مراد مکہ ہے۔

## ⑩ حرم اٰمن

اَوَلَمۡ نُمَکِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا (قرآن، القصص ۵۷)

ترجمہ: (کیا ہم نے ان کو امن والے حرم میں جگہ نہیں دی)

اس آیت میں حرم آمن سے مراد مکہ ہے۔

## ⑪ معاد

اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (القرآن، القصص ۸۵)

ترجمہ: (بیشک جس اللہ نے آپ پر قرآن کے احکام کو فرض کیا وہ آپ کو ضرور معاد (آپ کے اصلی وطن مکہ) تک پہونچانے والا ہے۔

اس آیت میں معاد سے مراد مکہ ہے۔

# طوفان نوح کے بعد

طوفان نوح میں بیت اللہ شریف کی دیواریں منہدم ہوگئیں اور بستی غیر آباد ہوگئی۔ البتہ یمن سے ملک شام اور ملک شام سے یمن جانے والے قافلے جب اس مقدس بستی کی سرزمین سے گذرتے تو خانۂ کعبہ کے کھنڈرات کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر برکت حاصل کرتے، کیوں کہ ان کو اپنے آباء واجداد سے سینہ بسینہ ایسی روایات پہونچی تھیں کہ اس مقام پر ایک مقدس بستی تھی اور یہاں اللہ کا وہ گھر تھا جو اس روئے زمین پر سب سے پہلے اسکی عبادت کیلئے بنایا گیا۔

یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ رب کائنات نے مکہ مکرمہ کو دوبارہ آباد کرنے کا ارادہ فرمایا۔

# تعمیر مکہ

## ابراہیم علیہ السلام

عرب اور ایران کے درمیان ملک عراق تھا اور یہاں کا دارالسلطنت بابل تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے کی بات ہے کہ سلطنت بابل نہایت عروج پر تھی۔ وہاں زیادہ تر حامی نسل کے لوگ آباد تھے۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حام کی اولاد وہاں آباد تھی اور بادشاہ نمرود بھی اسی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ البتہ کچھ آبادی سامی نسل کی بھی تھی یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے فرزند سام کی بھی کچھ اولاد وہاں رہتی تھی۔

مذہبی اعتبار سے وہاں کے لوگ زہرہ ستارہ اور چاند وسورج کے پجاری تھے۔ وہاں کے بادشاہ نمرود نے اپنا ہم شکل سونے کا بت بنوا کر سب سے بڑی عبادت گاہ میں رکھوادیا تھا۔ اور اپنی تمام رعایا سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ سب اس کے بت کی پوجا کریں، چنانچہ سلطنت بابل کے لوگ اس بادشاہ کے بت کی پوجا کرنے لگے۔

دارالسلطنت کے قریب ہی ایک بستی تھی جس کا نام ''اُر'' تھا۔اس میں ایک شخص رہتا تھا جس کا اصل نام تارح تھا اور آزر کے نام سے مشہور ہوا، اس کا تعلق سامی نسل سے تھا۔اس کے یہاں بت تراشی کا کام ہوتا تھا، بذات خود تارح بھی بت تراش ، بت فروش اور بت پرست تھا۔تارح جن بتوں کا بجاری تھا ان میں سے ایک بت کا نام آزر تھا۔ چنانچہ تارح نے اپنے اسی معبود کے نام پر اپنا نام بھی آزر رکھ لیا۔اسی تارح عرف آزر کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے ابراہیم رکھا۔ابراہیم کے معنی ہیں قوموں کا باپ۔ یہی وہ ابراہیم ہیں جنہیں خلیل اللہ کا لقب حاصل ہوا، اور یہی ابراہیم علیہ السلام سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کے جدامجد قرار پائے۔

## ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالدیا گیا

اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی ہدایت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معبوث فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس قوم کو اللہ کی طرف بلایا، اس کو وحدانیت کا پیغام سنایا اور حقیقی رب العالمین کا تعارف کرایا۔آپ نے اپنی دعوتی سرگرمیوں کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔جس کے نتیجے میں آپ کو اپنے گھر والوں کی بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور حکومت کی طرف سے بھی آپ کو اذیتیں دینے کے تمام منصوبے بنائے گئے ۔ حد یہ ہوئی کہ آگ دہکائی گئی اور دہکتے ہوئے شعلوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈال دیا گیا۔لیکن حکم الٰہی سے وہ آگ حضرت ابرہیم علیہ السلام کیلئے ٹھنڈی ہوگئی اور آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہونچی۔آگ کو حکم ربانی ملا۔

**يَانَارُ كُوْنِيْ بَرْداًوَّسَلَاماً عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ**

ترجمہ: (اے آگ سلامتی کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہوجا)

# ابراہیم علیہ السلام نے وطن چھوڑ دیا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ مخالفین اپنے ارادوں میں مکمل ناکام ہو گئے۔ ابراہیم علیہ السلام اس آگ سے نکلنے کے بعد اپنی بیوی حضرت سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوط بن فاران کو لے کر اس بستی سے ہجرت کر گئے۔ اللہ کے راستے کے یہ تینوں مہاجر مختلف منزلیں طے کرتے ہوئے فلسطین پہونچے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

# سفر مصر

اسی دوران وہاں قحط سالی ہوگئی جس کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی زوجہ حضرت سارہ کو لیکر مصر تشریف لے گئے۔ اس وقت وہاں رقیون بادشاہ کی حکومت تھی۔ اس بادشاہ کا آبائی وطن بابل تھا وہاں کے بادشاہ نے حضرت سارہ کو حسین سمجھ کر اپنے لئے منتخب کر لیا اور جب بری نیت سے وہ حضرت سارہ کے قریب ہونے کا ارادہ کر رہا تھا تو اچانک اللہ تعالیٰ نے اپنا قہر اس کے سامنے ظاہر فرمایا۔

شاہ مصر سمجھ گیا کہ یہ خاتون کوئی مقدس ہستی ہے۔ اس نے فوراً توبہ کی اور حضرت سارہ سے معافی مانگی اور اپنی بیٹی ہاغار حضرت سارہ کی خدمت میں دیدی۔ اور بھی بہت کچھ ہدیے تحفے دیکر ان کو رخصت کیا۔

حضرت ہاجرہؓ کا اصل نام ہاغار ہے، آپ کا ایک نام آجر بھی ہے یعنی حضرت سارہ اور حضرت ابراہیم کو شاہ مصر کی وجہ سے جو تکلیف پہونچی اس کے بدلہ میں اس نے اپنی بیٹی بطور اجر انہیں دیدی۔ لیکن شاہ مصر کی یہ بیٹی جب اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ کے ساتھ مصر سے ہجرت کر کے چلی تو اسے ہمیشہ کے لئے ہاجرہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا، یعنی ہجرت کرنے والی۔ حضرت سارہ نے اپنی اس خادمہ کو حضرت ابراہیم کی زوجیت میں دیدیا۔

مصر کے اس سفر کے متعلق بخاری شریف میں کچھ تفصیل اس طرح منقول ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ مصر کے بادشاہ کو اطلاع ملی کہ ایک اجنبی شخص یہاں آیا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کی حسین وجمیل بیوی ہے۔ بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے دربار میں طلب کیا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے بتایا، میرے ساتھ میری بہن ہے۔ پھر بادشاہ نے حضرت سارہ کو طلب کیا، پیش ہونے سے پہلے حضرت ابرہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے کہہ دیا تھا کہ بادشاہ کی نیت خراب ہے اور اس نے تمہارے بارے میں مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ میری بہن ہے اور تم جانتی ہو کہ ہم دونوں کے سوا کوئی بھی مومن نہیں ہے، لہٰذا تم میری بات کی تصدیق کرنا۔ چنانچہ جب حضرت سارہ بادشاہ کے دربار میں پہونچیں تو بادشاہ نے بری نیت سے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا، تو وہ اللہ کی گرفت میں آ گیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا۔ بادشاہ گھبرا کر چلانے لگا۔

اے سارہ! تو اپنے مالک سے دعاء کر دے کہ وہ مجھے اس مصیبت سے بچالے، میں تجھے کوئی نقصان نہیں پہونچاؤں گا۔ چنانچہ حضرت سارہ کی دعاء کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اسے نجات دیدی۔ مگر پھر وہ گناہ کی نیت سے آپ کی طرف بڑھا تو پھر قدرت کی پکڑ میں آ گیا اور پہلے سے بھی زیادہ شدید گرفت تھی۔ بادشاہ نے پھر عاجزی کی اور کہا۔

اے سارہ! اپنے مالک سے دعاء کر کے مجھے نجات دلا دے، اب ہرگز ہرگز میں تجھے اذیت نہیں دے سکتا۔

حضرت سارہ نے دعاء کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے نجات دیدی۔ یہ واقعہ دیکھ کر بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا یہ تو کوئی جن ہے۔ (وہاں کے لوگ جنوں کی عظمت کا اعتقاد کچھ زیادہ ہی رکھتے تھے) بادشاہ نے حضرت سارہ کی خدمت گزاری کے لئے ہاجرہ کو ان کے ساتھ کر دیا۔

جب حضرت سارہ واپس آئیں تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھ رہے ہیں

سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کے مکر وفریب سے نجات دلائی اور ہاجرہ کو خدمت گزاری کیلئے ہمارے حوالہ کر دیا۔ (بخاری شریف جلد اول ص ۴۷۴)

حضرت ہاجرہ بہت عظمتوں اور رفعتوں والی خاتون ہیں۔ آپ کی عظمت کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ

☆ آپ شاہ مصر کی بیٹی ہیں.

☆ آپ اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ ہیں۔

☆ آپ اللہ کے ذبیح اسمٰعیل علیہ السلام کی والدۂ محترمہ ہیں۔

☆ آپ محدثۂ ملائک ہیں یعنی فرشتے آپ سے گفتگو کیا کرتے تھے.

☆ آپ مکہ معظّمہ کی بانیہ ہیں۔

☆ آپ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جدۂ عالیہ ہیں۔

## منظّم آبادی

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب سفر مصر سے کنعان (فلسطین) واپس ہوئے تو اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کو دعوت الی اللہ کے کام کیلئے شہر صدوم میں بحر میت کے پاس اردن میں آباد کیا۔ اور خود اپنی دونوں بیویوں حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ کے ساتھ کنعان میں قیام پذیر ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دعوت الی اللہ کے کام کو منظّم انداز میں کرنے کے لئے نہایت منصوبہ بند طریقہ سے اپنی اولاد کو مختلف علاقوں میں آباد کیا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ سفر ابراہیمی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے مختلف شہروں کے طویل سفر کے بعد عرب اور شام کی سرحد کا رخ کیا۔ بحر میت کے پاس اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو آباد کیا۔ اپنے فرزند

ارجمند سیدنا اسحٰق علیہ السلام کیلئے کنعان (فلسطین) کا مقام منتخب کیا، اپنے دوسرے بیٹوں مدین وغیرہ کو حجاز میں بحر احمر کے ساحل پر اس مقام پر بسایا جسے ان کے انتساب سے آج تک مدین کہا جاتا ہے۔ اور اس سے آگے بڑھ کر فاران کی مقدس وادی میں سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ کی جائے سکونت مقرر فرمائی۔ یہ تمام مقامات ایسی شاہراہوں پر واقع تھے جن پر مصر و شام سے حجاز و یمن اور حجاز و یمن سے مصر و شام آمد و رفت کیلئے تاجروں، سوداگروں اور قافلوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔

اپنی اولاد کو اس خاص سلسلے سے آباد کرنے سے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کے پیش نظر دو عظیم مقصد تھے۔ ایک تو یہ کہ تجارتی قافلوں کی آمد و رفت کی وجہ سے انہیں ضروری سامان اور غلہ وغیرہ دستیاب ہونے میں تکلیف نہیں ہوگی اور ساتھ ہی اس سوداگری میں وہ بھی سہولت سے شرکت کر سکیں گے۔ اور دوسرا مقصد تبلیغ کا تھا۔ کہ توحید خداوندی کی تبلیغ کے لئے یہ بین الاقوامی گذرگاہیں بہترین مراکز ثابت ہونگی۔ اور اس طرح عراق و شام کی جبار و قہار، بت پرست و کواکب پرست قوموں سے کنارہ کش ہو کر دین حنیف کی تبلیغ و ترویج پورے انہماک سے کر سکیں گے۔

(سیرت النبی جلد پنجم ص ۳۳۸)

# حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اولاً حضرت ہاجرہ کے بطن سے ایک بیٹا عطاء کیا جس کا نام آپ نے اسمٰعیل تجویز فرمایا۔ اسمٰعیل کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ سال کی تھی۔

اسمٰعیل کے معنی ہیں سمیع اللہ۔ توراۃ کی کتاب پیدائش میں بھی اسمٰعیل کے یہی معنی بیان ہوئے ہیں ''اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سنی (توراۃ پیدائش باب ۳۲)

اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد حکم ربانی کے تحت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی

بیوی حضرت ہاجرہ اور اپنے نومولود بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ مکرمہ کی لق ودق وادی کی طرف چل دیئے اور بڑھاپے کے عالم میں جب یہ طویل سفر طے کر کے خانۂ کعبہ کے کھنڈرات کے پاس پہونچے تو وہیں رک گئے۔ ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنا کر اپنے بیٹے اسمٰعیل اور بیوی ہاجرہ کو اس میں ٹھہرا دیا اور یہ دعا مانگی۔

رَبَّنَا اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ.

اس کا ترجمہ یہ ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے پاس آباد کر دیا ہے۔ اے ہمارے رب! تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور پھلوں سے ان کو رزق عطا فرما امید ہے کہ وہ شکر گزار بنیں گے۔

کچھ کھجوریں اور پانی کا ایک چھاگل ان کے حوالے کر یا اور کچھ بتائے بغیر واپس چل دیئے۔

حضرت ہاجرہ آواز لگا رہی ہیں۔ اے ابراہیم! مجھے کس کے حوالے کر کے جا رہے ہو؟

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

تم دونوں کو اللہ کے حوالے کر کے جا رہا ہوں۔

حضرت ہاجرہ نے فرمایا پھر تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ کیونکہ جو اللہ نارِ نمرود میں آپ کی حفاظت کر سکتا ہے وہی اللہ اس لق ودق وادی میں میری اور میرے بیٹے کی بھی حفاظت کرنے پر قادر ہے۔

رب کائنات نے وسائل واسباب کی اس دنیا میں مکہ مکرمہ کو آباد کرنے اور خانۂ کعبہ کو اس کی قدیم بنیادوں پر تعمیر کرنے کے اسباب مہیا کر دیئے اور اسمٰعیل و ہاجرہ کو اپنے آخری رسول ﷺ کے تولد کا ذریعہ بنا دیا۔

# آبِ زم زم

ہر طرف پہاڑوں سے گھری اس بنجر وادی میں کوئی ایسا بھی نہیں جس سے حضرت ہاجرہ اپنے دکھ درد کی باتیں کرسکیں۔ نہ وہاں کھانے پینے کی کوئی چیز مہیا، نہ اسباب زندگی کا وجود۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ کھجوریں اور پانی دیا تھا آخر وہ کب تک ساتھ دیتا۔ کھجوریں ختم ہوگئیں اور پانی پینے کے لئے نہ رہا۔ ننھا اسمٰعیل پیاس کی وجہ سے بلک رہا ہے، ہونٹوں پر خشکی کی وجہ سے پپڑیاں بندھنے لگیں، ماں کی ممتا اپنے لاڈلے کی سسکیوں کو برداشت نہ کرسکی اور حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں، شاید کوئی ندی یا تالاب نظر آجائے یا کوئی چشمہ دکھائی دے، جہاں سے پانی لاکر اپنے اس لاڈلے کی پیاس بجھا سکیں۔ مگر دور دور تک نظر دوڑانے پر بھی پانی کا نام ونشان تک نہ ملا۔ نہ وہاں چڑیوں کی کوئی چہچہاہٹ تھی اور نہ ہی پودوں کی کوئی ہریالی، جو پانی کے نہ ہونے کو زبان حال سے بیان کررہی تھی۔ مگر اسمٰعیل کے کراہنے کی ہر آواز ہاجرہ کو مزید کوشش پر آمادہ کررہی تھی۔ چنانچہ پانی کی تلاش میں وہ صفا پہاڑی کے بالمقابل مروہ پہاڑی پر آئیں اور یہاں بھی ہر طرف نظر دوڑائی مگر پانی کے آثار کہیں سے کہیں تک نظر نہ آئے۔ اسی اضطراب کے عالم میں وہ کبھی صفا پر اور کبھی مروہ پر آتی جاتی رہیں اور اپنی اس آمد ورفت میں اپنے لاڈلے کو نظروں میں رکھنے کی کوشش کرتیں اور جب صفا ومروہ کے درمیان نشیبی حصہ میں پہونچتیں تو وہاں جلدی سے دوڑ کر گزر جاتیں کیونکہ نشیب کی وجہ سے وہاں سے اسمٰعیل نظر نہیں آتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ ساتویں چکر میں مروہ پر پہونچیں تو رب کائنات نے جبریل امین کو بھیجا۔ آپ نے اپنا پر زمین پر مارا اور وہیں سے پانی کا ایک چشمہ ابل پڑا۔

حضرت ہاجرہ کی نظر جب اس پانی پر پڑی تو دوڑتی ہوئی اس مقام پر آئیں اور چاروں طرف سے پانی کو مٹی سے گھیرتے ہوئے زمزم زمزم کہہ رہی تھیں یعنی ٹھہر جا، ٹھہر جا، یہ پانی تھا

یا قدرتِ الٰہی کا ظہور، ایسا پانی جس میں شفا بھی ہے اور غذا بھی، ایسا چشمہ جس کے سوتے آج تک خشک نہ ہوئے۔ اس سے کتنا ہی پانی کیوں نہ نکالا جائے اس میں کبھی کمی نہیں آسکتی۔

حضرت ہاجرہ کو پانی مل گیا، اپنے لاڈلے اسمٰعیل کو پلایا، خود بھی پیا اور رب کائنات کا اس عظیم انعام پر شکر ادا کیا۔

## بنو جرہم

اس بے آب و گیاہ وادی کے پاس سے اگر کوئی قافلہ گذرتا بھی تھا تو وہاں سکونت اختیار کرنے کا وہ تصور بھی نہیں کرتا۔ کیونکہ جس مقام پر پانی جیسی زندگی کی اہم ضرورت مہیا نہ ہو وہاں آخر کون رہ سکتا ہے۔ لیکن پیاس سے بلکتے سسکتے اسمٰعیل کی ایڑیوں کی رگڑ کے صدقے میں جو چشمہ ابلا تھا وہ زبان حال سے لوگوں کو اس مقام پر قیام پذیر ہونے کی دعوت دے رہا تھا۔ اور شدہ شدہ وہ وقت آیا کہ قبیلہ بنو جرہم کے لوگوں نے پانی جیسی عظیم نعمت کو اس مقام پر دیکھ کر نہ صرف یہ کہ اپنی وقتی ضرورت کو پورا کیا بلکہ اسی جگہ مستقل قیام پذیر ہونے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت ہاجرہ سے انہوں نے قیام کی اجازت مانگی اور حضرت ہاجرہ نے بخوشی ان کو اجازت دیدی۔ لیجئے مکہ مکرمہ کی آبادی میں اضافہ ہو گیا۔ ابھی تک تو صرف ایک عورت اپنے معصوم بچے کے ساتھ خانۂ کعبہ کے کھنڈرات کے آس پاس قیام پذیر تھی اور اب قبیلہ بنو جرہم کے لوگوں کی سکونت سے وہاں آبادی کی مضبوط بنیادیں قائم ہو گئیں۔

# حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مکی سفر

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی زوجہ ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسمٰعیل کی خبر گیری کیلئے متعدد بار مکہ مکرمہ تشریف لائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ مکرمہ کی سرزمین پر پر سب سے پہلے تو اسوقت آئے جب ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو اس مقدس وادی میں ٹھہرایا تھا۔

اس وقت یہاں کوئی آبادی نہیں تھی اور دور دور تک بھی سامانِ حیات مہیا نہ تھا۔ بیت اللہ شریف کی بھی کوئی عمارت قائم نہ تھی، بلکہ بیت اللہ شریف کی جگہ پر ایک سرخ ٹیلہ تھا اور جس مقام پر زمزم کا کنواں ہے اس کے قریب ایک درخت تھا جس کے نیچے ایک چھوٹی سی چھونپڑی ڈال کر حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے لخت جگر اسمٰعیل کو ٹھہرایا تھا۔

مکہ مکرمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا سفر وہ ہے جس میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا واقعہ پیش آیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تیسری بار جب مکہ مکرمہ آئے تو اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی ہو چکی تھی۔ اور حضرت ہاجرہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور ان کو حطیم والی جگہ میں دفن کر دیا گیا۔ اس تشریف آوری کے موقع پر اسمٰعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے بلکہ شکار کیلئے گئے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہو سے گزراوقات کے بارے میں معلوم کیا تو اس نے تنگدستی اور پریشانی کا اظہار کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب اسمٰعیل آجائیں تو ان سے کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں۔ یہ کہہ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین واپس آگئے۔ چنانچہ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر تشریف لائے تو آپ کی بیوی نے بتایا کہ اس اس طرح کے

ایک بزرگ آئے تھے اور آپ کیلئے یہ کہہ گئے ہیں کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس ہدایت کا مطلب سمجھ گئے اور اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔

ظاہر ہے جس اسمٰعیل کی نسل میں وہ رسول امی پیدا ہونے والا ہو جس کا طرۂ امتیاز الفقر فخری ہو تو اس رسول کے سلسلۂ نسب میں ایک ایسی خاتون کو کس طرح جگہ مل سکتی ہے جو تنگدستی اور پریشانیوں کا شکوہ کرنے والی ہو۔ اس نبیٔ آخر الزماں اور رسول امی کے سلسلۂ نسب میں تو ایسی خاتون کو ہونا چاہئے جو مصیبتوں پر صبر کرنے والی اور فاقہ کشی کے تھپیڑوں کو سہنے کی عادی ہو اور قناعت اس کے خمیر میں شامل ہو۔

پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی بنو جرہم کے سردار مضاض بن عمرو کی بیٹی سے ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب چوتھی بار مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اتفاق سے اس بار بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہو سے حالات دریافت کئے اور گزراوقات کے بارے میں پوچھا۔

تو اس نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور صبر وشکر کا مظاہرہ کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب اسمٰعیل آجائیں تو ان سے کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ برقرار رکھیں۔ اور یہ کہہ کر آپ فلسطین واپس آگئے۔

چنانچہ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر تشریف لائے تو اہلیہ نے یہ واقعہ سنایا اور فرمایا کہ ان صاحب نے یہ ہدایت کی ہے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ برقرار رکھیں۔

حضرت اسمٰعیلؑ اس وصیت کا مطلب سمجھ گئے اور اس بیوی کو مستقل ساتھ رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب پانچویں بار مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اپنے بیٹے اسمٰعیل کے ساتھ مل کر بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔

ایک وہ دن تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے معصوم بچے اسمٰعیل کو اس وادی غیر ذی زرع میں یہ دعاء کر کے چھوڑ گئے تھے کہ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا۔

اے میرے پروردگار تو اس مقام کو ایک امن والا شہر بنا دے۔

حالانکہ بظاہر وہاں آبادی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ مگر اللہ کے خلیل کی دعاء رنگ لائی اور قبیلہ بنو جرہم کی آمد سے اس مقام پر مستقل آبادی کے امکانات روشن ہونے لگے۔

یہ دعا کر کے ابراہیم علیہ السلام فلسطین واپس چلے گئے مگر اپنے بیٹے اور بیوی کی خیریت معلوم کرنے نیز دعوت الی اللہ کیلئے ذہن سازی کرنے کے لئے متعدد بار مکہ مکرمہ تشریف لائے۔

آپ نے مکہ مکرمہ کا جو آخری سفر فرمایا ہے وہ تاریخ ساز سفر بن گیا کیونکہ آپ نے اپنے اسی آخری سفر میں بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ آخری سفر بیت اللہ شریف کی تعمیر کے سلسلے میں تھا اور اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر مبارک ۲۰ سال ہو چکی تھی۔

## بیت اللہ کی تعمیر

حضرت ابراہیمؑ اپنے اس آخری سفر میں جب مکہ مکرمہ پہونچے تو دیکھا کہ چاہ زمزم کے پاس ایک درخت کے نیچے آپ کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ بیٹھے ہوئے تیر بنا رہے ہیں۔ ایک طویل زمانے کے بعد والد محترم کا دیدار ہوا تھا تو نہایت جذباتی انداز میں باپ بیٹے ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور اسمٰعیل علیہ السلام نے انتہائی تعظیم و تکریم سے اپنے والد محترم کا استقبال کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے فرمایا۔

میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کے گھر کی تعمیر کروں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا۔

ضرور کیجئے!۔ خدمت کیلئے میں حاضر ہوں۔

اس وقت بیت اللہ شریف والی جگہ ایک ابھرے ہوئے سرخ ٹیلے کی شکل میں تھی۔ اس کی

بنیادوں کی نشاندہی جبریل امین نے فرمائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام واسمٰعیل علیہ السلام نے اس جگہ کھدائی شروع کر دی یہاں تک کہ وہ قدیم بنیادیں ظاہر ہوئیں جن پر حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تھی۔

بنیادوں کے ظاہر ہو جانے کے بعد اس کی تعمیر شروع کر دی۔ بوڑھا باپ ابراہیم علیہ السلام ایک معمار کی حیثیت سے اور جوانمرد اسمٰعیل علیہ السلام ایک مزدور کے بھیس میں نہایت تندہی کیساتھ اس کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے۔ یہ معمار و مزدور دنیا کے تمام معماروں اور مزدوروں سے جداگانہ مزاج کے حامل تھے۔ دنیا کے ہر معمار اور مزدور کو ڈیوٹی کا وقت مکمل ہونے کا انتظار رہتا ہے تاکہ وہ مالک سے اپنی اجرت لے سکے۔ کام کرنے کے دوران ہر معمار اور مزدور اپنی اجرت کو لینے اور اس کے استعمال کے سلسلے میں نہ جانے کیسے کیسے خیالوں میں مست رہتا ہے۔ مگر بیت اللہ کی تعمیر کر رہے اس معمار و مزدور کی طلب ہی کچھ اور ہے۔ ان کے ہاتھ تو پتھروں کے اٹھانے اور لگانے میں مصروف ہیں مگر دل و زبان سے رب کائنات سے یہ دعائیں ہو رہی ہیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔ اے ہمارے رب! ہماری اس خدمت کو قبول فرما، بیشک تو بہت سننے اور جاننے والا ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ.

اور اے ہمارے رب! ہم کو اپنی تابعداری عطاء فرما اور ہماری اولاد کو بھی اپنی تابعداری کرنے والی امت بنا اور ہم کو حج کرنے کے طریقے سکھا دے۔ اور ہم پر خصوصی توجہ فرما بیشک تو بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

اے ہمارے رب! ان میں ایک رسول انہی میں سے معبوث فرما جو تیری آیتیں ان کے

وادی غیر ذی زرع، مکہ کا تقریبی خاکہ جب کہ حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل یہاں قیام پذیر ہوئے۔
اس میں سرخ ٹیلہ اور چاہ زمزم کی جگہ ایک درخت نمایاں ہے۔

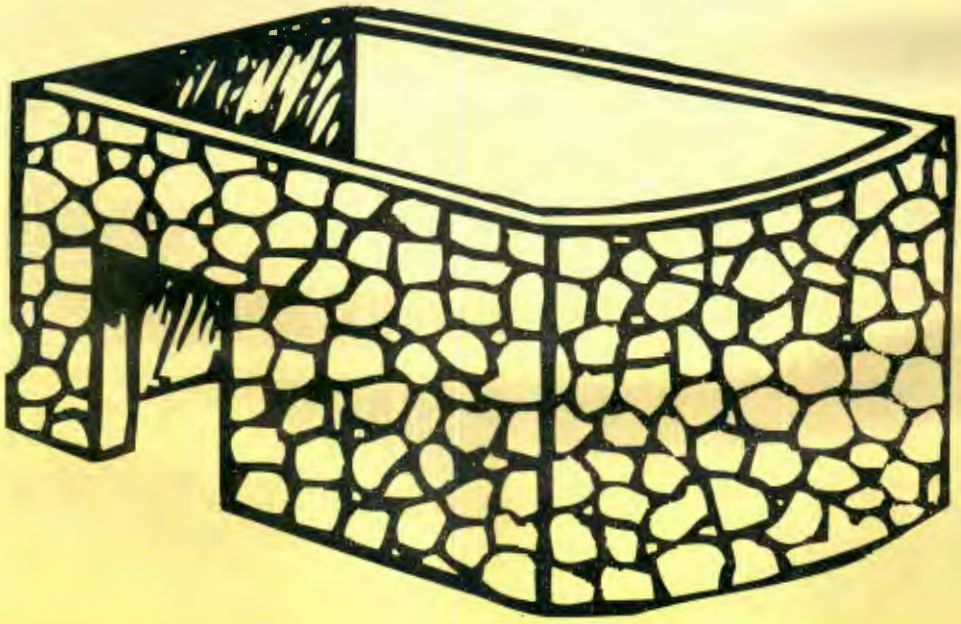

تعمیر ابراہیمی کا تقریبی خاکہ

تعمیر قوم عمالقہ کا تقریبی خاکہ

تعمیر قصی کا تقریبی خاکہ

سامنے پیش کرے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔ اور ان کو صاف ستھرا بنائے۔ بیشک تو بڑے غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

جب بیت اللہ شریف کی دیواریں بلند ہو کر اس مقام تک پہونچ گئیں ہیں جہاں حجر اسود لگا ہوا ہے تو جبریل امین کی نشان دہی پر جبل ابوقبیس کی ایک چھوٹی سی کھوہ میں سے دو پتھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دستیاب ہوئے۔ ان میں سے ایک حجر اسود اور دوسرا مقام ابراہیم کے نام سے متعارف ہے۔

حجر اسود جنت کا پتھر ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کے ایک کونے میں نصب کر دیا۔ اسے بوسہ دیکر یا اس کا استلام کر کے طواف کعبہ شروع کیا جاتا ہے۔

اور مقام ابراہیم نام کا پتھر بھی جنت کا یاقوت ہے۔ اس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی دیواریں بلند کیں۔ اس پتھر کی خصوصیت یہ تھی کہ جیسے جیسے دیواریں بلند ہوتی تھیں اسی قدر یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا۔ اور اسی پتھر پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلان کیا تھا۔

اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پیروں کے واضح نشانات موجود ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس تعمیر میں بیت اللہ شریف کی چھت نہیں تھی اور موجودہ حطیم بھی نہیں تھا۔ نیز اس کے دو دروازے تھے۔ اور دونوں سطح زمین سے ملے ہوئے تھے

## حضرت اسمٰعیل مرکزی جگہ میں

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا قیام ایسی جگہ تھا جہاں سے ایک طرف مصر ہے جو آپ کا ننہال ہے، ایک جانب عراق ہے جو آپ کا ددھیال ہے، ایک سمت ملک شام ہے جہاں آپ کا بھائی اسحٰق قیام پذیر ہے، ایک جانب یمن ہے جہاں آپ کے بھائی ابنائے قطورہ بڑی تعداد میں

سکونت پذیر ہیں۔

واضح رہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی تین ازواج ہوئیں ان میں سے ایک قطورہ بھی تھیں، ان کے بطن سے جو اولاد ہوئی وہ ابنائے قطورہ کہلائی اور یمن میں بڑی تعداد میں آباد ہوئی۔ باقی دو ازواج مشہور و معروف ہیں یعنی سارہ اور ہاجرہ۔ سارہ کی اولاد بنو اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی اور ہاجرہ کی اولاد بنو اسمٰعیل کہلائی۔

اور عیسو بن اسحٰق آپ کا بھتیجہ بھی ہے اور داماد بھی جو اٹلی کے کنارے تک اپنی کثیر اولاد کے ساتھ قابض ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مختلف ملکوں اور مختلف قوموں کیلئے اتحاد کا ذریعہ بنا کر مبعوث کیا تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا دعوتی میدان اگر چہ عرب، حجاز، یمن اور حضرموت کا علاقہ تھا مگر آپ کی بنیادیں عراق تک مضبوط تھیں۔ کیونکہ آپ کے والد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں پیدا ہوئے تھے۔ اور بعد میں فلسطین میں سکونت اختیار کی۔ آپ کا پیغام مصر میں بھی آسانی کے ساتھ پہونچ سکتا تھا کیونکہ آپ کا ننہال مصر ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی آواز یمن میں بآسانی پہونچے گی کیونکہ آپ بنو جرہم کے داماد ہیں اور بنو جرہم کا تعلق یمن ہی سے تھا۔

## حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مادری زبان قبطی تھی کیونکہ آپ کی ماں حضرت ہاجرہ کا تعلق مصر سے تھا اور وہاں اس وقت یہی قبطی زبان رائج تھی۔ آپ کی پدری زبان عبرانی تھی کیونکہ آپ کے والد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام سلطنت بابل سے تعلق رکھتے تھے اور وہاں عبرانی زبان ہی بولی جاتی تھی۔ آپ کی سسرالی زبان عربی تھی کیونکہ آپ کی سسرال کے لوگ خالص عربی زبان

کے مالک تھے۔ ان کا اصل وطن یمن تھا اور یمن میں اس وقت خالص عربی بولی جاتی تھی۔ حضرت اسمٰعیل نے بنو جرہم سے ہی عربی زبان سیکھی تھی اور اس میں کمال حاصل کرلیا تھا۔

گویا رب کائنات نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے مختلف علاقوں میں مختلف زبانوں میں دعوت الی اللہ کے کارہائے نمایاں انجام دینے کے جو اسباب وسائل مہیا کئے تھے وہ بتارہے ہیں کہ آپ کی نسل میں ایک ایسا رسول پیدا ہوگا جس کا پیغام دنیا کے تمام حصوں میں اور دنیا کی تمام زبانوں میں ضرور پہونچ کر رہے گا۔ اور وہ چند محدود علاقوں اور مخصوص حلقوں کیلئے ہی نہیں بلکہ پوری کائنات کیلئے رحمت بن کر نمودار ہوگا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

## حضرت اسمٰعیل کی اولاد

بنو جرہم کے سردار مضاض کی صاحبزادی کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ ۱۲ بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔ نابت، قیدار، ادبائیل، مبشام، مشماع، دومہ، میشا، حدد، تیما، یطور، نفیس، قیدمان۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی یہ اولاد ہوئی تو قدیم اہل عرب میں ایک نئی نسل کا اضافہ ہوگیا جسے عرب مستعربہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ان بارہ بیٹوں سے بارہ قبائل وجود میں آئے اور یمن، مصر و شام سے ان کا تجارتی سلسلہ جاری رہا۔

بعد میں یہ قبیلے عرب کے مختلف حصوں میں گئے بلکہ عرب سے باہر بھی پھیل گئے البتہ قیدار بن اسمٰعیل کی اولاد مکہ مکرمہ ہی میں قیام پذیر رہی یہاں تک کہ عدنان اور پھر ان کے بیٹے معد کا زمانہ آگیا۔

# اقوام عرب

نسلی اعتبار سے اقوام عرب کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔عرب بائدہ

۲۔عرب عاربہ

۳۔عرب مستعربہ

عرب بائدہ سے مراد عرب کی وہ قدیم نسلیں ہیں جو بالکل ناپید ہوگئیں اور انکے بارے میں ضروری تفصیلات بھی موجود نہیں۔مثلاً قوم عاد،قوم ثمود،قوم طسم،قوم جدیس،قوم عمالقہ وغیرہ،اس طرح کی قوموں کو عرب بائدہ کہتے ہیں۔

عرب عاربہ سے مراد وہ عرب قبائل ہیں جو یعرب بن یشجب بن قحطان کی نسل سے ہیں عرب عاربہ کو قحطانی عرب بھی کہتے ہیں۔

عرب مستعربہ سے مراد وہ قبائل ہیں جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔عرب مستعربہ کو عدنانی عرب بھی کہتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر ۱۳۷ سال کی ہوئی۔اور اس عمر تک مکہ مکرمہ چند جھونپڑیوں پر مشتمل آبادی کے بجائے مستقل ایک شہر بن چکا تھا اور بیت اللہ شریف کو پھر مرکزی عبادت گاہ کے عنوان سے پہچانا جانے لگا۔

مکہ مکرمہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کے صرف ایک صاحبزادے حضرت قیدار سکونت پذیر رہے اور حضرت قیدار ہی اپنے والد محترم کے وصال کے بعد خانۂ کعبہ کے متولی بنے پھر آپ کی اولاد یکے بعد دیگرے خانۂ کعبہ کی تولیت کی ذمہ داری سنبھالتی رہی۔البتہ سیاسی باگ ڈور بنو جرہم کے ہاتھ میں رہی جو حضرت قیدار کے ننہالی خاندان کے لوگ تھے۔

بنو اسمٰعیل میں خانۂ کعبہ کی تولیت اور بنو جرہم میں مکہ مکرمہ کا سیاسی اقتدار کئی صدیوں تک چلتا رہا لیکن تاریخ نے ایک ایسا دن بھی دیکھا کہ بنو جرہم نے بنو اسمٰعیل کو مکہ مکرمہ سے باہر نکال دیا اور بیت اللہ شریف کی تولیت پر بھی بنو جرہم ہی قابض ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اپنے ان مخدوم زادوں کا احترام نہ کر سکے وہ بیت اللہ شریف کی ذمے داریوں کو کس طرح نباہ سکتے تھے۔ چنانچہ بنو جرہم کی تولیت کعبہ کے زمانہ میں زائرین کعبہ کو طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ سہولیات جو بنو اسمٰعیل کے زمانے میں زائرین کیلئے فراہم تھیں، بنو جرہم نے اقتدار کے نشے میں وہ سہولیات بھی آہستہ آہستہ ختم کر دیں اور ظلم وستم کا راستہ اختیار کیا۔

# بیت اللہ شریف کی تعمیرات

معلوم ذرائع کے مطابق اب تک بیت اللہ شریف کی تعمیر ۱۲ مرتبہ ہو چکی ہے۔

① فرشتوں کی تعمیر

② حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر

③ حضرت شیثؑ کی تعمیر

④ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی تعمیر

⑤ قوم عمالقہ کی تعمیر

⑥ قبیلہ جرہم کی تعمیر

⑦ قصی بن کلاب کی تعمیر

⑧ قریش مکہ کی تعمیر

⑨ حضرت عبداللہ بن زبیر کی تعمیر

⑩ حجاج بن یوسف کی تعمیر

⑪ سلطان مراد خاں عثمانی ترکی کی تعمیر

⑫ شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود کی تعمیر

بیت اللہ کی ان بارہ تعمیروں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

## ① فرشتوں کی تعمیر

بیت اللہ شریف کی سب سے پہلی تعمیر فرشتوں کے ذریعہ ہوئی۔ اس تعمیر اول کے بارے میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر قرطبی میں مذکور ہے کہ سیدنا امام باقرؒ سے مروی ہے کہ حضرت علی (زین العابدین)

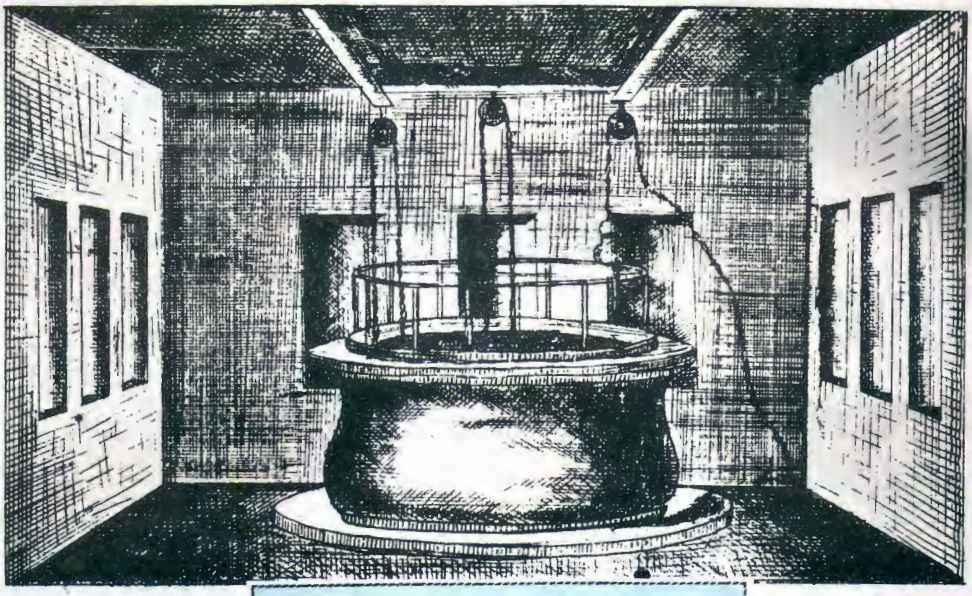

آبِ زمزم کے کنویں کی قدیم ترین تصویر

حرم شریف کی جدید توسیع میں آبِ زمزم کا کنواں تہہ خانہ میں بنایا گیا ہے۔ اس تہہ خانہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک حصہ مردوں کے لئے اور دوسرا حصہ عورتوں کیلئے مخصوص ہے۔تہہ خانہ میں آبِ زمزم پینے کا انتظام ہے۔

تعمیر قریش کا تقریبی خاکہ

خانہ کعبہ کی ایک قدیم تصور

بن سیدنا امام حسین بن علیؓ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ بیت اللہ شریف کا سب سے پہلے طواف کس نے کیا؟

تو حضرت امام زین العابدین نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا تھا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) تو فرشتوں نے عرض کیا تھا کہ وہ تو زمین پر فساد پیدا کرے گا اور خوں ریزی کریگا۔ اور ہم تیری تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں سے کہا اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر فرشتوں کو گمان ہوا کہ اللہ تعالیٰ کہیں ہم سے ناراض تو نہیں ہوگیا؟ چنانچہ فرشتے رب العالمین کی رضا کیلئے اس کے عرش کا طواف کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت نازل فرمائی اور عرش کے نیچے حسن و جمال میں بے مثال ایک گھر زبرجد کے چار ستونوں پر قائم فرمایا اور یہ گھر بیت المعمور کے نام سے موسوم ہوا۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس بیت المعمور کا طواف کرنے کا حکم دیا۔ اور عرش کی بہ نسبت بیت المعمور کا طواف سہل اور آسان تھا۔ بیت المعمور میں ستر ہزار فرشتے روزانہ داخل ہوتے ہیں اور جو ایک بار داخل ہو جاتا ہے تو نکلنے کے بعد قیامت تک دوبارہ داخل ہونے کی اسکی باری نہیں آئے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین پر بھی اس گھر یعنی بیت المعمور کی مانند میرا ایک گھر بناؤ تا کہ جس طرح فرشتے بیت المعمور طواف کرتے ہیں اسی طرح زمین پر میرے بندے اس گھر کا طواف کریں۔ اور جس طرح میں بیت المعمور کے طواف کرنے والوں سے راضی ہوں اسی طرح روئے زمین پر بنے اپنے گھر کا طواف کرنے والوں سے میں راضی ہو جاؤں۔

چنانچہ حکم الٰہی کی تعمیل میں فرشتوں نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی اور اس کا طواف کیا اور

اس عمارت کا نام الضراح رکھا۔ اور فرشتوں نے اس کا حج بھی کیا۔ (قرطبی جلد دوم ص ۱۱۲۰ اخبار مکہ ص ۵)

امام بغویؒ اپنی تفسیر مرقاۃ المفاتیح میں تحریر فرماتے ہیں۔

سیدنا آدمؑ کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل فرشتوں نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس کا طواف کرنے اور حج کرنے کا حکم دیا تھا۔

## ۲ تعمیر آدم علیہ السلام

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آدم علیہ السلام آسمان سے زمین پر آئے تو فرشتوں کی باتیں سننے کو نہ ملیں جس کی وجہ سے دل مغموم اور اداس ہو گیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی یا الٰہی! میں فرشتوں سے الگ ہو گیا ہوں اکیلے پن کا احساس ہو رہا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ مکہ معظمہ جائیں اور وہاں میرا گھر تعمیر کر کے اس کا طواف کریں اور اس کے پاس نماز پڑھیں جس طرح فرشتے میرے عرش کا طواف کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

چنانچہ جبریل امین کی رہنمائی میں حضرت آدم علیہ السلام مکہ مکرمہ پہونچے اور وہاں جبریل علیہ السلام نے اپنا پر مار کر بیت اللہ شریف کی بنیادیں ظاہر کر دیں جو بہت گہری تھیں۔

پھر فرشتے پانچ مختلف پہاڑوں سے پتھر لائے اور حضرت آدم علیہ السلام نے ان پتھروں سے بیت اللہ شریف کی تعمیر کا شرف حاصل کیا۔

فرشتے جن پہاڑوں سے پتھر لائے تھے ان کے نام یہ ہیں۔

جبل لبنان، جبل طور، جبل زیتا، جبل جودی، جبل حراء۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۹۲)

اعلام الاعلام میں علامہ قطب الدینؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ سب سے پہلے فرشتوں نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تھی اور اسی تعمیر کی بنیادیں جبریل امین نے حضرت آدمؑ کے لئے ظاہر فرمائی تھیں۔ (اعلام الاعلام)

اس تعمیر کعبہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ حضرت حواء علیہا السلام کی خدمات بھی شامل رہیں۔ چنانچہ امام بیہقیؒ دلائل النبوۃ میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس بھیجا تا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت حواء کو ساتھ لے کر میرا گھر تعمیر کریں۔ جبریل امین نے ان کو کعبہ والی جگہ بتادی پھر حضرت آدم علیہ السلام نے بنیادیں صاف کیں اور سیدہ حواء علیہا السلام مٹی نکالتی جاتی تھیں پھر ان بنیادوں پر بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔

جب بیت اللہ مکمل ہو گیا تو اس کا طواف کرنے کا حکم ملا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اے آدم! نوع انسانی کے سب سے پہلے انسان آپ ہیں اور روئے زمین پر سب سے پہلا گھر یہ ہے۔

## ۳ تعمیر شیث علیہ السلام

امام ازرقیؒ حضرت وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ یاقوت کا وہ خیمہ جو حضرت آدم علیہ السلام کیلئے جنت سے اتارا گیا تھا اسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کے بعد آسمانوں پر اٹھالیا تھا تب انہی بنیادوں پر آپ کی اولاد نے مٹی اور پتھروں سے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی اور یہ تعمیر طوفان نوح تک قائم رہی۔ (اخبار مکہ ص ۱۹)

## ۴ تعمیر ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کا تفصیلی تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔

## ۵ تعمیر بنو جرہم

حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہ السلام کا تعمیر کردہ خانہ کعبہ مرور زمانہ اور بارش وغیرہ کی وجہ سے جب بوسیدہ ہو گیا تو بنو جرہم نے اس کی تعمیر کی۔

## ۶ تعمیر عمالقہ

بنو جرہم کی تعمیر کے بعد بیت اللہ شریف کی تعمیر کا شرف قوم عمالقہ کو حاصل ہوا۔

بنو جرہم اور قوم عمالقہ کی تعمیر کے سلسلے میں حضرت علیؓ کی اس روایت سے روشنی ملتی ہے۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارتِ کعبہ جب منہدم ہوگئی تو پھر بنو جرہم نے اسے از سرنو تعمیر کیا اور جب بنو جرہم کی تعمیر بھی منہدم ہوگئی تو عمالقہ نے اسے بنایا۔ (اعلام الاعلام ص ۴۲)

## ۷ تعمیر قصی بن کلاب

قصی بن کلاب حضور اکرم ﷺ کے اجداد میں ہیں۔ انہوں نے ہی تقریباً تین سو سال سے قائم بنو خزاعہ کے اقتدار کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ اور قریش کے تمام قبیلوں کو جمع کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ قصی نے بہت کارہائے نمایاں انجام دئے۔ انہیں میں سے ایک عظیم کام بیت اللہ شریف کی تعمیر ہے۔ قریش میں قصی ہی وہ پہلے شخص ہیں جن کو بیت اللہ شریف کی تعمیر کی اولین سعادت حاصل ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں جب قصی بن کلاب کی حکومت مضبوط ہوگئی تو انہوں نے قریش کو بیت اللہ شریف کی تعمیر کی جانب متوجہ کیا، چنانچہ قریش نے اس کے لئے معقول رقم جمع کی اور بیت اللہ شریف کی قدیم بوسیدہ عمارت کو منہدم کر کے اسے از سرنو تعمیر کیا۔

قصی بن کلاب کے زمانے تک بیت اللہ شریف پر چھت نہیں ہوا کرتی تھی۔ لیکن قصی نے پہلی بار بیت اللہ شریف کی چھت ڈلوائی۔ انہوں نے کھجور کے تنوں اور ٹہنیوں سے چھت ڈالی۔

علامہ طاہر کردی تاریخ الغازی کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔

''جب قصی نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کیلئے سامان اور روپیہ جمع کر لیا تو بیت اللہ شریف کو منہدم کر کے نئی تعمیر شروع کر دی انہوں نے اسقدر مضبوط اور عمدہ کام کروایا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ چھت کھجور کی لکڑی اور شاخوں سے بنوائی۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۲۹)

## ۸ تعمیر قریش

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ سال کی تھی اور ابھی حضرت محمد ﷺ کو محمد بن عبداللہ یا الصادق الامین کے عنوان سے جانا پہچانا جاتا تھا۔ اسی دور میں بیت اللہ شریف کی از سرنو تعمیر کا مسئلہ درپیش آیا۔

امام زہریؒ سے روایت ہے کہ ایک عورت باخور (جو خوشبودار چیز تھی) سے دھونی دے رہی تھی کہ اچانک اس کی ایک چنگاری غلاف کعبہ کو لگ گئی جس کی وجہ سے غلاف کعبہ جل گیا اور آگ کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی دیواروں میں دراڑیں پیدا ہو گئیں۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۴۵)

اس کے علاوہ بیت اللہ کے نشیبی علاقہ میں ہونے کی وجہ سے بارش کا پانی سیلاب بن کر بیت اللہ شریف کے اردگرد جمع ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے اس کی دیواریں بوسیدہ ہو رہی تھیں۔

چنانچہ قریش نے از سرنو اس کی تعمیر کا ارادہ کیا۔ اور اس کے لئے اسباب وسائل مہیا کرنے شروع کر دیئے۔ جب تعمیر کیلئے مالی فراہمی کی جا رہی تھی تو حضور اکرم ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ کے ماموں ابووہب نے قریش سے کہا تھا کہ بیت اللہ کی تعمیر میں صرف حلال اور طیب مال ہی لگایا جائے۔ سود یا ظلم وستم سے حاصل کردہ رقم اس میں بالکل صرف نہ کی جائے۔ ابووہب کی اس ہدایت پر سختی سے عمل کیا گیا۔ اور صرف پاکیزہ کمائی ہی اس تعمیر میں لگائی گئی۔ بعض روایات میں یہ قول ولید بن مغیرہ کی جانب منسوب ہے۔

اب تعمیر کیلئے پتھروں کی تراش خراش کا کام جاری ہے۔ حسن اتفاق سے انہی دنوں ایک رومی تاجر کا مال بردار جہاز حجاز کی قدیم بندرگاہ شعیبہ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ اس میں لوہا، عمارتی لکڑی اور سنگ مرمر لدا ہوا تھا۔ اس مال کو باقوم نامی تاجر کسی گرجے کی تعمیر کیلئے لے جا رہا تھا۔

قریش کو اس حادثے کی اطلاع ملی تو انہوں نے ولید بن مغیرہ کو ایک وفد کے ساتھ اس

جہاز میں لدی ہوئی لکڑی خریدنے کیلئے بھیج دیا۔ تاکہ اس لکڑی کو تعمیر کعبہ میں استعمال کیا جاسکے۔

حب ولید نے ان سے لکڑی کی خرید وفروخت کے بارے میں بات چیت کی تو اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ باقوم بذات خود اعلیٰ درجے کا معمار بھی ہے۔ چنانچہ لکڑی خریدنے کے ساتھ ہی باقوم سے ولید نے یہ درخواست کی کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر کیلئے ہم لوگ کوشاں ہیں اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ آپ مکہ تشریف لے چلیں اور بیت اللہ کی تعمیر میں ہمارا تعاون کریں۔ چنانچہ باقوم ان کی درخواست پر مکہ مکرمہ آئے اور بیت اللہ شریف کی تعمیر میں اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا۔ جب دیواریں مکمل ہوگئیں تو باقوم نے قریش سے معلوم کیا کہ اس کی چھت قبہ نما بنائی جائے یا ہموار؟ تو قریش نے کہا کہ یہ اللہ کا گھر ہے اس کی چھت ہموار ہی رکھو۔

## تقسیم عمل

اس تعمیر میں قبیلوں کے اعتبار سے کام تقسیم کیا گیا جسکی تفصیل یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| حجر اسود سے رکن عراقی تک دروازہ کا حصہ | بنو عبد مناف اور بنو زہرہ بنائیں گے۔ |
| حجر اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ | بنو مخزوم اور بنو تمیم تعمیر کریں گے۔ |
| حطیم کی جانب والی دیوار | بنو عبد الدار بن قصی، بنو اسد بن عبد العزیٰ اور بنو عدی بن کعب تعمیر کریں گے۔ |
| رکن یمانی اور رکن شامی کا حصہ | بنو جمح اور بنو سہم کو ملا۔ |

## حجر اسود کی تنصیب

اس تقسیم عمل سے تمام قبیلوں کو بیت اللہ شریف کی تعمیر کا شرف حاصل ہو گیا لیکن حالات اس وقت زیادہ خراب ہو گئے جب حجر اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا۔ ہر قبیلہ کا سردار یہ خواہش رکھتا تھا کہ حجر اسود نصب کرنے کی سعادت اسے حاصل ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک حجر اسود اور متعدد سردار۔

مسئلہ حل ہوتو کیسے؟

قریب تھا کہ میانوں سے تلواریں نکل آئیں اوران کی جاہلانہ عصبیت کی وجہ سے ان کے درمیان بھیانک خونریزی برپا ہوجائے۔ بنوعبدالداراور بنوعدی نے ایک برتن میں خون جمع کر کے اس میں ہاتھ ڈبوکر قسم کھائی کہ ہم سب جان تو دیدیں گے مگر کسی دوسرے کو حجراسود نصب نہیں کرنے دیں گے۔

اس کشمکش میں پانچ دن گذر گئے اور حالات میں مزید سنگینی بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ قریش کے سب سے زیادہ عمر رسیدہ اور تجربہ کار بزرگ ابوامیہ بن مغیرہ نے یہ تجویز رکھی کہ کل صبح سب سے پہلے جو شخص حرم میں داخل ہوا سے اپنا حکم بنالیا جائے اور وہ جو بھی فیصلہ دے ہم سب اس کو تسلیم کریں۔

ابوامیہ بن مغیرہ کی اس تجویز کو سب نے بخوشی منظور کرلیا۔ اوراگلے روز علی الصباح قریش کے تمام معززین حرم میں موجود تھے ان کی نگاہوں نے دیکھا کہ باب بنی شیبہ سے جو سب سے پہلی شخصیت نمودار ہوئی وہ عبداللہ کے نورنظر اور آمنہ کے لخت جگر عبدالمطلب کے پوتے اور ابوطالب کے بھتیجے حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ان لوگوں نے جیسے ہی جمال مصطفےٰ کو دیکھا تو سب ایک زبان پکار اٹھے۔

هذا الا مين رضيناه

یعنی ان صادق امین محمد ﷺ سے ہم سب راضی ہیں۔

آپؐ نے اس مسئلہ کو نہایت حکمت عملی سے حل فرمادیا۔ آپؐ نے ایک چادر منگوائی اور اپنے دست مبارک سے اسمیں حجراسود رکھا اور قریش کے تمام قبائل کے ایک ایک نمائندہ کو بلاکر ان سے کہا کہ چاروں طرف سے چادر کو تھام لیں۔

ان نمائندوں نے چاروں طرف سے چادر کو اٹھایا اور اس کو نے تک لے آئے جہاں

حجر اسود کو نصب کرنا تھا۔ اس کے بعد حضرت محمد ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس پتھر کو اٹھا کر اس کے مقام پر نصب کر دیا۔

آپؐ کی اس دانشمندی اور حکمت سے بھرپور فیصلے سے تمام لوگ بہت خوش ہوئے اور آپ کے وجود مسعود کو اپنے لئے اللہ کی ایک عظیم نعمت تصور کیا۔

بیت اللہ شریف کی اس تعمیر کے دوران حلال مال کی قلت پیش آ گئی جس کے باعث ذمے داروں نے یہ فیصلہ لیا کہ حطیم کی جگہ کو فی الحال تعمیر میں شامل نہ کیا جائے اور جب حلال مال کا انتظام ہو جائے گا تو اسے بھی تعمیر میں شامل کر لیں گے۔ یہ چھوٹا ہوا حصہ گولائی نما ہے، اسی کو حطیم کہتے ہیں۔

قریش کی یہ تعمیر سابقہ تعمیروں سے چند چیزوں میں جدا ہو گئی مثلاً

① تعمیر ابراہیمی میں بیت اللہ کا دروازہ زمین کے برابر تھا لیکن قریش نے اس کو قد آدم کے برابر اونچا کر دیا تا کہ ہر کس و ناکس اس میں داخل نہ ہو۔

② قریش نے خانۂ کعبہ کی چھت مضبوط اور عمدہ لکڑی سے بنوائی۔

③ تعمیر ابراہیمی میں حطیم الگ سے نہیں تھا بلکہ پورا بیت اللہ مستقل عمارت کی شکل میں تھا لیکن قریش نے مالی قلت کی وجہ سے حطیم کو الگ کر دیا اور تقریباً مربع شکل میں بیت اللہ کی تعمیر کی۔

④ تعمیر قریش میں ایک پرنالہ کا بھی اضافہ کیا گیا جس سے چھت کا پانی حطیم میں گرے۔ اس پرنالہ کو عرف عام میں میزاب رحمت کہتے ہیں۔

⑤ تعمیر کعبہ میں قریش نے باقاعدہ تراشیدہ پتھروں کا استعمال کیا، ورنہ اس سے قبل کی عمارتوں میں یہ اہتمام نہیں تھا۔

⑥ قریش نے چھت کے سہارے کیلئے بیت اللہ کے اندرونی حصہ میں تین تین ستونوں کی

دو قطاریں بنائیں۔ یعنی کل چھ ستون اندورنی حصے میں قائم کئے۔

⑦ قریش نے خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھنے کیلئے اندرونی حصہ میں رکن عراقی کی جانب ایک زینہ بھی بنایا۔

اس تعمیر میں بذات خود سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے بڑھ چڑھکر حصہ لیا اور اپنے شانۂ مبارک پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔

## ⑨ تعمیر عبداللہ بن زبیرؓ

مدینہ منورہ میں مہاجرین صحابہ میں سے سب سے پہلے جن کے یہاں کسی لڑکے کا تولد ہوا وہ حضرت زبیرؓ ہیں۔ ان کے صاحبزادے کا نام عبداللہ تجویز ہوا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے تھے۔ یعنی حضرت اسماء بنت ابی بکر کے بیٹے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت عبداللہ بن زبیر کی خالہ تھیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی پیدائش پر مدینہ منورہ میں تمام مسلم گھرانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی کیونکہ مہاجرین صحابہ میں سے کسی کے یہاں لڑکے کی یہ پہلی پیدائش تھی۔ حضرت عبداللہ کی پیدائش کے بعد آپ کے والد حضرت زبیر آپ کو لیکر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے کھجور چبا کر اس بچے کے منہ میں ڈالی اور عبداللہ نام تجویز فرمایا۔

قریش کی تعمیر کو ابھی ایک صدی بھی نہیں گذر پائی تھی کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے بیت اللہ شریف کی از سر نو تعمیر کا ارادہ فرمایا۔

اس کی وجوہات میں سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ حضور اکرم ﷺ کے وہ فرمودات جو بیت اللہ شریف کے متعلق تھے نہایت غور وخوض سے دیکھ رہے تھے۔

قریش کے زمانہ کا تعمیر شدہ بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر سے کس قدر جدا تھا اس کا تذکرہ تعمیر قریش کے ضمن میں آچکا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی تمنا تھی کہ بیت اللہ شریف کو

ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں کے مطابق بنایا جائے مگر حالات کی نزاکت کی وجہ سے آپؐ اپنی حیات مبارکہ میں اس عمل کو انجام نہ دے سکے۔ بیت اللہ شریف کے متعلق رسول اکرم ﷺ کی تمناؤں کا اظہار اس حدیث سے بخوبی ہوتا ہے جسے امام بخاری و امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

امام بخاریؒ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

عائشہ! اگر تمہاری قوم کا زمانہ جاہلیت قریب نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو منہدم کرنے کا حکم دیتا اور جن چیزوں کو قریش نے بیت اللہ سے الگ کر دیا ہے میں اسے دوبارہ اس میں شامل کر دیتا اور بیت اللہ کے دروازے کو زمین سے برابر کر دیتا۔ اور اس کے دو دروازے بناتا۔ ایک دروازہ مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف اس طرح ابراہیم علیہ السلام کے مطابق میں اس کی تعمیر کرتا۔ (بخاری شریف جلد اول ص ۲۱۵)

امام مسلمؒ نے اس کو اس طرح روایت کیا ہے۔

حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا۔ عائشہ! اگر تمہاری قوم کا عہد شرکیہ قریب نہ ہوتا تو میں ضرور بیت اللہ کو منہدم کر کے اسکے دروازے زمین سے برابر کر دیتا، مشرق و مغرب میں دروازے بنا دیتا۔ اور حطیم کی جانب سے چھ ہاتھ جگہ بیت اللہ میں شامل کر دیتا۔

(مسلم جلد اول ص ۴۳۰)

رسول اللہ ﷺ کے ان فرمودات سے حضرت عبداللہ ابن زبیر بے حد متاثر تھے اور انہوں نے تعمیر قریش کو ہٹا کر بناء ابراہیمی کے مطابق اور حضور ﷺ کی تمناؤں کے مطابق بیت اللہ شریف کی تعمیر کا ارادہ فرمایا۔

لیکن تعمیر کا آغاز کیسے ہو؟ یہ ایک اہم مسئلہ تھا کہ اچانک ایک نہایت دلسوز حادثہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل علامہ ابن خلدون اس طرح بیان کرتے ہیں۔

یزید بن معاویہ نے مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ کے لوگوں سے اپنی بیعت لینے اور بیعت سے انکار کرنے والوں سے جنگ کرنے کے لئے جس لشکر کو بھیجا تھا اس کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ تھا جو مدینہ منورہ پر قبضہ کرنے کے بعد مکہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہوا لیکن راستے میں مقام ابوا پر اس کی موت ہوگئی۔ جب مسلم بن عقبہ نے اپنی موت کے آثار دیکھے تو اس نے حصین بن نمیر کو فوج میں اپنا قائم مقام بنادیا۔

حصین بن نمیر ۲۶ محرم ۶۴ھ کو مکہ مکرمہ کے قریب پہونچا اور اس نے اہل مکہ اور حجاز کے لوگوں کو جو حضرت عبداللہ بن زبیر کے دست حق پرست پر بیعت کر چکے تھے یزید کی بیعت کیلئے مدعو کیا۔ لیکن جب انہوں نے انکار کیا تو دونوں فریقوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ دن بھر جنگ کرنے کے بعد رات کے وقت شامی فوجوں نے جبل ابی قبیس اور جبل قعیقعان سے منجنیقوں کے ذریعہ بیت اللہ شریف پر سنگ باری شروع کردی۔ محرم کے بقیہ دن اور صفر کا پورا مہینہ حتی کہ ۳ ربیع الاول تک یہی صورت حال رہی۔ ان شامی فوجوں نے بیت اللہ شریف پر آگ برسائی جس کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی چھت اور پردے جل گئے۔

بالآخر حضرت عبداللہ بن زبیر کو فتح حاصل ہوئی اور شامی فوج کو نامراد لوٹنے پر مجبور ہونا پڑا تو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے حضور اکرم ﷺ کی منشاء کے مطابق بیت اللہ شریف کی تعمیر کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ ۱۵ ر جمادی الثانی ۶۴ھ ہفتہ کے دن بیت اللہ شریف کی دیواریں گرانے کا کام شروع ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ اس تعمیر کی وجہ سے دیواریں منہدم کی جارہی ہیں لہٰذا بیت اللہ کے چاروں کونوں پر لکڑیاں نصب کر کے ان کے اوپر پردہ لگا دیا جائے تا کہ لوگ طواف کرتے رہیں اور اسی کی سمت نماز پڑھتے رہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے اس مشورہ پر عمل کیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضور اکرم ﷺ کی خواہش کے مطابق بیت اللہ شریف کی تعمیر

مکمل کی۔ آپ نے مشرق و مغرب میں ایک ایک دروازہ زمین سے متصل بنوایا۔ حطیم کو باقاعدہ بیت اللہ میں دیواروں کے ساتھ شامل کیا۔

جب تعمیر کا کام بحسن وخوبی مکمل ہو گیا تو آپ نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کیلئے تنعیم (جہاں آج مسجد عائشہ ہے) سے عمرہ ادا کروں گا۔ لہٰذا جو لوگ میرے ساتھ عمرہ ادا کرنا چاہیں وہ تنعیم پہونچ جائیں۔

۲۷ رجب ۶۴ھ کو آپ تنعیم کی طرف پیدل روانہ ہوئے اور بڑی تعداد میں مسلمانوں نے اس عمل میں آپ کے ساتھ شرکت کی۔ تنعیم سے سب لوگ عمرہ کا احرام باندھ کر حرم میں آئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور عمرہ ادا کیا۔

## ۱۰ تعمیر حجاج بن یوسف

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بیت اللہ شریف کی جو تعمیر کی تھی اسے تقریباً دس سال گذر چکے تھے۔ لیکن آپ کی شہادت کے بعد جب حکومت کی باگ ڈور حجاج بن یوسف کے ہاتھ میں آئی تو اس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے بیت اللہ شریف کو قریش کی تعمیر سے الگ انداز میں بنوایا ہے۔ اب آپ حکم فرمائیں کیا کرنا ہے؟

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حکم دیا کہ بیت اللہ شریف کو قریش کی تعمیر کے مطابق کر دیا جائے۔

چنانچہ حجاج بن یوسف نے حطیم کی جانب کی دیوار گرا کر حطیم کو الگ کر دیا اور اس جانب ایک پرنالہ لگا دیا۔ مشرقی دروازہ قد آدم کے برابر اونچا کر دیا اور مغربی دروازہ بند کر دیا۔

پھر خلیفہ عبدالملک کے بیٹے ولید نے خالد بن عبداللہ القسری کو ۳۶ ہزار دینار دئے اور حکم دیا کہ ان کی پلیٹیں بنا کر بیت اللہ شریف کے دروازے اور میزاب رحمت کے اوپر چڑھا دیں اور بیت اللہ کے اندر جو لکڑی کے ستون ہیں ان پر بھی سونے کا کام کیا جائے۔

اسلام میں سب سے پہلے ولید بن عبدالملک نے بیت اللہ شریف کے دروازے پر سونے کا کام کروایا۔

پھر جب خلیفہ ہارون رشید مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی تعمیر کے مطابق بیت اللہ شریف بنوانے کا ارادہ کیا تا کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر حضور اکرم ﷺ کی خواہش کے مطابق ہو جائے۔ لیکن خلیفہ ہارون رشید نے اپنے اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے سے قبل امام مالکؒ سے اس سلسلہ میں فتویٰ حاصل کیا۔

چنانچہ امام مالکؒ نے خلیفہ ہارون رشید کو حکم دیا کہ بیت اللہ شریف کی نئی تعمیر کا ارادہ نہ کریں۔ کیونکہ بیت اللہ شریف کی بار بار تعمیر سے اس عظیم گھر کی عظمت لوگوں کے دلوں سے نکل جائے گی۔ اور یہ بادشاہوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن جائے گا اور ہر آنے والا بادشاہ اپنی شہرت اور نام ونمود کیلئے پہلی عمارت کو گرا کر نئی عمارت بنانے کا رواج ڈالے گا۔

امام مالکؒ کے اس فتویٰ کے بعد خلیفہ ہارون رشید نے بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کا ارادہ ترک کر دیا۔

## ۱۱ تعمیر سلطان مراد خان

حجاج بن یوسف کی تعمیر کے تقریباً ایک ہزار سال بعد مکہ مکرمہ میں شدید بارش اور اولہ باری ہوئی جس کی وجہ سے بیت اللہ شریف کے ارد گرد سیلاب جیسی خطرناک صورت حال ہوگئی۔ ہزار سال پرانی دیواریں بھی کچھ شکستہ ہو چکی تھیں۔ اس بارش اور اولہ باری سے نیز حرم میں پانی بھرے رہنے کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی دیواریں گرنی شروع ہوگئیں۔

۱۹ شعبان ۱۰۳۹ھ بروز بدھ تقریباً دو بجے صبح تیز بارش ہونی شروع ہوئی۔ ظہر اور عصر تک اس میں مزید شدت پیدا ہوگئی ساتھ ہی اولے بھی پڑنے لگے۔ اگلے دن ۲۰ شعبان بروز جمعرات بھی بارش کی ہنگامہ خیزیاں جاری رہیں۔ حرم شریف میں سمندر جیسا سماں تھا۔ بیت اللہ شریف

کے دروازے سے پانی اندر داخل ہو گیا اور تقریباً آدھی آدھی دیواریں پانی میں ڈوب گئیں اور چھت میں آویزاں قندیلوں تک پانی پہونچ گیا۔

۲۰ شعبان ۱۰۳۹ھ جمعرات کی شام تک بیت اللہ شریف کی حطیم کی طرف والی دیوار مکمل منہدم ہوگئی جب کہ مشرقی اور مغربی دیوار کا کچھ حصہ منہدم ہو گیا۔ اور رکن عراقی کی جانب بنی ہوئی اندرونی سیڑھی بھی گر گئی۔

چنانچہ سلطان مراد خاں کے حکم سے ۲ جمادی الاولی ۱۰۴۰ھ کو بیت اللہ شریف کے تعمیری کام کا آغاز ہوا۔

۲۶ر جمادی الثانی ۱۰۴۰ھ کو بیت اللہ شریف کی چنائی شروع ہوئی۔

واضح رہے سلطان مراد خان نے تعمیر حجاج بن یوسف کے عین مطابق بیت اللہ شریف کی تعمیر کروائی۔ اور اس نئی تعمیر میں حجر اسود کے علاوہ باقی تمام دیواریں گرا کر انہیں از سر نو تعمیر کیا گیا۔

بہر حال ۲ر ذی الحجہ ۱۰۴۰ھ کو تقریباً ساڑھے چھ مہینے کی میعاد میں بیت اللہ شریف کی تعمیر پایۂ تکمیل تک پہونچی۔

## ۱۲ تعمیر شاہ فہد بن عبد العزیز

سلطان مراد خاں عثمانی ترکی نے بیت اللہ شریف کی جو تعمیر کروائی تھی اب اس کو تقریباً پونے چار سو سال گذر چکے تھے۔ اس طویل مدت کے گذرنے کی وجہ سے عمارت کا تقاضہ تھا کہ اب اس کی تجدید کی جائے۔ چنانچہ خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبد العزیز نے بیت اللہ شریف کی تجدید کا فرمان جاری کیا۔ اور محرم الحرام ۱۴۱۷ھ میں تجدید کعبہ کا کام شروع ہوا اور تقریباً چھ مہینوں میں یہ کام پایۂ تکمیل تک پہونچ گیا۔ اس تجدید کاری میں بیت اللہ شریف کی اوپری بنیادوں کو مضبوط کیا گیا۔ شاذروان کی مرمت کی گئی۔ (واضح رہے شاذروان سے مراد بیت اللہ شریف کی دیواروں سے ملا ہوا وہ زمینی حصہ ہے جو کچھ ڈھلان کے ساتھ بنا ہوتا ہے)

اور پتھروں کے درمیان سے پرانا مسالہ نکال کر نیا سمینٹ مسالہ بھرا گیا اور دونوں چھتوں کو ازسرنو تعمیر کیا گیا اور اندرونی تینوں ستونوں کو نئی لکڑی سے بنایا گیا۔ تجدید کاری کا یہ کام سعودی عرب کی مشہور کمپنی بن لادن نے انجام دیا۔

# بعثت محمدیؐ سے قبل عالمی حالات کا جائزہ

معلم کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی بعثت سے قبل انسانیت جس کربناک دور سے گذر رہی تھی وہ انسانی تاریخ کا نہایت تاریک ترین دور تھا۔ انسانی اقدار کی پامالی اپنی آخری حد کو پہونچ چکی تھی۔ عقیدوں میں فساد اور اخلاق میں بگاڑ اس درجہ پیدا ہو چکا تھا کہ مجموعی طور پر لوگ خود فراموشی کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اللہ کے پیغمبروں کی آواز سے لوگوں کے کان نا آشنا ہو چکے تھے۔ ماقبل کے نبیوں اور رسولوں نے جو خدائی چراغ روشن کئے تھے اب ان کی لو نہایت مدھم ہو چکی تھی اور ان کی روشنی سے کہیں کہیں چند مخصوص لوگوں کے ہی قلوب روشن تھے۔

## روم

چھٹی صدی عیسوی میں روم اور ایران دو ایسی سلطنتیں تھی جو پوری دنیا کی قیادت کی ٹھیکیدار بنی ہوئی تھیں۔ لیکن یہ دونوں سلطنتیں انسانی دنیا کیلئے کوئی اچھا نمونہ ثابت ہونے کے بجائے ہر قسم کے فساد کا منبع تھیں۔ یہاں کے بادشاہ سلطنت کے نشے میں سرشار اور حکام خواب غفلت میں مبتلا تھے۔ نفسانی خواہشات کی تکمیل اور شہوانی تقاضوں کی تسکین کے سوا ان کا کوئی اور مشغلہ نہ تھا۔

مالدار طبقے کے لوگ حرص وطمع میں اسقدر مبتلا تھے کہ مال ودولت کی بڑھوتری کیلئے مزدوروں اور غریبوں کا خون چوسنے میں انہیں کچھ بھی دریغ نہ ہوتا تھا۔ رعایا حکومت کے محصول اور ٹیکس کے نیچے اسقدر دبی ہوئی تھی کہ ضروریات زندگی سے بھی محروم ہو گئی۔ عوام حکومت کے سخت گیر قوانین اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اور مذہبی پیشواؤں کے خود تراشیدہ خیالات کی بیڑیاں عوام کے پیروں میں پڑی ہوئی تھیں۔ ان بوجھوں تلے دبی ہوئی انسانیت اور

ان بیڑیوں میں جکڑے ہوئے سماج کو انتظار تھا ایک ایسے رسول کی بعثت کا جو ان کا بوجھ ہلکا کر دے اور ان کے پیروں میں پڑی ہوئی بیڑیاں کاٹ ڈالے اور انہیں بھی مساوات کے اصولوں کے مطابق زندگی گذارنے کا موقع میسر ہو۔

روم کی مشرقی ریاست میں بدنظمی کا یہ حال تھا کہ وہاں کے لوگ کسی غیر ملکی حکمراں کی تمنا کرنے لگے جسکی وجہ سے وہاں بغاوتیں نمودار ہوئیں۔ اور نہ رکنے والے سیلاب کی طرح فسادات وقوع پذیر ہونے لگے۔ ان فسادوں کی ہلاکت خیزی کا اندازہ ۵۳۲ء کے فساد سے لگایا جاسکتا ہے جس میں دارالسلطنت میں تیس ہزار لوگ ہلاک ہوئے تھے۔ وہاں کی عدالتوں میں انصاف فروخت ہونے لگا اور رشوت کا بازار اسقدر گرم ہوگیا کہ رشوت کے بغیر کسی کام کا تصور بھی ناممکن ہوگیا۔ اب انسانیت کو ضرورت ہے ایک ایسے رسول کی جو۔ اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے) کا پیغام لیکر نمودار ہو اور لَا یَجْرِ مَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا (کسی قوم کی دشمنی تمہیں ناانصافی کرنے پر آمادہ نہ کردے۔ انصاف کیا کرو) کا قانون لیکر دنیا کو عدل وانصاف کے پیمانے عطاء کردے۔

## ایران

ایران کے شہنشاہ جن کا لقب کسریٰ ہوا کرتا تھا انہوں نے اپنی رعایا کو یہ نظریہ دیا کہ اس شاہی خاندان کی رگوں میں خدائی خون موجود ہے۔ چنانچہ وہاں کے باشندے شاہی خاندان کو اسی اعتقاد کے ساتھ دیکھتے تھے۔ ان کے آگے وہ سربسجود ہوتے اور ان کو ہر طرح کی تنقید سے بالا تر تصور کرتے۔ وہاں ملک وقوم پر حکومت کرنے کے لئے ایک مخصوص گھرانا تھا جسے کیانی خاندان کہا جاتا تھا۔ اہل ایران کا عقیدہ تھا کہ صرف اسی خاندان کے لوگ شاہی تخت کے وارث ہوسکتے ہیں اور حکومت کا یہ حق وراثت کے طور پر باپ کے بعد بیٹے کو ملتا تھا۔ اگر شاہ وقت کی اولاد میں

کوئی بڑا اور تجربہ کار لڑکا نہ ہوتا تو چھوٹے بچے ہی کو تاج شاہی پہنا دیا جاتا۔ چنانچہ شیرویہ کے بعد اس کے سات سال کے بیٹے اردشیر کو ہی بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ حد یہ تھی کہ اگر لڑکا نہ ہوتا تو لڑکی ہی کو شاہی تاج پہنا کر اقتدار کی باگ ڈور اسے سونپ دی جاتی۔

اب انسانیت کو ضرورت ہے ایک ایسے رسول کی جو اعلان کرے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا دار و مدار تو تقویٰ پر ہے۔ اب انسانوں کو انتظار ہے ایک ایسے پیغامبر کا جو حکومت میں وراثت کے تخیل کو ختم کر ڈالے۔

## حرمتیں پامال ہو گئیں

ایران میں اخلاقی اعتبار سے کس قدر انحطاط تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ایران میں حکومت کرنے والا شہنشاہ یزدگرد نے اپنی سگی بیٹی کے ساتھ نکاح کیا اور اس کو اپنی بیوی بنا کر رکھا اور پھر اس کا قتل کر دیا۔

اسیطرح چھٹی صدی عیسوی میں بہرام چوبیں ایران کا حکمراں تھا اس نے اپنی بہن سے ازدواجی رشتہ قائم کر رکھا تھا۔ اب انسانوں کو ضرورت ہے ایک ایسے رسول کی جو حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ (تمہارے لئے تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں حرام ہیں) کا پیغام سنا کر عزت و آبرو کے تحفظ کا معیاری قانون نافذ کرے۔

## تحریک تجرد

تیسری صدی عیسوی میں ایران میں مانی نے ایک تحریک تجرد برپا کی جس کا مقصد شہوت پرستی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو سختی کے ساتھ روکنا تھا۔ لیکن مانی کی تحریک میں اس قدر تشدد تھا کہ اس نے تجرد یعنی غیر شادی شدہ بن کر زندگی گذارنے کی دعوت دی۔ اس نے نکاح کو حرام

قرار دیا ۔اس تحریک کا فطری ردعمل یہ ہوا کہ ۲۷۹ء میں بہرام نے مانی کو اس الزام میں قتل کر ڈالا کہ یہ شخص دنیا کی تباہی کا علمبردار ہے۔

تحریک تجرد کے بانی کے قتل کے باوجود اس کا پیغام ایک طویل عرصہ تک زندہ رہا۔اب انسانیت کو ضرورت ہے ایک ایسے رسول کی جو نکاح کے فضائل بتائے۔اور ازدواجی زندگی کو رب العالمین کی رضا کا سبب قرار دے۔اب انسانیت اس رسول کا بے قراری سے انتظار کر رہی ہے جو تجرد کے خلاف آواز بلند کرے اور نہ صرف یہ کہ زبان سے بلکہ عملی طور پر بھی وہ تجرد کی تحریک کو ختم کرنے کا ذریعہ بنے۔

## آبروریزی

سرزمین ایران پر ایک وہ وقت بھی آیا کہ مانی کی تحریک تجرد کے خلاف بغاوت کی لہر پھیل گئی ۴۸۷ء میں مزدک نے اعلان کر دیا کہ تمام انسان برابر ہیں ان میں کوئی تفریق نہیں۔اس لئے ایک دوسرے کے تمام حقوق میں سب لوگ مساوات اور برابری کا حق رکھتے ہیں۔اس نے مساوات کا یہ نظریہ مال اور عورت میں بھی قائم کر دیا۔

الملل والنحل میں علامہ شہرستانی فرماتے ہیں کہ مزدک نے تمام عورتوں کو سب کیلئے حلال کر دیا اور مال اور عورت کو آگ پانی اور چارہ کی طرح سب کے لئے مشترک اور عام کر دیا۔

ایران کے اوباش نوجوانوں اور تعیش پرست لوگوں نے مزدک کی اس تحریک کا پرجوش استقبال کیا۔بہت ممکن تھا کہ پورے ایران کو زنا کاری کا اڈہ بننے سے روکنے کے لئے اگر شاہ ایران کوئی فرمان جاری کر دیتا تو کچھ گھرانوں کی عزت وآبرو محفوظ رہ جاتی لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا۔اس وقت ایران کا شہنشاہ قباذ تھا۔اس نے مزدک کی اس تحریک عیاشی کی سرپرستی خود قبول کر لی اور اس کو بڑھاوا دینے کیلئے سرکاری سطح پر بھی رعایت دے ڈالی۔نتیجہ یہ ہوا کہ

مزدک کی تحریک زنا کاری جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اور پورا ایران زنا کاری کا اڈہ بن گیا۔ اور لوگ اس تحریک کے اس قدر دیوانے ہو گئے کہ وہ کسی بھی گھر میں گھس کر کسی کو بھی اپنی شہوت رانی کا نشانہ بنا سکتے تھے۔ باپ کے سامنے اس کی بیٹی کی آبروریزی ہوتی اور وہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ شوہر کے سامنے اس کی بیوی کی عصمت دری کر دی جاتی۔ بھائی کے سامنے اس کی بہن کو برہنہ کر دیا جاتا۔ باپ بیٹیوں سے منہ کالا کرنے لگے۔ بھائی بہنوں کی عزت لوٹنے لگے۔ ایران کی یہ گندگی صرف سرزمین ایران تک ہی محدود نہ رہی بلکہ اس نے ایران سے متصل ممالک کی سرحدوں کو بھی متاثر کر ڈالا۔

طبری کے بیان کے مطابق یہ حالت زار یہاں تک پہونچ گئی کہ نہ کوئی باپ اپنی اولاد کو پہچان سکتا تھا اور نہ کوئی اولاد اپنے باپ کو پہچان سکتی تھی۔

اب انسانیت کو ضرورت ایک رسول کی جو لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا (زنا کے قریب تک نہ جاؤ) کا پیغام لے کر نمودار ہو اور اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کیلئے سخت قانون نافذ کرے۔ اگر غیر شادی شدہ زنا کرے تو اس کے سو کوڑے لگیں اور شادی شدہ اگر یہ نازیبا حرکت کرے تو پتھروں سے مار مار کر اسے ختم کر دیا جائے۔

## یورپ

بعثت محمدیؐ سے قبل یورپ بھی نہایت ناگفتہ بہ حالات سے دوچار تھا۔ علم وتمدن سے کوسوں دور، جنگ وجہالت کی ظلمتوں کے تھپیڑے کھا رہا تھا۔ خاص طور پر یورپ کی شمالی اور مغربی قومیں علم وفن سے دور، نہایت گہری تاریکیوں میں زندگی بسر کر رہی تھیں، نیز انہیں آپسی خوں ریز جنگوں نے تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ نہ ان کے پاس کوئی مذہبی تعلیم تھی اور نہ ہی سیاسی شعور۔ جس کی وجہ سے بظاہر ان کے پاس یکجہتی اور تمدنی ترقی کے وسائل کہیں سے کہیں تک موجود نہ تھے۔ البتہ

مشرقی یورپ تہذیب وتمدن کی آماجگاہ تھا اور وہاں ایک مضبوط رومی سلطنت قائم تھی۔ اسی رومی سلطنت کی ایک عدالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکائے جانے کا فیصلہ ہوا تھا۔

روبرٹ بریفالٹ نے یورپی احوال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''پانچویں صدی سے لیکر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی۔ اس دور کی وحشت وبربریت زمانۂ قدیم کی وحشت وبربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ وبار لایا اور گزشتہ زمانے میں اپنی انتہائی ترقی کو پہونچ گیا تھا۔ جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص ۴۵/۴۶)

اب انسانیت کو ضرورت ہے ایک ایسے رسول کی جو علم وتمدن کا پرچم لے کر نمودار ہو اور علم کی روشنی سے جہالت کی مہیب تاریکیوں میں گھری ہوئی انسانیت کو نکالے اور تمدن کے واضح اصولوں سے پستی میں پڑی ہوئی قوموں کو بام عروج تک پہونچائے۔

## سیاسی ومذہبی چپقلش

چھٹی صدی کے اواخر میں یہود ونصاریٰ کے مابین باہمی رنجش اور نفرت اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ ایک دوسرے کی مذہبی تضحیک کرنا ان کا محبوب مشغلہ بن گیا تھا اور یہ نفرتیں صرف مذہبی معاملات ہی میں نہ تھیں بلکہ سیاسی سطح پر بھی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور ایک دوسرے کے قتل کرنے میں بھی کچھ دریغ نہ کرتے۔

۶۱۰ء کی بات ہے جب کہ انطاکیہ میں عیسائیوں کے خلاف یہودیوں نے ہنگامہ کیا تو بادشاہ فوقا نے ان کے دفاع کیلئے ایک فوجی افسر بنوسوس کو مقرر کیا اس فوجی افسر نے اپنی فوج

کی مدد سے اس پوری یہودی آبادی کو ختم کر ڈالا۔ ہزاروں انسانوں کو تہہ تیغ کیا، سیکڑوں لوگوں کو دریا میں ڈبو کر مار ڈالا۔ اور سیکڑوں لوگوں کو آگ میں جلا کر اور درندوں سے پھڑوا کر ہلاک کر دیا۔

اس کے برخلاف ۶۱۵ء کی بات ہے جب کہ ایرانیوں نے ملک شام کو فتح کیا تو یہودیوں کے مشورے سے خسرو نے شام کے عیسائیوں کو ظلم وستم کا تختۂ مشق بنایا اور وہاں کے بہت سے عیسائیوں کو قتل کر ڈالا۔

پھر تاریخ نے ایک اور کروٹ لی۔ حالات پھر بدل گئے۔ چنانچہ ۶۳۰ء میں ہرقل قیصر روم نے جب ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا تو عیسائیوں کے مشورہ سے اس نے یہودیوں کا اس طرح قتل عام کیا کہ پوری رومی مملکت میں کوئی یہودی باقی نہ بچا۔ قیصر روم کی سخت گیری کے شکنجے سے صرف وہ یہودی ہی محفوظ رہ سکے جو رومی سلطنت سے باہر چلے گئے یا کہیں چھپ کر گمنامی کی زندگی گذارنے لگے۔

یہ حالات ہیں ان دو عظیم قوموں کے جن کا تعلق نبیوں اور رسولوں کے خاندان سے تھا۔ ایک یہودی قوم ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا نبی مانتی ہے اور توراۃ کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتی ہے۔

جب کہ دوسری قوم عیسائی ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول مانتی ہے اور ان کو عطاء کی جانے والی کتاب انجیل کو کتاب الٰہی تسلیم کرتی ہے۔

اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کتابوں پر ایمان رکھنے والی قوم اس قدر پست خیالی کی شکار ہوگئی کہ ایک دوسرے کی مذہبی تضحیک ان کا مشغلہ بن گیا اور ایک دوسرے کو مٹانا ان کا مذہبی فرض بن گیا۔

اب ضرورت ہے یہودی اور عسائی مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ایک ایسے رسول کی جو ان کو کتاب الٰہی کی تلاوت کا حوالہ دے کر آخرت کا خوف دلائے اور ان کے اس اختلاف

کو ختم کرے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ (قرآن)

(اور یہودیوں نے کہا عیسائیوں کا کوئی مذہب نہیں اور عیسائیوں نے کہا یہودیوں کا کوئی مذہب نہیں حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔)

یہودیوں اور عیسائیوں کے مابین منافرت کی تخم ریزی میں سب سے بڑا کردار ان کے علماء کا تھا۔ احبار یعنی یہودی علماء اور رہبان یعنی عیسائی علماء نے یہودیوں اور عیسائیوں کو لڑا کر بڑی چالاکی سے مالی منفعت حاصل کرنی شروع کر دی۔ ان علماء نے اپنے خیالات، اپنے تصورات اور اپنی فکروں کو فرمانِ الٰہی بنا کر پیش کیا اور جس سے جتنی چاہی اتنی رقم اینٹھ لی۔

اب دنیا کو ضرورت ہے ایک ایسے رسول کی جو مذہب کے ان تاجروں سے انسانیت کو نجات دلائے اور ان کی حقیقت سے اللہ کے بندوں کو واقف کرائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

(اے ایمان والو! بہت سے یہودی علماء اور بہت سے عیسائی علماء لوگوں کے مالوں کو باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں۔)

## ہندستان

بعثت محمدیؐ سے قبل ہندستان طبقہ واریت کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ہندستان کے قدیم مذہبی اور معاشرتی قوانین کچھ اس طرح وضع کئے گئے تھے کہ اس سے ذات پات کی تفریق وجود میں آنی یقینی تھی۔

ہوا یہ کہ جب آریوں نے ہندستان کو فتح کر لیا تو انہوں نے ہندستان کی مفتوح قوم پر اپنی برتری اور فوقیت ثابت کرنے کیلئے طبقہ واریت کیلئے کچھ قوانین وضع کئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً تین سو سال پہلے کی بات ہے جب کہ ہندستان میں برہمنی تہذیب حدعروج کو پہونچی ہوئی تھی۔تب منو نے ہندستانی سماج کیلئے قوانین مرتب کئے۔منو کی مرتب کردہ قانون کی اس کتاب کو منوشاستر کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ واضح رہے کی اس کتاب کو صرف قانون کی کتاب ہی کا درجہ حاصل نہیں بلکہ اسے ایک مذہبی دستاویز کی حیثیت بھی حاصل ہے۔

منوشاستر میں طبقہ واریت کو فروغ دینے کیلئے چار طرح کی ذاتیں بیان کی گئی ہیں۔

① برہمن، یعنی مذہبی پیشوا۔ ② چھتری یعنی مجاہدین۔ ③ ویش، یعنی تاجروں کا شکار۔ ④ شودر، یعنی دوسری ذاتوں کے صرف خادم۔

منوشاستر میں ذاتوں کی تقسیم اور طبقہ واریت کو جس انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قادر مطلق نے اپنے منھ سے برہمن کو پیدا کیا۔اپنے بازوؤں سے چھتری کو پیدا کیا۔اپنی رانوں سے ویش کو پیدا کیا، اور اپنے پیروں سے شودر کو پیدا کیا۔

طبقہ واریت کی اس تقسیم کے بعد منوشاستر میں ہر طبقہ کی ذمے داریاں اس طرح بیان کی گئی ہیں۔

قادر مطلق نے برہمنوں کیلئے وید کی تعلیم اور دیوتاؤں کے نام چڑھاوے اور صدقہ دینے اور لینے کو فرض کیا ہے۔اور چھتری کو مخلوق کی حفاظت کا ذمہ سونپا ہے نیز چھتری بھی دان دے، چڑھاوے چڑھائے، وید پڑھے اور خواہشات نفسانی میں نہ پڑے۔اور ویش کو اس نے حکم دیا ہے کہ وہ جانوروں کی خدمت کرے صدقہ دے، چڑھاوے چڑھائے، وید پڑھے، تجارت لین دین اور کھیتی باڑی کرے۔اور شودر کے لئے قادر مطلق نے صرف ایک ہی فرض بنایا ہے اور وہ یہ ہے کہ شودر ان تینوں طبقے کے لوگوں کی خدمت کرتا رہے۔

منوشاستر کے اس قانون نے دوسری ذاتوں کے بالمقابل برہمن کو اتنا مقدس بنا دیا کہ

انہیں مافوق الفطرت قوم تصور کیا جانے لگا۔ منوشاشتر میں برہمنوں کیلئے نہایت ممتاز اصول وضع کئے گئے مثلاً۔

جب کوئی برہمن پیدا ہوتا ہے تو وہ دنیا میں سب سے اعلیٰ مخلوق ہے۔ وہ بادشاہ ہے کل مخلوقات کا اور اس کا کام ہے شاستر کی حفاظت۔

''جو کچھ اس دنیا میں ہے برہمن کا مال ہے چونکہ وہ خلقت میں سب سے بڑا ہے، کل چیزیں اسی کی ہیں''

''برہمن کو ضرورت ہو تو وہ بلا کسی گناہ کے اپنے غلام شودر کا مال بہ جبر لے سکتا ہے۔ اس غصب سے اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا''

''سزائے موت کے عوض میں برہمن کا صرف سر مونڈا جائے گا لیکن اور ذات کے لوگوں کو سزائے موت دی جائے گی۔

''دس سال کی عمر کا برہمن اور سو سال کا چھتری گویا آپس میں باپ بیٹے کا رشتہ رکھتے ہیں لیکن ان دونوں میں برہمن باپ ہے''۔

منوشاستر کے اس مجموعہ قوانین میں شودروں کو کیا مقام دیا گیا ہے اس کا اندازہ چند اقتباسات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

''کتے، بلی، مینڈک، چھپکلی، کوے، الو اور شودر کے مارنے کا کفارہ برابر ہے''

''اگر کوئی شودر کسی برہمن کو ہاتھ لگائے یا اسے گالی دے تو اس کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے۔ اگر اس کا دعویٰ کرے کہ اسکو (برہمن کو) وہ (شودر) تعلیم دے سکتا ہے تو کھولتا ہوا تیل اس (شودر) کو پلایا جائے۔

''اگر کوئی شودر کسی دوج کے ساتھ ایک ہی جگہ بیٹھنا چاہے تو بادشاہ کو چاہیے کہ اس کے سرین کو داغوا دے اور اسے ملک بدر کردے یا اس کے سرین کو زخمی کرادے''

''اگر شودر دوجوں پر لکڑی یا ہاتھ اٹھائے تو اس (شودر) کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائیگا اور اگر وہ (شودر) غصہ میں لات مارے تو اس کا پیر کاٹ ڈالا جائیگا۔''

یہ ہیں سماجی قانون کی وہ چند اہم دفعات جو انسانوں کے درمیان طبقہ واریت کو فروغ دینے کیلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً تین سو سال پہلے ہندستان کی سرزمین پر وضع کی گئی تھیں۔

ان دفعات کی روشنی میں جو سماج پل رہا ہو اسے ضرورت ہے ایک ایسے مصلح کی جو اونچ نیچ کی ان تمام حدوں کو توڑ ڈالے۔ اور انصاف برائے طبقہ نہیں بلکہ انصاف برائے انسان کا پیغام لے کر نمودار ہو۔

اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (قرآن)

ترجمہ (جان کے بدلے جان، اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے زخم)

انہیں انتظار ہے ایک ایسے رسول کا جو حبشہ کے کالے کلوٹے بلال کو مسجد نبوی جیسی عظیم اور مقدس عبادتگاہ کا مؤذن مقرر کردے۔ اور جنگ جیسے اہم اور نازک معاملے میں فارس کے سلمان کا مشورہ قبول کرلے اور جو تمام عظمتوں اور رفعتوں کو عبور کرنے کے باوجود ادنیٰ سے ادنیٰ لوگوں کے درمیان بیٹھنے کو کارثواب قرار دے۔ اور جس نے دنیا و آخرت دونوں جہان میں فقیروں کی مصاحبت کی دعاء مانگی ہو، حد یہ ہے اس کی تمنا یہ ہو کہ جب کہ زندگی کا آخری سانس نکلے تب بھی فقراء کا ساتھ ہو۔

ہندستانی سماج میں عورت قدم قدم پر محرومیوں کا شکار بنتی تھی۔ اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنا ایک عام سی بات تھی۔ وراثت میں اس کی کوئی حصہ داری نہیں۔ اور شوہر کے انتقال کے بعد

عورت کا ستی ہونا اور شوہر کی چتا کے ساتھ خود کو بھی نذر آتش کر دینا ایک مقدس عمل سمجھا جاتا تھا۔ اور ستی ہونے والی عورت کو اس قدر پاک پوتر تصور کیا جاتا تھا کہ اس کی سمادھی بنا کر پوجا کی جاتی تھی، ستی کی یہ لرزہ خیز اور ہیبتناک رسم عورت کی جان گنوا دیتی اور اس رسم کو لگام دینے والا کوئی نہیں تھا۔

عورتوں کو انتظار تھا ایک ایسے رسول کی بعثت کا جو ان کی پیدائش کو باعث رحمت قرار دے، اور ان کو تعلیم دینے والے اور پرورش کرنے والے کو جنت کی بشارت دے۔ اور جب ان کی شادی ہو تو مہر کے عنوان سے ان کے ذاتی انسورنش کا نظام قائم کرے اور شادی کے بعد جب وہ ماں بن جائیں تو ان کے قدموں کے نیچے جنت ہونے کا اعلان کرے۔

# عرب

جزیرہ نمائے عرب جس کے مغربی صوبہ حجاز کے مشہور شہر مکہ میں کسی وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے لائق فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے وحدانیت کا پیغام سنایا تھا اور بیت اللہ شریف کو از سر نو تعمیر کیا جو پوری دنیا کے انسانوں کیلئے مرکزی عبادتگاہ ہے۔ اسی شہر مکہ میں بنو اسمٰعیل پلے بڑھے اور بیت اللہ شریف کی خدمت اور دین ابراہیمی کی تبلیغ میں مصروف رہے۔

بنو اسمٰعیل کے بعد مکہ مکرمہ پر بنو جرہم کا قبضہ ہو گیا۔ بنو جرہم بھی وحدانیت پر قائم رہے البتہ وقت کے گذرنے اور حالات کی تبدیلی نے ان کے ذہن و فکر کو اتنا متاثر کیا کہ وہ دین ابراہیمی کی بہت سی تعلیمات کو فراموش کر بیٹھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ شرک میں مبتلا نہ ہوئے اور کچھ نہ کچھ ملت ابراہیمی کے مطابق ہی زندگی گذارتے رہے۔ یہاں تک کہ تاریخ کا وہ تاریک ترین دور آیا کہ بنو خزاعہ نے بنو جرہم پر غلبہ حاصل کر لیا اور اب مکہ مکرمہ بنو خزاعہ کے قبضے میں آ گیا۔

# فساد عقیدہ

بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن لحی تھا، اس نے ایک مرتبہ ملک شام کا سفر کیا، اسے وہاں ایک بت نظر آیا، جس کا نام ہبل تھا وہاں کے بت پرستوں نے عمرو بن لحی کے سامنے اس بت کی خصوصیات بیان کیں۔ اسے بتایا گیا کہ یہ ہبل بت جنگوں میں اپنے پجاریوں کی مدد کرتا ہے اور یہ بارش کا بھی دیوتا ہے، یہ سن کر عمرو بن لحی نے اس بت کو خرید لیا اور مکہ مکرمہ میں لاکر بیت اللہ شریف کے اندرونی حصہ میں اسے نصب کر دیا۔ اور پھر یکے بعد دیگرے بہت سے بتوں کو بیت اللہ کے اندر اور باہر رکھدیا گیا۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر وہاں تین سو ساٹھ بت موجود تھے۔

یہاں سے عربوں میں بت پرستی کا رواج پڑا۔ اور لوگ آہستہ آہستہ ملت ابراہیمی اور دین حنیف سے دور ہوتے چلے گئے۔ حاجت روائی، مشکل کشائی کے لئے رب کائنات کو پکارنے کے بجائے وہ بتوں کو پکارنے لگے، وہ اگرچہ بظاہر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے مگر ان کے دلوں میں بیت اللہ میں نصب بتوں کا احترام ہوتا اور وہ بتوں کو طواف کرنے ہی کی نیت سے بیت اللہ کے اردگرد گھومتے تھے۔ وہ خالق کائنات کو سجدہ کرنے کے بجائے ان بتوں کے آگے سجدہ ریز ہونے لگے۔ وہ ان بتوں کے نام سے نذرانے اور قربانیاں پیش کرنے لگے۔ حتیٰ کہ اپنی پیداوار کے ایک حصہ کو بتوں کے نام مخصوص کرنے لگے۔ بتوں کے نام پر جانورں کو چھوڑا جانے لگے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عمرو بن لحی وہ پہلا شخص ہے جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑے۔

وہ فال کے تیر بھی استعمال کرتے، وہ کاہنوں، نجومیوں اور عرافوں کی خبروں پر ایمان لاتے تھے اور ان کی اٹکلوں کو حرف آخر کر سمجھ قبول کر لیتے۔ ان میں شگون لینے کا بھی رواج تھا۔ اور اس

کے لئے انہوں نے متعدد طریقے وضع کر رکھے تھے۔ وہ کبھی کسی چڑیا یا ہرن کے پاس جاتے اور اسے بھگاتے۔ پس اگر وہ چڑیا داہنی جانب اڑتی یا وہ ہرن داہنی جانب بھاگتا تو اسے وہ اچھائی اور کامیابی کی نشانی تصور کرتے اور جس مقصد کیلئے یہ شگون لیا تھا اس کا کام کو کر گذرتے، اور اگر وہ چڑیا بائیں جانب اڑتی یا وہ ہرن بائیں جانب بھاگتا تو اسے نحوست کی علامت سمجھ کر اس کام کو ہاتھ نہ لگاتے۔ اسی طرح اگر وہ کسی کام کیلئے نکلتے اور کوئی چڑیا یا کوئی اور جانور راستے میں ان کے سامنے سے گزر جاتا تو وہ اسے بھی نحوست کی علامت قرار دیتے اور جس مقصد کے لئے وہ نکلے تھے اس میں ناکامی یقینی سمجھتے اور وہیں سے الٹے پاؤں واپس آجاتے۔

الو کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اگر کسی شخص کا قتل ہو جائے تو جب تک اس کا بدلہ نہ لیا جائے گا اسکی روح الو بن کر جنگلوں میں گردش کرتی رہے گی اور پیاس پیاس یا مجھے پلاؤ مجھے پلاؤ کی آواز لگاتی رہے گی۔ جب اس کے قاتل کو قتل کر دیا جائے اور اس کا بدلہ لے لیا جائے تو اس کو سکون ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ الو جانور کو منحوس سمجھتے تھے۔

یہ تھیں عرب عقائد کی کچھ جھلکیاں جو ملت ابراہیمی اور دین حنیف سے انحراف کے نتیجے میں اور بت پرستی کی وجہ سے ان میں پیدا ہو گئی تھیں۔

## اخلاقی بگاڑ

اب ذرا اخلاقی اعتبار سے بھی اس کا جائزہ لیتے چلیں کہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل اخلاقی اعتبار سے عرب معاشرہ کی کیا حالت تھی۔

شراب نوشی عام تھی، سر راہ شراب کی دکانوں کا رواج تھا، شراب سے ان کو اسقدر دلچسپی تھی کہ انہوں نے اس مشروب کے بہت سے نام وضع کر رکھے تھے۔ عربوں کی ادبیات اور ان کی شاعری میں شراب کے تذکرے مختلف پہلوؤں سے ملتے ہیں، گویا شراب ان کی گھٹی میں پڑی

ہوئی تھی۔ شراب پی کر وہ طرح طرح کی نازیبا حرکتیں کرتے، ان شرابیوں سے پورا سماج زہر آلود ہو چکا تھا۔

عرب سماج میں جوئے بازی کی لت بھی عام تھی۔ جوئے باز جگہ جگہ بیٹھ کر جوا کھیلتے اور اس میں اپنی بڑائی اور خوبی تصور کرتے۔

شراب نوشی اور جوئے بازی کے نتیجے میں جب ان کا سارا گھر بار لٹ جاتا اور اس بری لت کی وجہ سے جب ان کی چیزیں دوسروں کے پاس پہونچ جاتیں تو وہ کف افسوس ملتے اور دل میں عداوت ونفرت کے شعلے بھڑک اٹھتے جس کی وجہ سے جنگوں کی نوبت آجاتی، پھر اس جنگ کی ہولناکیوں سے خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے۔

عرب سماج میں زنا کاری کوئی معیوب فعل نہ تھا، ان کے یہاں پیشہ ور عورتوں کے اڈے بھی تھے اور شراب خانوں میں بھی زنا کاری کا انتظام ہوا کرتا تھا۔ حد یہ تھی کہ شوہر اپنی بیویوں سے زنا کاری کراتے۔ چنانچہ بعض شوہر یہ حرکت کرتے کہ جب ان کی بیوی حیض سے پاک ہوتی تو اسے وہ اس بات پر آمادہ کرتے کہ فلاں بن فلاں سے زنا کروا۔ اور شوہر اس سے بالکل الگ رہتا۔ جب یہ معلوم ہو جاتا کہ اس زنا کاری کے نتیجے میں حمل ٹھہر گیا ہے تو شوہر چاہتا تو اس عورت سے صحبت کرتا ورنہ نہیں۔

عرب سماج میں زنا کی ایک شکل یہ بھی رائج تھی کہ دس آدمیوں سے کم لوگ جمع ہوتے اور وہ سب ایک ہی عورت سے بدکاری کرتے اور جب وہ عورت ان زانیوں میں سے کسی زانی سے حاملہ ہو جاتی تو بچہ پیدا ہونے کے چند دنوں کے بعد وہ عورت ان سب زانیوں کو بلاتی۔ اس عورت کے بلانے پر تمام زانی اس کے پاس آجاتے۔ کسی میں یہ مجال نہ تھی کہ عورت کے اس بلانے پر نہ آئے۔ پھر وہ عورت ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی کہ ہمارا اور تمہارا جو معاملہ ہے وہ تم کو سب معلوم ہے۔ اب میرے یہ بچہ پیدا ہوا ہے اور اے فلاں بن فلاں یہ بچہ تیرا ہے۔

عورت کے اس اعلان کے بعد اس شخص کو وہ بچہ قبول کرنا ہی پڑتا۔ عورت کو عرب سماج میں یہ اختیار حاصل تھا کہ اس موقع پر وہ جس کا بھی نام لے گی اسی کا یہ بچہ تسلیم کیا جائے گا اور اس کو انکار کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

عرب میں پیشہ ور عورتوں کے اڈے بھی ہوا کرتے تھے۔ ان فاحشہ عورتوں اور رنڈیوں نے اپنے اپنے گھروں پر جھنڈیاں لگا رکھی تھیں تا کہ زنا کاری کے بازار کو جاننے میں کسی کو دشواری پیش نہ آئے اور جو شخص بھی چاہے ان سے منھ کالا کرے۔

عرب سماج میں یہ رنڈیاں جب حاملہ ہو جاتیں تو ان سے زنا کرنے والے ان کے آس پاس جمع ہو جاتے، پھر قیافہ شناس بلائے جاتے اور وہ قیافہ شناس اپنی رائے سے جس کو چاہتے اسے اس بچہ کا باپ ٹھہرا دیتے۔ اور وہ بچہ اسی کا بچہ قرار دیا جاتا۔ قیافہ شناس کے اس فیصلہ کے بعد کسی کو انکار کی گنجائش نہ تھی۔

عرب سماج مین زنا کاری کی یہ تفصیل بخاری شریف میں مذکور ہے۔ اس سے عرب سماج کے بگاڑ کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

عرب سماج میں ایک بگاڑ یہ بھی تھا کہ باپ کے مرجانے یا طلاق دیدینے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیا کرتا تھا۔

## لڑکیوں پر ظلم

عرب سماج میں عورتوں اور خاص طور پر لڑکیوں کے ساتھ کچھ زیادہ ہی مظالم ہوتے تھے۔ وہاں ایسے لوگوں کی خاصی تعداد تھی جو لڑکیوں کی پیدائش اپنی رسوائی کا موجب سمجھتے تھے، نیز لڑکیوں کی پرورش پر خرچ کرنا ان کیلئے نہایت مشکل کام تھا۔ چنانچہ ایسے لوگ رسوائی اور خرچ کے خوف سے اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔

اور ایسے بھی واقعات پیش آئے کہ اگر باپ کہیں طویل سفر میں ہے یا کسی اور مشغولی کی وجہ سے وہ اپنی بیٹی کو زندہ دفن نہ کر سکا تو وہ ظالم باپ دھوکہ دے کر اپنی سیانی بچی کو لے جاتا اور کسی نہ کسی طرح اسے وہ ہلاک کر ڈالتا۔ اس کا ثبوت وہ واقعہ ہے جو سنن دارمی میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے زمانۂ جاہلیت کا ایک واقعہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کرتے ہوئے کہا۔

میری ایک لڑکی تھی جو مجھ سے بے حد مانوس تھی اور جب بھی میں اسے آواز دیتا وہ بھاگتی دوڑتی میرے پاس آجاتی اور میرے گلے میں لپٹ جاتی۔ ایک دن میں نے اسے آواز دی اور وہ حسب معمول میرے پاس آگئی میں اسے اپنے ساتھ لیکر ایک سمت چل پڑا۔ راستہ میں ایک کنواں تھا میں نے اپنی بیٹی کو دھکا دیکر اس کنویں میں ڈال دیا وہ اندر چیختی چلاتی رہی اور وہ آخری آواز جو میرے کانوں میں پڑی یہ تھی ''ہائے میرے ابا! ہائے میرے ابا!

اس شخص کا یہ قصہ سنکر رسول اللہ ﷺ بہت غمگین ہوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے آنسو جاری ہو گئے۔

وہاں موجود لوگوں میں سے ایک صاحب نے کہا تم نے تو اپنا واقعہ سنا کر اللہ کے رسول کو غمگین کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسکو کہنے دو اور جس پریشانی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کچھ پوچھنا چاہتا ہے اسے پوچھنے دو۔

رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے کہا کہ اپنا واقعہ پھر سناؤ۔ چنانچہ اس نے وہی واقعہ پھر دہرایا اور رسول اللہ ﷺ پھر اسقدر روئے کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ انجانے میں جو کچھ ہو گیا اللہ نے اسے معاف کر دیا اور اب از سر نو اپنی زندگی کا آغاز کرو۔ آئندہ اس طرح کی کوئی غلطی نہ ہو۔

یہ دل ہلا دینے والا واقعہ ہمیں یہ بتانے کے لئے بہت کافی ہے کہ کسی وقت انسانی سماج میں عورت کو کس نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

البتہ بعض شریف اور رئیس گھرانے کے لوگ ان معصوم بچیوں کے بہیمانہ قتل کو روکنے کے لئے ان بچیوں کو خرید لیتے تھے اور انکی قیمت ان کے ظالم باپوں کے حوالے کر دیتے۔ چنانچہ صعصعہ بن ناجیہ کہتے ہیں کہ ظہور اسلام تک میں تین سو زندہ درگور ہونے والی بچیوں کو فدیہ دے دے کر چھڑا چکا تھا۔

عرب اپنی جنگجو فطرت کی وجہ سے خانہ جنگی کے بھی شکار ہوئے۔ بات بات پر میانوں سے تلواریں نکل آنا ایک عام بات تھی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ عرب کی جنگجویانہ زندگی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

''عرب فطرۃً جنگجو واقع ہوئے تھے اور ان کی صحرائی اور غیر متمدن زندگی کا تقاضا بھی یہی تھا، جنگ ان کے لئے زندگی کی ایک ضرورت سے آگے بڑھ کر تفریح اور دل بستگی کا سامان بن گئی تھی جس کے بغیر ان کا جینا مشکل تھا، ایک شاعر فخریہ کہتا ہے کہ ''اگر ہم کو کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو اس خواہش کی تسکین کے لئے ہم اپنے برادر و حلیف قبیلہ پر حملہ کر دیتے ہیں۔ ایک عرب شاعر دعاء کرتا ہے کہ میرا گھوڑا سواری کے قابل ہو جائے تو اللہ قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکا دے تاکہ مجھے اپنے گھوڑے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کا موقع ملے۔

جنگ کرنا اور خون بہانا ان کے لئے معمولی کام تھا۔ جنگ کو بھڑکانے کے لئے معمولی واقعات کافی تھے۔ وائل کی اولاد، بکر و تغلب کے درمیان چالیس ۴۰ سال تک جنگ جاری رہی جس میں پانی کی طرح خون بہا، ایک عرب سردار مہلہل نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ ''دونوں خاندان مٹ گئے، ماؤں نے اپنی اولاد کھوئی، بچے یتیم ہوئے، آنسو خشک نہیں ہوتے، لاشیں دفن نہیں کی جاتیں، پورا جزیرۂ عرب گویا شکاری کا جال تھا کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ کہاں لوٹ لیا جائے گا اور کب دھوکہ سے قتل کر دیا جائگا۔ لوگ قافلوں میں اپنے ساتھیوں کے درمیان

سے اچک لئے جاتے تھے، یہاں تک کہ عظیم الشان سلطنتوں کو اپنے قافلوں اور سفارتوں کیلئے چوکی پہرہ اور مضبوط بدرقہ اور قبائل کے سرداروں کی ضمانت کی ضرورت پڑتی تھی۔

(عروج وزوال کا اثر ص ۴۷ ص ۷۵)

یہاں کے باشندوں کو بھی انتظار تھا ایک ایسے رسول کا جو انہیں وحدانیت کا پیغام سنائے اور ملت ابراہیمی پر انہیں گامزن کرے۔

وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا. (قرآن)

ترجمہ (آپ ملت ابراہیمی کی پیروی کریں)

انہیں انتظار تھا ایک ایسے رسول کی بعثت کا جو شراب نوشی اور اس سے پھیلنے والی بدمستیوں کو یکسر ختم کر ڈالے اور جوے کے اڈوں کو یک لخت نیست و نابود کر دے۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (القرآن)

ترجمہ (بے شک شراب اور جوا اور بت، اور فال کے تیر شیطانی کاموں کی گندگی ہے۔)

انہیں انتظار تھا ایک ایسے نبی کی بعثت کا جو زنا کاری کے تمام اڈوں کو بند کر دے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَّسَاءَ سَبِيْلًا (القرآن)

(اور زنا کے قریب نہ جاؤ بیشک وہ فحش کام اور برا راستہ ہے)

انہیں انتظار تھا ایک ایسے معلم کائنات کا جو اپنی تعلیمات کے ذریعہ زندہ درگور کی جانے والی معصوم بچیوں کو زندگی گذارنے کا حق دلا سکے۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ. (القرآن)

(اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائیگا کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا)

انہیں انتظار تھا ایک ایسے مشفق مصلح کا جو باپ کی منکوحہ عورت کے تقدس کو اس کے سوتیلے بیٹے کے ذریعہ پامال کرنے پر روک لگا دے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَانَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (القرآن)

(اور اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح مت کرو)

انہیں انتظار تھا ایک ایسے رؤف ورحیم رسول کی پیدائش کا جو ان کے باہمی اختلافات کو ختم کر کے ان کے جنگجویانہ مزاج میں رأفت والفت کا خمیر بھر دے۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا (القرآن)

(اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔)

یہ تھا عالمی بگاڑ کا سرسری جائزہ جس سے ایک ایسے رسول کی ضرورت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے جس کی پیدائش ایسے مقام پر ہو جو دنیا کا سینٹر ہو اور اس کی تعلیمات کسی مخصوص قوم کیلئے نہیں بلکہ پوری نوع انسانی کیلئے ہوں۔ اور وہ کسی ایک قوم یا کسی ایک ملک کا نمائندہ بن کر نہیں بلکہ تمام عالموں کیلئے رحمت بن کر نمودار ہو۔

# عمرو بن لحی اور بت پرستی

مکہ مکرمہ کی سیاسی اتھل پتھل اور بیت اللہ کے ذمے داروں کے خلاف عوامی رائے کے پیش نظر یمن کا ایک سردار جس کا نام عمرو بن لحی تھا وہ آگے بڑھا اور اپنی حکمت عملی اور سیاسی بصیرت سے بنو جرہم کو مکہ مکرمہ سے باہر نکالدیا اور مکہ کا مکمل انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور تقریباً تین سو سال تک اس کی اولاد مکہ مکرمہ پر حکمراں رہی، عمرو بن لحی کے قبیلہ کو بنو خزاعہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

عمرو بن لحی سے پہلے خانہ کعبہ خالص توحید کا مرکز تھا، یہاں بت پرستی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ لیکن یہی عمرو بن لحی ایک موقع پر ملک شام گیا تو وہاں اس نے ہبل نام کا ایک بت دیکھا، اس کے بارے میں عمرو بن لحی کو بتایا گیا کہ یہ ہبل بت بارش کا دیوتا ہے اور لڑائیوں میں بھی اپنے پجاری

کی مدد کرتا ہے۔عمرو بن لحی عقیدے کے اعتبار سے بہت کچا تھا، ہر کس و ناکس چیز کا بہت جلد گرویدہ ہو جاتا تھا، چنانچہ اس نے شام کے پجاریوں کی خوشامد کر کے اور انہیں کچھ قیمت دے کر وہ بت خرید کر مکہ لے آیا اور بیت اللہ شریف کے اندرونی حصہ میں اسے نصب کر دیا۔اور آہستہ آہستہ اس بت کی پوجا شروع ہوگئی۔

مکہ مکرمہ کی تاریخ میں پہلی بار یہ واقعہ رونما ہوا کہ وہ مقدس گھر جو اللہ کی عبادت کیلئے سب سے پہلے اس روئے زمین پر بنایا گیا تھا، اب اس میں غیر اللہ کی عبادت شروع ہوگئی۔

# قریش

حضرت اسمٰعیلؑ کی تقریباً تینتالسویں پشت میں مضر نام کے ایک صاحب ہوئے ہیں جو کنانہ کے بیٹے تھے انہی مضر کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے پھر مضر کی تیرہویں پشت میں زید نام کے ایک صاحب ہوئے جو قصی کے نام سے مشہور ہوئے ان کے والد کا نام کلاب تھا اور ماں کا نام فاطمہ۔

یہ قصی بچپن ہی میں یتیم ہوگئے تھے۔ان کی والدہ نے قبیلہ بن عذرہ کے ربیعہ بن حرام سے نکاح کر لیا۔بنو عذرہ کا قبیلہ عرب کے شمالی حصہ میں ملک شام کے قریب سرغ میں آباد تھا۔چنانچہ ربیعہ بن حرام اپنی بیوی فاطمہ بنت سعد اور انکے بیٹے قصی بن کلاب کو اپنے ساتھ سرغ میں لے گیا۔

قصی کا اصل نام تو زید تھا مگر چونکہ آپ کی ماں بچپن ہی میں آپ کو عرب کے شمال میں عرب کے آخری کنارہ تک لے گئی تھیں اسی وجہ سے آپ کو قصی کہا جانے لگا۔یعنی آخری کنارہ والا چھوٹا سا بچہ۔(ابن سعد ج ۱، ص ۳۶)

قصی نے اسی بستی میں اپنی ماں کی آغوش میں پرورش پائی اور جب عقل وشعور کی منزل میں قدم رکھا تو آبائی وطن میں اپنے خاندان کے ساتھ رہنے کی تمنا ہوئی۔

معلومات حاصل کرنے سے واضح ہوا کہ ان کا اصل وطن تو مکہ مکرمہ ہے اور قریش خاندان سے ان کا تعلق ہے۔ چنانچہ قصی نے رخت سفر باندھا اور مکہ مکرمہ پہونچ گئے۔ یہاں ان کے **سگے بھائی زہرہ بن کلاب قیام پذیر تھے جو بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور نابینا بھی۔**

ابن سعد کی روایت کے مطابق زہرہ نے اپنے چھوٹے بھائی قصی کو جو طویل زمانے کے بعد ان سے ملا تھا دو علامتوں سے پہچانا۔ ایک تو آواز سے اور دوسرے یہ کہ زہرہ کی طرح قصی کے بدن پر بھی بہت بال تھے اس سے بھی شناخت میں مدد ملی۔

جب قصی مکہ مکرمہ پہونچے تو وہاں بنوخزاعہ کا قبضہ تھا۔ قصی نے مکہ میں سکونت اختیار کر کے خانۂ کعبہ کے متولی حلیل سے اپنے تعلقات بڑھانے شروع کر دیے، متولی کعبہ حلیل قصی سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنی بیٹی کی شادی قصی سے کر دی۔ جب حلیل کے انتقال کا وقت ہوا تو اس نے اپنی بیٹی یعنی قصی کی بیوی کو خانۂ کعبہ کی متولیہ بنا دیا اور ایک شخص ابوغشبان کو اس کا نائب بنا کر اپنا کاروبار بھی اسی کے حوالہ کر دیا۔

ابوغشبان اکثر شراب میں مست رہتا تھا۔ قصی نے اس شرابی ابوغشبان کو شراب کا ایک مشکیزہ دیکر اس سے نیابت لے لی۔ اور وہ جملہ اختیارات بھی قصی نے لے لئے جو ابوغشبان کو حاصل تھے۔

اس خبر نے پورے مکہ میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا بنوخزاعہ کے لوگ بھڑک اٹھے۔ کیونکہ بنو خزاعہ اس بات کو کسی بھی طرح تسلیم کرنے پر راضی نہیں تھے کہ بنو اسمٰعیل میں سے خاندان قریش کا کوئی آدمی خانہ کعبہ کا متولی بنے۔

قصی کو حالات کی نزاکت کے پیش نظر بنوخزاعہ کی مزاحمت کا احساس تھا۔ چنانچہ قصی نے

بنوخزاعہ کا مقابلہ کرنے کیلئے پہلے ہی سے قریش کے تمام بکھرے ہوئے خاندانوں کو مکہ مکرمہ میں جمع کرلیا تھا۔ نیز اپنے ننہالی قبیلہ بنو قضاعہ اور اپنے حلیف قبائل سے بھی مدد حاصل کرلی تھی۔ بنوخزاعہ کا مقابلہ کرنے کے لئے قصی نے جو انتظامات کئے تھے وہ بہت مضبوط تھے۔ چنانچہ بنوخزاعہ اور قریش میں کئی خونریز جنگیں ہوئیں آخر کار قریش کو غلبہ حاصل ہوا اور مکہ مکرمہ کی سرزمین پر تقریباً تین سو سال سے حکمرانی کرنے والے قبیلہ بنوخزاعہ کو مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور ہونا پڑا۔

قصی نے بہت عظیم کارنامے انجام دئے ہیں جس کی بنا پر قریش کی تاریخ میں قصی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ قصی کو قریش کی جانب سے مجمع کا لقب دیا گیا کیونکہ قصی ہی نے قریش کے بکھرے ہوئے افراد کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا تھا۔

## قصی اور شہر مکہ کی تجدید

شہر مکہ پر جب قصی کا قبضہ ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ بیت اللہ شریف کے اردگرد جھاڑ جھنکاڑ بہت زیادہ ہیں۔ کیکر کے درختوں اور بیروں کی جھاڑیوں نے خانۂ کعبہ کو گھیر رکھا ہے۔ چنانچہ قصی نے اس کی صفائی کرنے کا منصوبہ بنایا اور خود اپنے ہاتھ سے وہ جھاڑ جھنکاڑ کاٹنے شروع کئے۔ قصی نے یہ رسم بھی توڑی کہ بیت اللہ کے اردگرد مکانات نہ بنائے جائیں۔ چنانچہ قصی نے قریش کے کچھ خاندان بیت اللہ شریف کے اردگرد آباد کئے۔ البتہ قصی نے بیت اللہ سے اونچے مکان بنانے سے منع کیا۔ ان قبیلوں کی آبادکاری میں بیت اللہ شریف سے متصل چاروں طرف کافی وسیع میدان چھوڑ دیا گیا۔

قصی نے مکہ مکرمہ کا ایک جدید نقشہ تیار کیا اور اس کے مطابق ہر قبیلے کے الگ الگ محلے بنائے اور ان محلوں کی بیچ میں گذرگاہیں بنائیں۔ ہر محلّہ کی گذرگاہ خانہ کعبہ کے وسیع میدان سے

آ کر مل جاتی تھی۔ان گذرگاہوں میں سب سے کشادہ جو گذرگاہ تھی اس کا نام طریق ابی شیبہ تھا۔

## دارالندوہ

قصی نے مکہ مکرمہ کی تعمیر نو اور تجدید کے انتظامات کیلئے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔انہی میں ایک اہم کارنامہ دارالندوہ کا قیام ہے۔قصی نے قبیلہ کی سطح پر انتظامی امور طے کرنے کیلئے نادی قائم کی تھی۔جگہ جگہ ان نادیوں میں قبیلوں کی سطح کے مسائل حل ہوتے تھے۔ نیز سلسلۂ نسب کے بارے میں اگر کوئی خاص وضاحت کرنی ہوتی تو لوگ انہی نادیوں میں جا کر اس کی وضاحت یا اعلان کرتے۔ان نادیوں کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے زید بن حارثہ کو جب اپنا متبنیٰ یعنی منھ بولا بیٹا بنایا تھا تو اسی طرح کی نادی میں زید بن حارثہ کو ساتھ لے جا کر یہ اعلان کیا تھا کہ یہ زید آج سے میرا غلام نہیں بلکہ میرا بیٹا ہے۔

لیکن قصی نے پورے شہر کے انتظامی امور طے کرنے کیلئے اپنا ایک مکان وقف کیا جو انہوں نے خانۂ کعبہ کے شمالی میدان میں اس طرح بنوایا تھا کہ اس کا دروازہ بیت اللہ شریف کی طرف کھلتا تھا۔اس مکان کو قصی نے پورے شہر کے اجتماعی مسائل حل کرنے کے لئے متعین کر دیا اور اس کا نام دارالندوہ تجویز کیا۔اس زمانے میں اس دارالندوہ کی حیثیت ویسی ہی تھی جیسی کہ آج کسی پارلیمنٹ ہاوس کی ہوتی ہے۔

دارالندوہ کی ممبری کے لئے قصی نے ایک شرط یہ لگائی تھی کہ چالیس سال سے کم عمر کے لوگ اس پارلیمنٹ کے ممبر نہیں بن سکتے۔البتہ قصی کی اولاد اس شرط سے مستثنیٰ تھی۔دارالندوہ کی اہمیت کا اندازہ ان امور سے لگایا جا سکتا ہے۔

❶ دارالندوہ میں قومی ملکیت کی چیزوں کو محفوظ کیا جاتا تھا۔

❷ دارالندوہ میں کسی قوم سے جنگ یا صلح کے فیصلے ہوتے تھے۔

❸ دارالندوہ میں مدافعتی تدابیر یعنی ڈیفینس کے معاملات طے ہوتے تھے۔

❹ دارالندوہ میں جنگی محاذوں کیلئے کمانڈروں کا تعین کیا جاتا تھا۔

❺ اہم قافلوں کی روانگی کے موقع پر دارالندوہ میں ان کو الوداع کہا جاتا تھا اور واپسی پر دارالندوہ میں ان کا استقبال کیا جاتا تھا۔

❻ اہم شادیوں کی تقریبات بھی یہیں منعقد ہوتی تھیں۔

لیکن بیچارے قصی کو کیا معلوم تھا کہ ایک ایسا بھی وقت آئے گا کہ اس کے ہی قائم کردہ اس دارالندوہ میں اس کی پانچویں پشت میں پیدا ہونے والے محمد بن عبداللہ کے قتل کی سازش رچی جائیگی۔

واضح رہے کہ اسی دارالندوہ میں سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کے قتل کی نہایت مجرمانہ اور اندوہناک سازش تیار کی گئی تھی اور رب کائنات نے محض اپنی قدرت کاملہ سے اپنے حبیب رسول کی حفاظت فرمائی تھی۔

# ہاشم بن عبد مناف

سرور کائنات ﷺ کا خاندان ہاشمی خاندان کہلاتا ہے آپؐ کے پردادا ہاشم بن عبد مناف تھے، ہاشمی خاندان انہیں کے نام سے مشہور ہوا۔

آپؐ کے پردادا ہاشم کا اصل نام عمرو تھا، لیکن ایک اہم واقعہ کی بنا پر وہ ہاشم کے نام سے مشہور ہو گئے۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک موقع پر مکہ مکرمہ میں بھیانک قحط سالی کی وجہ سے اشیاء خوردنی میں شدید بحران پیدا ہو گیا، لوگ روٹیوں کو ترس گئے۔ ہاشم کو اللہ تعالیٰ نے بہت مالدار بنایا تھا۔

اس قحط سالی کے زمانے میں ہاشم ملک شام تشریف لے گئے اور وہاں سے سیکڑوں من کیک بوروں میں بھر کر اونٹوں پر لاد کر لائے۔ اور مکہ مکرمہ آ کر اونٹوں کو ذبح کرایا اور ان کا شوربے دار گوشت پکوایا، پھر خود اپنے ہاتھ سے وہ کیک نما روٹی چور چور کر شوربے میں ڈالی اور تمام اہل مکہ کی عمومی دعوت کی۔

عربی زباں میں ہشم کے معنی ہیں چور چور کرنا اور ہاشم کے معنی ہیں چور چور کرنے والا۔ گویا جب عمرو بن عبد مناف نے اپنے ہاتھ سے ان روٹی نما کیکوں کو اپنے ہاتھ سے چور چور کر کے سالن میں ڈالا تو اہل مکہ نے ان کو ہاشم کا خطاب دیدیا اور اسی خطاب سے وہ مشہور ہو گئے۔

اس کے علاوہ ہاشم کا ایک اور عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ہی قریش کیلئے سالانہ دو تجارتی سفروں کو رائج کیا ایک سفر موسم سرما میں اور ایک سفر موسم گرما میں۔ یعنی ایک تجارتی سفر تو سردی میں ہو اور ایک تجارتی سفر گرمی میں۔

قرآن مقدس میں انہی دونوں سفروں کا تذکرہ سورۃ ایلاف میں موجود ہے۔

اِیلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ.

بلکہ ایک شاعر نے تو ہاشم کے ان دونوں کارناموں یعنی مکہ مکرمہ کے قحط زدہ لوگوں کو سالن روٹی کھلانے اور سردی و گرمی کے دو تجارتی سفروں کی بنیاد رکھنے کو سراہتے ہوئے کہا ہے۔

عمر والذی هشم الثرید لقومه　　قوم بمکة مسنتین عجاف
سنت الیه الرحلتان کلاهما　　سفر الشتاء و رحلة الاصیاف

یہ وہی عمرو ہیں جنہوں نے قحط زدہ اپنی کمزور قوم کو گوشت کے شوربے میں روٹیاں چور چور کر کھلائیں اور جاڑے اور گرمی کے سفروں کا طریقہ رائج کیا۔

گرمی کے موسم میں ان کے تجارتی قافلے ملک شام جاتے جہاں اس موسم میں ٹھنڈ ہوتی تھی اور موسم نہایت خوشگوار ہوتا اور آب و ہوا صحت بخش ہوتی اور سردی کے موسم میں ان کے تجارتی قافلے ملک یمن جاتے۔

ہاشم بن عبد مناف مکہ مکرمہ میں دو عظیم عہدوں سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا) رفادہ (حاجیوں کی میزبانی کرنا) پر فائز ہونیکے ساتھ ساتھ ایک کامیاب تاجر بھی تھے اس لئے تجارتی سفروں میں بھی آپ کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

۴۹۷ء کی بات ہے جب ہاشم نے ملک شام کا ایک تجارتی سفر کیا اور ملک شام جاتے ہوئے راستے میں جب یثرب (مدینہ منورہ) پہونچے تو قبیلہ بنی نجار کی ایک خاتون سلمٰی بنت عمرو سے نکاح کر لیا۔ اور چند روز تک اپنی اسی بیوی کے ساتھ یثرب میں قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد بیوی کو حالت حمل میں اس کے ہی گھر چھوڑ کر اپنے تجارتی سفر پر ملک شام روانہ ہو گئے، ملک شام پہونچنے کے بعد وہاں شہر غزہ میں آپکا انتقال ہو گیا اور وہیں آپ کو دفن کر دیا گیا۔

## شیبہ، عبد المطلب

ادھر یثرب میں سلمٰی کے بطن سے ہاشم کا لڑکا پیدا ہوا۔ پیدائشی طور پر اس لڑکے کے سر کے بالوں میں سفیدی تھی اس لئے ماں سلمٰی نے اس کا نام شیبہ تجویز کیا۔ شیبہ اپنے ننہال میں اپنی ماں

کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے یہاں تک کہ شیبہ سمجھدار ہوگئے۔ اور تقریباً بارہ برس کے ہوگئے۔

ہاشم نے اپنے بھائی مطلب کو سفر شام پر روانہ ہونے سے پہلے اپنی اولاد کی نگرانی کی وصیت کی تھی، شیبہ کے علاوہ ہاشم کے تین بیٹے اور تھے۔ نیز پانچ بیٹیاں بھی تھیں۔ مطلب اپنے بھائی ہاشم کے سفر شام کے دوران ان کے بچوں کی دیکھ بھال کررہے تھے،

شام میں ہاشم کے انتقال کی جب انہیں خبر ملی اور یثرب میں سلمٰی بنت عمرو کے بارے میں معلوم ہوا کہ ہاشم نے دوران سفر اس سے نکاح کیا تھا اور اس سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا ہے جو تقریباً بارہ برس کا ہو چکا ہے۔ مطلب کو اپنے بھائی کی وصیت یاد تھی۔ چنانچہ مطلب نے شیبہ کو مکہ مکرمہ لانے کا ارادہ کیا اور اسی مقصد کے لئے وہ یثرب (مدینہ منورہ) گئے۔ معلومات حاصل کر کے سلمٰی بنت عمرو سے رابطہ قائم کیا اور ان سے کہا کہ میں ہاشم کا حقیقی بھائی ہوں اور یہ شیبہ میرا بھتیجا ہے۔ میرے بھائی ہاشم نے مجھے اپنی اولاد کی نگرانی کی وصیت کی تھی اب جب کہ غزہ شام میں ان کا انتقال ہو چکا ہے اس لئے اس بچہ کی نگرانی بھی میرے ذمے میں شامل ہوگئی ہے، اس لئے اس شیبہ کو میرے حوالے کردو۔

اولاً ماں نے اپنے لخت جگر کو دینے سے انکار کیا مگر جب مطلب نے ہاشم اور اپنے خاندان کی اہمیت بتائی اور مکہ مکرمہ میں اپنی سیادت وقیادت کی بات سنائی اور سلمٰی کو امید دلائی کہ یہ بچہ مکہ مکرمہ میں عظیم منصب پر فائز ہوگا تو ماں سلمٰی نے اپنے لخت جگر شیبہ کو مطلب کے حوالے کردیا۔

ہاشم کے بھائی مطلب نے اپنے بھتیجے کو اپنی اونٹنی پر پیچھے بٹھایا اور یثرب سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جب مطلب کی یہ سواری مکہ مکرمہ میں اس حال میں داخل ہوئی کہ مطلب آگے بیٹھے تھے اور بھتیجا شیبہ پیچھے بیٹھا تھا تو مکہ والے یہ سمجھے کہ مطلب کوئی غلام خرید کر لائے ہیں اس قیاس کی بنا پر لوگ شیبہ کو عبدالمطلب کہہ بیٹھے، یعنی مطلب کا غلام۔ پھر وہ عبدالمطلب کے نام

سے ہی مشہور ہو گئے۔

مطلب نے اپنے بھتیجے شیبہ عرف عبدالمطلب کا حق پرورش ادا کیا۔ عبدالمطلب کی پیشانی میں جو روشن مستقبل چمک رہا تھا مطلب اس کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، جس کی بنا پر مطلب اپنوں سے زیادہ اپنے اس بھتیجے کا ہر لمحہ خیال رکھتے تھے۔

ہاشم کے انتقال کے بعد ہاشم کے عہدے مطلب کو مل گئے تھے۔ مطلب بھی اپنی قوم میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ہر شخص ان کا احترام کرتا تھا۔ مطلب بہت سخی تھے ان کے در سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا اسی بنا پر ان کا لقب فیاض قرار پایا۔ نیز ہاشم کے انتقال کے بعد مکہ مکرمہ کے دو اہم منصب سقایہ اور رفادہ بھی مطلب ہی کو ملے تھے۔ سقایہ کا مطلب تھا حاجیوں کو پانی پلانا اور رفادہ کا مطلب تھا حاجیوں کی میزبانی کرنا۔

دنیا میں ہر انسان جانے کیلئے آیا ہے، دوام کسے نصیب؟ اس کائنات کی ہر شئی فانی ہے۔ آج کوئی گیا تو کل کسی اور کی باری ہے۔ ہاشم کا انتقال دوران سفر ملک شام میں غزہ میں ہوا اور وہ وہیں مدفون ہوئے تو مطلب بھی ایک موقع پر ملک یمن کے سفر میں تھے۔ کہ اچانک یمن کے شہر رومان میں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں ان کو دفن کر دیا گیا۔

# عبدالمطلب کا عروج

اب چچا مطلب کے عہدے سقایہ اور رفادہ حضرت عبدالمطلب کو قوم نے سونپ دیئے اور اب عبدالمطلب دن بدن شرف و اعزاز کی منزلیں نہایت تیز رفتاری سے طے کرتے جا رہے تھے۔ درمیان میں اگرچہ کچھ خاندانی رقابتیں بھی سامنے آئیں مگر حضرت عبدالمطلب نے ان رقابتوں کا نہایت جوانمردی اور حکمت عملی سے مقابلہ کیا جس کے نتیجے میں ان کی عظمت مزید اہمیت کے ساتھ تسلیم کی جانے لگی۔

خاندانی رقابت کا ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ جب یمن میں مطلب کا انتقال ہو گیا تو عبدالمطلب کے چچا نوفل بن عبد مناف نے آپ کے صحن پر قبضہ کرلیا۔ابتداءً عبدالمطلب نے اپنے چچا نوفل سے استدعاء کی کہ یہ ہمارا صحن آپ خالی کر دیں۔لیکن چچا نوفل نے ضد اختیار کی اور بھتیجے عبدالمطلب کو کمزور سمجھ کر ان کے صحن پر قبضہ برقرار رکھا۔عبدالمطلب نے اپنے خاندان کے دیگر لوگوں سے اس معاملہ کو حل کرنے کی درخواست کی مگر سب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم لوگ تم چچا بھتیجوں کے درمیان پڑنا نہیں چاہتے۔غالباً انھوں نے یہ سوچا ہوگا کہ عبدالمطلب کی مدد کرنے سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا اور بلاوجہ نوفل کی مخالفت ہمیں مول لینی پڑے گی۔

جب عبدالمطلب نے اپنے چچا نوفل اور اپنے اہل خاندان کا یہ رویہ دیکھا تو آپ نے یثرب (مدینہ منورہ) میں بنونجار میں اپنے ماموں کو چند اشعار پر مشتمل ایک استدعاء بھیجی۔جس میں چچا نوفل کی زیادتی اور اہل خاندان کی بے مروتی کا ذکر کر کے ان سے مدد چاہی۔

ان اشعار کو پڑھتے ہی عبدالمطلب کے ماموں ابوسعد بن عدی اسّی۸۰ سواروں کو لیکر مکہ مکرمہ کے قریب ابطح میں پہونچ گئے۔عبدالمطلب نے اپنے ماموں سے اسی مقام پر ملاقات کی اور گھر چلنے کی دعوت دی مگر ماموں نے کہا جب تک نوفل کی زیادتی ختم نہیں ہو جاتی رب کعبہ کی قسم میں تمہارے گھر نہ جاؤں گا۔اور یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں کو لیکر حرم میں آئے،وہاں حطیم میں عبدالمطلب کا وہ غاصب چچا نوفل قریش کے بڑے لوگوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔عبدالمطلب کے ماموں ابوسعد بن عدی نے ان مشائخ قریش کے سامنے نوفل کو اس حال میں مخاطب کیا کہ ابوسعد کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔

ابوسعد نے کہا۔

رب کعبہ کی قسم!اگر تو نے میرے بھانجے عبدالمطلب کی زمین واپس نہ کی تو یہ تلوار تیرے سر کو تیرے تن سے جدا کر دیگی۔

یہ منظر دیکھ کر نوفل گھبرا گیا اور اس نے فوراً زمین واپس کر دی۔

ابوسعد نے اس معاملہ پر ان تمام مشائخ قریش کو گواہ بنایا، پھر اپنے بھانجے عبدالمطلب کے گھر گئے اور وہاں تین دن قیام کیا اور پھر عمرہ کر کے یثرب (مدینہ منورہ) واپس آئے۔

اس واقعہ نے پورے مکہ میں عبدالمطلب کی دھاک بٹھا دی۔ اور اب مکہ کا ہر شخص عبدالمطلب کے سامنے نہایت نپے تلے لہجہ میں گفتگو کرتا۔

بنوخزاعہ نے جب یہ منظر نامہ دیکھا کہ بنونجار نے عبدالمطلب کیلئے اتنی بڑی قربانی دی ہے تو بنوخزاعہ نے دارالندوہ میں جا کر بنو ہاشم سے یہ عہد و پیمان کیا کہ وہ ہمیشہ بنوعبدشمس اور بنونوفل کے خلاف بنو ہاشم کا ساتھ دیں گے۔

بنوخزاعہ کی بنو ہاشم سے یہ ہمدردی اس بنا پر بھی تھی کہ عبدمناف کی ماں قبیلہ بنوخزاعہ سے تھی۔ چنانچہ بنوخزاعہ نے عبدالمطلب کے ماموں ابوسعد سے یہی کہا تھا کہ جس طرح عبدالمطلب تمہارا بیٹا ہے اسی طرح وہ ہمارا بھی بیٹا ہے۔

لیکن اس کا ردعمل یہ ہوا کہ نوفل نے بنی عبدشمس سے بنو ہاشم کے خلاف باہمی تعاون کا حلف اٹھالیا۔

بہرحال اس خاندانی چپقلش میں عبدالمطلب کو جو فتح نصیب ہوئی اس کی وجہ سے ان کی تعظیم وتوقیر میں مزید چار چاند لگ گئے۔

لیکن ابھی قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ عبدالمطلب کی عظمت اور ان کی قدر ومنزلت کو دوسرے زاویوں سے ابھارنا ابھی باقی تھا، چنانچہ ایسے دو واقعے اور پیش آئے جن سے عبدالمطلب کی سیادت وقیادت اور ان کی تعظیم وتوقیر مزید دوبالا ہوگئی۔ ان میں سے ایک واقعہ تو زمزم کنویں کی کھدائی کا ہے اور دوسرا واقعہ اصحاب فیل کا ہے۔

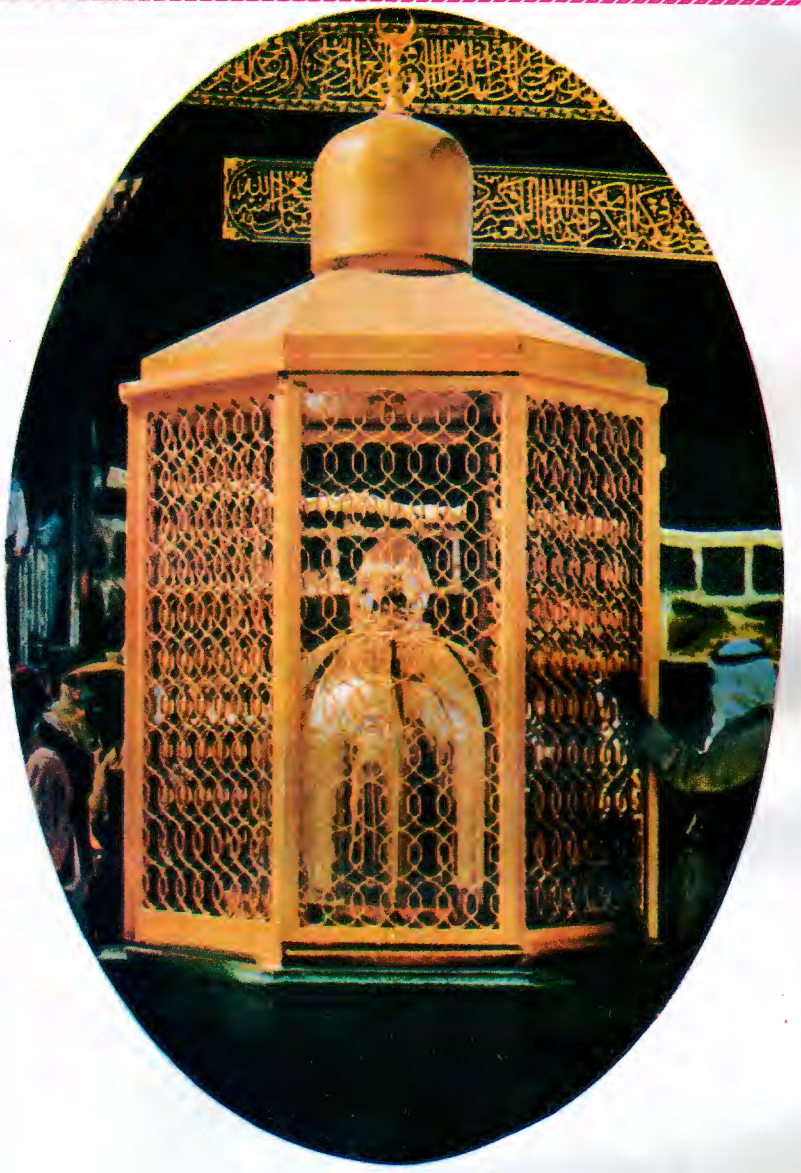

## مقام ابراھیم

مقامِ ابراہیم اس پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی اور اسی پر کھڑے ہو کر آپؑ نے حج کا اعلان فرمایا تھا۔ یہ پتھر جنت کا یاقوت ہے اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروں کے نشانات نمایاں ہیں۔ شیشے کے خوبصورت قبہ میں یہ پتھر محفوظ ہے اس پر چاندی کا خول چڑھا ہوا ہے۔ رکنِ حجر اسود اور رکنِ عراقی کے درمیان حرم کے صحن میں نصب ہے۔ ہر طرح کے طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت نماز اسی مقام پر ادا کی جاتی ہے۔

مقام ابراہیم

ابراہیمؑ کے قدموں کے نشانات واضح ہیں

چاہ زمزم

# چاہ زمزم کی دریافت

تاریخ کے اس دور میں جب کہ بنوخزاعہ نے بنوجرہم کو مکہ مکرمہ سے کھدیڑ دیا تھا اوران کے طویل اقتدار کوتہ وبالا کر کے خود زمام قیادت سنبھال لی تھی تو بنوجرہم مکہ مکرمہ سے بھاگتے بھاگتے یہ حرکت کر گئے تھے کہ بیت اللہ شریف کی نہایت اہم اور قیمتی چیزیں زمزم کے کنویں میں ڈال کر اس میں مٹی بھر دی تھی، جس کے نتیجے میں وہ تاریخی کنواں بالکل بند ہو گیا تھا۔

یہ واقعہ دوسری صدی عیسوی کے درمیان میں پیش آیا اور آہستہ آہستہ لوگ اس سے نا آشنا ہو گئے یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا کہ چاہ زمزم کے بارے میں اگر چہ سینہ بسینہ روایات لوگوں تک محفوظ تھیں مگر کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کنواں ہے کہاں پر؟

عبدالمطلب کو چاہ زمزم کے بارے میں خواب دکھائی دیا اور آپ نے یہ خواب یکے بعد دیگرے تین مرتبہ دیکھا۔ پہلے خواب میں حکم تھا احفر طیبة یعنی پاکیزہ مقام کو کھودو۔ دوسرے خواب میں حکم تھا۔ احفر برہ نیک مقام کو کھودو اور تیسرے خواب میں حکم تھا احفر المضنونة قیمتی چیز کھودو۔

حضرت عبدالمطلب ان خوابوں کو دیکھ کر حکم ربانی تو سمجھ گئے مگر طیبہ، برہ اور مضنونہ سے کون سا مخصوص مقام مراد ہے؟ عبدالمطلب اس مقام کو نہیں پہچان سکے۔

کنویں کا کوئی نام ونشان تک موجود نہ تھا، کیونکہ اس کنویں کو بند ہوئے تقریبا پانچ سو سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ اس طویل مدت میں اس کے تمام نشانات مٹ چکے تھے۔ اور بنوخزاعہ کو شکست دینے کے بعد قصی بن کلاب نے اگر چہ بیت اللہ شریف کے اردگرد حرم کے تمام جھاڑ جھنکاڑ کو صاف کر دیا تھا مگر پھر بھی چاہ زمزم کا کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا تھا۔

بہر حال حضرت عبدالمطلب اسی پس وپیش میں مبتلا تھے کہ ان کو خواب ہی میں اس جگہ کے

بارے میں بتایا گیا۔-

**هی بین الفرث والدم عند نقرة الغراب الا عصم.**

یعنی وہ جگہ گوبر اور خون کے بیچ میں ہے جہاں سفید پنجوں والا کوا ٹھونگ مار رہا ہے۔

عبدالمطلب نے انہی نشانیوں سے وہ مقام پہچان لیا اور اپنے بڑے بیٹے حارث کو ساتھ لے کر اس کنویں کی کھدائی شروع کر دی۔ اور تین دن کی جان توڑ محنت کے بعد ان کو چاہ زمزم دکھائی دیا۔

قریش کے لوگ عبدالمطلب کا یہ کارنامہ دیکھ کر حسد میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے اپنی نام آوری کیلئے عبدالمطلب سے مطالبہ کیا کہ وہ چاہ زمزم کی صفائی میں ان کو بھی شریک کریں۔ لیکن عبدالمطلب نے صاف طور پر ان کو منع کر دیا اور یہ کہا کہ اس کام کیلئے مجھے مخصوص کیا گیا ہے اس لئے میں تم لوگوں کو اس کی کھدائی یا صفائی میں شریک نہیں کر سکتا۔

مگر قریش کے ہٹ دھرم لوگ ضد پر اڑے رہے یہاں تک کہ اس معاملہ میں فیصلہ کرانے کے لئے بنوسعد کی ایک کاہنہ کے پاس جانا طے ہوا اور اس کے فیصلہ کو تسلیم کرنے کا عہد کیا۔

جب عبدالمطلب ان قریشیوں کے ساتھ بنوسعد کی کاہنہ کے پاس جا رہے تھے تو راستے میں اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کے بارے میں ان قریش کو کچھ ایسی نشانیاں دکھائیں جن سے وہ سب تعجب میں پڑ گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ چاہ زمزم کی کھدائی کا معاملہ واقعی عبدالمطلب کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ راستہ سے ہی وہ لوگ واپس آ گئے۔

## عبدالمطلب کی منت

یہی وہ موقع ہے جب عبدالمطلب نے یہ منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دس بیٹے عطاء کئے اور وہ سب اس عمر کو پہونچ گئے کہ وہ میری مدد کر سکیں تو میں ان بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو خانۂ کعبہ کے پاس قربان کر دوں گا۔

بہر حال چاہ زمزم برآمد ہوا اور اس کی صفائی کی گئی۔ تاریخ ایک نئے دور میں داخل ہوگئی اور تقریباً پانچ سو سال کے بعد لوگ پھر لوگوں کو آب زمزم میسر ہوگیا۔ اور الحمد للہ اس وقت سے آج تک چاہ زمزم کروڑوں انسانوں کو سیراب کر رہا ہے۔ نہ اس کا پانی ختم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے سوتے سوکھتے ہیں۔

اب اللہ نے عبدالمطلب کی مراد پوری کردی یعنی ان کے دس بیٹے ہوئے اور وہ سب اس قابل ہوگئے کہ وہ اپنے باپ عبدالمطلب کے معاون بن سکیں، تو عبدالمطلب کو اپنی منت پوری کرنے کی فکر ہوئی، عبدالمطلب نے اپنے سب بیٹوں کو جمع کیا اور ان کو اپنی منت سے آگاہ کیا۔ تمام بیٹوں نے بیک زبان ہو کر اس کی تائید کی۔ لیکن سوال یہ تھا کہ اس منت کو پورا کرنے کے لئے کس بیٹے کو ذبح کیا جائے؟

## قرعہ میں عبداللہ کا نام نکل آیا

اس منت کو پورا کرنے کیلئے قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ میں سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کا نام نکلا۔

عبداللہ اپنے تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ وجیہ اور خوبصورت تھے۔ اور جب عبدالمطلب کی کیلئے قرعہ اندازی میں ان کا نام نکل آیا تو تمام قریش میں صف ماتم بچھ گئی، ہر طرف چرچے ہونے لگے کہ عبدالمطلب اپنی منت پوری کرنے کے لئے اپنے سب سے خوبصورت بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کردیں گے۔ پورے مکہ میں لوگوں کے چہروں پر اداسی چھا گئی۔ ادھر عبداللہ کے ننہال کے لوگ یعنی بنومخزوم اور عبداللہ کے بھائی ابوطالب بھی آڑے آگئے۔ انہوں نے عبدالمطلب سے مطالبہ کیا کہ کچھ بھی ہو جائے مگر عبداللہ ذبح نہ ہوں۔ تو عبدالمطلب نے سوال کیا، پھر میں اپنی منت آخر کس طرح پوری کروں؟

ان لوگوں نے مشورہ دیا کہ کسی عرافہ خاتون سے اس کا حل معلوم کیا جائے، چنانچہ عبدالمطلب خاندان کے دیگر ذمے داروں کو لیکر ایک عرافہ کے پاس پہونچے اور اس کے سامنے اپنی منت کا ذکر کیا اور بتایا کہ قرعہ اندازی میں عبداللہ کا نام نکلا ہے اور خاندان کے تمام لوگ اور عبداللہ کے ننہالی رشتہ کے لوگ اس میں آڑے آرہے ہیں اور وہ کسی بھی طرح عبداللہ کے ذبح پر راضی نہیں، لہٰذا اس کا کوئی حل بتادو۔

اس عرافہ خاتون نے اس کا حل یہ بتایا کہ عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالو۔ اگر اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو عبداللہ کے بدلے ان دس اونٹوں کو ذبح کر دینا۔ اور اگر عبداللہ کے نام قرعہ نکلے تو پھر ان دس اونٹوں کے ساتھ دس اونٹ اور ملا دینا اور بیس اونٹوں اور عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالنا۔ پس اگر ان بیس اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو عبداللہ کے بدلے ان کو ذبح کر دینا۔ اور اگر عبداللہ کے نام قرعہ نکل آئے تو پھر ان بیس اونٹوں کے ساتھ دس اونٹ اور ملا دینا۔ پھر قرعہ اندازی کرنا غرضیکہ جب تک اونٹوں کے نام قرعہ نہ نکل آئے تب تک ان میں دس دس اونٹ ملاتے رہنا۔

اس عرافہ کی ہدایت کے مطابق عبدالمطلب نے دس اونٹوں اور اپنے لخت جگر عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالا۔ اتفاق سے عبداللہ کے نام قرعہ نکل آیا۔ پھر عبدالمطلب نے بیس اونٹوں اور عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالا۔ مگر اس بار بھی عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ غرضیکہ دسویں بار جب کہ اونٹوں کی تعداد سو ہو چکی تو اونٹوں کے نام قرعہ نکلا۔ اور عبداللہ کے بدلہ ان سو اونٹوں کو عبدالمطلب نے اپنی منت پوری کرنے کے لئے ذبح کر دیا۔

حضرت عبداللہ کے ساتھ اسی واقعہ کے پیش آنے کی وجہ سے سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں دو ذبیحوں کی اولاد ہوں''۔

ایک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کہ ان کو منیٰ کی گھاٹی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح

کرنے کی کوشش کی تھی اور ان کے بدلے جنت کا مینڈھا ذبح کیا گیا۔ اور دوسرے حضرت عبد اللہ جن کے ذبح کے بدلے سو اونٹ ذبح کئے۔

واضح رہے کہ اس واقعہ سے پہلے عرب سماج میں خوں بہا یعنی دیت کیلئے صرف دس اونٹ دیے جاتے تھے مگر جب حضرت عبداللہ کی جان بچانے کیلئے عبدالمطلب نے سو اونٹ ذبح کئے تبھی سے خوں بہا یعنی دیت کیلئے سو اونٹ مقرر ہوئے۔ پھر شریعت اسلامیہ میں بھی یہی مقدار باقی رکھی گئی۔

## عبداللہ جوان ہو گئے

جب حضرت عبداللہ جوان ہو گئے۔ اور ان کی عمر تقریباً چوبیس سال کی ہو گئی تو۔ عبدالمطلب نے اپنے ان صاحبزادے کی شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ اور وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کی بیٹی حضرت آمنہ کا انتخاب کیا جو قریش کی افضل ترین اور معزز خاتون تھیں۔

حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ ازدواجی رشتے میں منسلک ہوئے تو حضرت آمنہ رخصت ہو کر اپنے شوہر حضرت عبداللہ کے گھر آ گئیں۔

کچھ عرصے کے بعد ایک تجارتی قافلہ مکہ مکرمہ سے ملک شام جا رہا تھا۔ عبدالمطلب نے اپنے جواں سال بیٹے حضرت عبداللہ کو بھی اس تجارتی قافلے کے ساتھ ملک شام بھیج دیا۔

## عبداللہ کا انتقال ہو گیا

جب یہ قافلہ ملک شام سے واپس آ رہا تھا تو راستے میں یثرب (مدینہ منورہ) میں حضرت عبداللہ کی طبیعت خراب ہو گئی اور وہ وہیں قافلہ سے الگ ہو کر یثرب (مدینہ منورہ) میں ٹھہر گئے۔ علاج کے باوجود افاقہ ملنے کے بجائے دن بدن طبیعت بگڑتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ یثرب ہی میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہی اور آپ کی روح پرواز کر گئی۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۲۵

سال کی تھی۔ یثرب (مدینہ منورہ) میں نابغہ جعدی کے مکان میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ یہ حادثۂ فاجعہ سرور کائنات ﷺ کی پیدائش سے دو ماہ قبل پیش آیا۔

عبداللہ کا مدینہ کے مشہور قبیلہ بنی عدی بن نجار سے ننہالی رشتہ تھا، چنانچہ بیمار عبداللہ یہیں ٹھہر گئے۔ جب وہ تجارتی قافلہ مکہ مکرمہ پہونچا تو اس نے عبدالمطلب کو خبر دی کہ ان کے جواں سال صاحبزادے ملک شام سے واپسی پر راستے میں بیمار ہونے کی وجہ سے یثرب (مدینہ منورہ) میں ٹھہر گئے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی عبدالمطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا مگر وہاں عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔

جب حضرت عبداللہ کے انتقال کی خبر مکہ مکرمہ میں پہونچی تو پورے مکہ میں سوگ کی کیفیت طاری ہوگئی، ہر طرف غم کے بادل چھا گئے۔ بوڑھے عبدالمطلب اس خبر سے غمزدہ ہو گئے، لرزتے ہوئے ہونٹوں سے نہ جانے وہ کیا کہنا چاہتے تھے مگر زبان آواز کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اور آمنہ اپنے جواں سال شوہر کے انتقال کی خبر سے نڈھال ہوگئیں۔ اس اندوہناکی کے عالم میں حضرت آمنہ نے اپنے شوہر عبداللہ کیلئے دردانگیز مرثیہ کہا۔

**عفاجانب البطحا من ابن هاشم وجا ور لحداًخارجاً فی الغَمَا غِم**

ہاشم کے فرزند سے بطحا کی گود خالی ہوگئی۔ اور وہ غموں کے درمیان ایک قبر میں آسودۂ خواب ہو گئے

**دعته المنا یا دعو ة فاجا بها وما ترکت فی النا س مثل ابن هاشم**

انہیں موت نے پکارا اور انہوں نے اسے لبیک کہی۔ اور موت نے لوگوں میں ہاشم کے فرزند جیسا کوئی نہیں چھوڑا

**فان تک غالته المنا یا و رِیبها فقد کان مِعطاء کثیرا لتراحم**

تو اگر موت اور موت کے حادثوں نے ان کے وجود کو ختم کر دیا۔ تو اس سے ان کا کردار نہیں مٹ سکتا کیونکہ) وہ بڑے داتا اور بہت رحم دل تھے۔

# اصحاب الفیل (ہاتھی والے)

ابھی سرور کائنات ﷺ کی پیدائش میں تقریباً پچاس دن باقی تھے کہ اتنے میں یمن کے ابرہہ صباح حبشی نے بیت اللہ شریف کو منہدم کرنے کے لئے مکہ مکرمہ کے بالکل قریب منیٰ کے پاس اپنے لاؤلشکر کے ساتھ پہونچ گیا۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق ابرہہ کا لشکر ساٹھ ہزار فوجیوں پر مشتمل تھا۔ اس کے لشکر میں اونٹوں اور گھوڑوں کے علاوہ تیرہ ۱۳ ہاتھی بھی شامل تھے اور خود ابرہہ نے اپنی سواری کیلئے محمود نامی ہاتھی منتخب کیا تھا جس کی بنا پر اس پورے لشکر کو اصحاب الفیل (یعنی ہاتھی والے) کے نام سے یاد کیا گیا۔

مکہ کے قریب آنے کے بعد ابرہہ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ تمام اصطبل لوٹ لیں جن میں اہل مکہ کے اونٹ اور گھوڑے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے لشکر نے اہل مکہ کے اونٹوں اور گھوڑوں پر قبضہ کرلیا۔ اس لوٹ میں عبدالمطلب کے بھی دوسو اونٹ ضبط ہو گئے۔

ابن ہشام کے بیان کے مطابق اس لوٹ سے اہل مکہ میں دہشت پھیل گئی اور وہ اپنی جان بچانے کیلئے پہاڑوں کی گھاٹیوں میں جا چھپے۔

ابرہہ نے اپنے قاصد حناطہ حمیری کے ذریعہ مکہ کے سردار عبدالمطلب کے پاس یہ پیغام بھیجا۔

''ہم مکہ والوں کو قتل کرنا نہیں چاہتے ہم تو صرف خانۂ کعبہ کو ڈھانے کیلئے آئے ہیں۔ اگر اہل مکہ ہمارے اس کام میں رکاوٹ نہ بنیں تو محفوظ رہیں گے۔

خواجہ عبدالمطلب نے اس پیغام کا جواب یہ دیا۔

''ابرہہ جتنی بڑی فوج لایا ہے اس کا مقابلہ اہل مکہ تو کیا کریں گے عرب کے دوسرے قبائل بھی مل کر نہیں کرسکتے اس لئے ہم بھی ابرہہ کے ساتھ جنگ نہیں چاہتے۔ البتہ یہ گھر جسے وہ ڈھانے

کیلئے آیا ہے ہمارا گھر نہیں ہے یہ تو اللہ کا گھر ہے، جسے اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔ اگر اللہ اپنے گھر کی حفاظت چاہے گا تو وہ خود حفاظت کر لے گا''۔

## عبدالمطلب اور ابرہہ کی گفتگو

حناطہ حمیری نے عبدالمطلب سے کہا۔ آپ خود چل کر ابرہہ سے بات کرلیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

عبدالمطلب اس کے لئے بھی تیار ہو گئے۔ جب عبدالمطلب ابرہہ کے سامنے پہونچے تو وہ عبدالمطلب کی وجاہت اور رعب سے اسقدر متأثر ہوا کہ اپنی مسند چھوڑ کر نیچے اترا اور عبدالمطلب سے ایک ترجمان کے ذریعہ بات چیت شروع کی۔

ابرہہ نے پوچھا۔ اے سردار قریش! آپ کیا چاہتے ہیں؟

عبدالمطلب نے جواب دیا۔ میرے دوسو اونٹ آپ کے لشکر نے پکڑ لئے ہیں میں ان کی واپسی چاہتا ہوں!

ابرہہ تعجب میں پڑ گیا۔ اس نے اپنے ترجمان سے کہا!

ان بڑے میاں سے کہو۔ میں تو آپ کی یہ وجاہت دیکھ کر بہت متأثر ہوا تھا اور سوچا تھا کہ آپ کسی بڑے موضوع پر گفتگو کریں گے مگر آپ نے اپنا ذاتی معاملہ اٹھایا۔ آپ نے کعبہ کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

اس پر عبدالمطلب نے جواب دیا۔

یہ کعبہ اللہ کا گھر ہے اور وہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے، وہی اس کی فکر کرے گا، میں اس گھر کا مالک نہیں ہوں۔ میں تو ان اونٹوں کا مالک ہوں جن کی واپسی کی درخواست میں نے آپ سے کی ہے۔

ابرہہ نے عبدالمطلب کے تمام اونٹ واپس دلوادیئے۔عبدالمطلب ان اونٹوں کو لے کر مکہ آئے اور ان سب کو قربانی کیلئے وقف کر دیا۔اور مکہ والوں کو ہدایت کی کہ وہ پہاڑوں اور گھاٹیوں میں جا جا کر چھپ جائیں تا کہ ابرہہ کے ظلم وزیادتی سے محفوظ رہیں۔

## عبدالمطلب کی دعاء

پھر عبدالمطلب چند لوگوں کو لے کر حرم میں آئے اور بیت اللہ شریف کا دروازہ پکڑ کر یہ دعاء کی۔

اے اللہ ایک غلام اپنے کجاوہ کی حفاظت کرتا ہے پس تو ان کی حفاظت کر جو تیرے گھر کے پڑوسی اور مجاور ہیں۔

اے اللہ! ایسا ہرگز نہ ہونے پاوے کہ کل ان کا مکروفریب تیری تدبیر پر غالب آجائے۔

اے اللہ! اگر میں ان دشمنان کعبہ اور اپنے قبیلے کو چھوڑ کر چلا جاؤں کیونکہ میں مجبور ہوں تو پھر میرے مولیٰ تیرا جو ارادہ ہو اس کا حکم دیدے۔

اے اللہ! یہ اپنے بے شمار لشکر اور ہاتھیوں کو لائے ہیں تا کہ باشندگان مکہ کو جو تیرے عیال ہیں قید کریں۔

اے اللہ! انہوں نے اپنے مکروفریب اور جہالت سے تیرے حرم کا ارادہ کیا ہے انہوں نے تیری عظمت کا لحاظ نہیں کیا۔

یہ تھی عبدالمطلب کی وہ دعاء جو انہوں نے بیت اللہ کا دروازہ پکڑ کر کی تھی۔

## ابرہہ مکہ کی طرف

ادھر منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان وادیٔ محسر میں ابرہہ نے اپنے لشکر کو لیکر مکہ مکرمہ کی طرف چلنے کی تیاریاں شروع کر دیں تا کہ مکہ میں آکر بیت اللہ شریف کو منہدم کر دے اور لوگ بیت اللہ کے بجائے صنعاء یمن میں اس کے بنائے ہوئے گرجا کا طواف شروع کر دیں۔

ابرہہ نے اپنے لشکر کو مکہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا اور خود بھی اپنے بڑے ڈیل ڈول والے محمود ہاتھی کو مکہ کی جانب ہانکنے لگا۔ مگر قدرت نے ان کی گرفت کرنے سے پہلے انہیں جانوروں کے عمل سے سمجھایا۔ تاکہ وہ بیت اللہ کو منہدم کرنے سے باز آجائیں۔

ہوا یہ کہ جب ابرہہ اپنے ہاتھی کو مکہ کی طرف ہانکتا تو وہ ہلنے کا بھی نام نہ لیتا۔ اور اگر اسے دائیں بائیں ہانکا جاتا تو خوب چلتا۔ مکہ کی جانب چلانے کیلئے ابرہہ نے بہت کوشش کی، اسے بہت انکش مارے مگر مکہ کی طرف وہ ہاتھی ایک قدم بھی نہ بڑھا۔

ابتداء میں ابرہہ کیلئے یہ معمولی تنبیہ تھی۔ اگر ابرہہ اس کرشمے کو دیکھ تائب ہو جاتا تو شاید تاریخ کا وہ بھیانک حادثہ پیش نہ آتا جس میں اس کی تمام فوج کھائے ہوئے بھوسے کی طرح چکنا چور ہو کر سیلاب میں بہہ گئی۔

## ابرہہ کا لشکر تباہ ہو گیا

جب ابرہہ اپنی ضد پر اڑا رہا تو رب کائنات نے پرندوں کا ایک جھنڈ بھیجا اور یہ پرندے چنے کی برابر تین تین کنکری لیکر اس لشکر کے اوپر منڈلانے لگے۔ دو کنکریاں ایک ایک پنجے میں اور ایک کنکری منہ میں لئے ہوئے ان پرندوں نے جب وہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر برسائیں تو ان کنکریوں سے ابرہہ کے لشکر کو اللہ نے ہلاک کر دیا اور وہ سب کھائے ہوئے بھوسے کی طرح ہو گئے۔ پھر اللہ نے موسلا دھار بارش برسائی جس نے ان کے ریزوں کو بہا کر سمندر میں پہونچا دیا۔

البتہ عبرت کیلئے اللہ نے ابرہہ اور اس کے مخصوص ساتھیوں کو اسی مقام پر ہلاک نہیں کیا بلکہ ان پر یہ عذاب مسلط کیا کہ ان کا جسم گل گل کر گرنے لگا۔ یہاں تک کہ ابرہہ جب صنعاء یمن پہونچا تو اس کے بدن پر معمولی سا گوشت باقی بچا تھا۔ وہاں اس کا سینہ پھٹا، دل باہر نکل آیا اور وہ ہمیشہ کیلئے مردود بن کر اس دنیا سے چلا گیا۔

یہ حادثہ مارچ ۵۷۱ء کے آغاز میں پیش آیا۔ اور اس واقعۂ اصحاب فیل کے تقریباً پچاس دنوں کے بعد سرور کائنات ﷺ کا تولد ہوا۔

سرور کائنات ﷺ کی پیدائش کے قبل پیش آنے والا یہ حادثہ اور غیبی طور پر اہل مکہ کی مدد اور بیت اللہ کی حفاظت، یہ سب اس صالح انقلاب کے مقدمات تھے جو سرور کائنات ﷺ کی بعثت سے وابستہ تھے۔ گویا ہاتف غیبی نے اعلان کر دیا۔

خبردار! بیت اللہ کو منہدم کرنے کی کوئی کوشش نہ کرے، کیونکہ اس کو آباد کرنے والے کی پیدائش کا زمانہ قریب آچکا ہے۔ اور شکست خوردنی کا یہ معاملہ صرف ابرہہ اور اس کے لشکر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اب ہر اس شخص کو شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا جو محمد رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کریگا۔

# رسول کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو متعدد حواس عطا فرمائے ہیں، ان میں کچھ ظاہری حواس ہیں اور کچھ باطنی حواس ہیں، انسان کے جملہ حواس خواہ ان کا تعلق ظاہر سے ہو یا باطن سے، سب کے سب محدود ہیں۔ اور ان حواس کے ذریعہ انسان جن محسوسات کا ادراک کرتا ہے وہ بھی سب محدود ہیں۔ یعنی احساس کا آلہ بھی محدود اور انسانی احساسات کے دائرے میں آنے والی محسوسات بھی محدود۔

مثلاً انسان اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے، مگر اس کے دیکھنے کی یہ قوت ایک محدود دائرے ہی میں کام کرتی ہے، انسان نے جدید ایجادات کے ذریعہ اس دائرے کو وسیع تو کرلیا ہے، مگر اسے لامحدود نہیں بنا سکا، چنانچہ نہایت باریک اجزا اور بعید ترین اشیاء، پہلے انسان کے مشاہدہ سے خارج تھیں، مگر خوردبین، دوربین کی ایجاد نے نہایت باریک اجزاء اور بعید ترین اشیاء کا مشاہدہ انسان کے لئے آسان بنا دیا، پھر جدید سائنس نے انسان کو ٹیلی ویژن، ایکسرا، الٹراساؤنڈ اور سٹیلائٹ جیسے حساس آلے دیئے، جن کے ذریعہ انسان کی نظر میں دور دراز مقامات اور پوشیدہ احوال ایک بدیہی حقیقت بن کر نمودار ہونے لگے، اب انسان اپنے گھر بیٹھے بڑی آسانی سے ان مقامات کو دیکھ لیتا ہے جن کا چند سال قبل تصور تک مشکل تھا۔

ان جدید آلات وذرائع کی افادیت مسلم، یہ امر قابل ستائش ہے کہ انسان نے اپنے دائرۂ نظر کو کافی وسیع کرلیا ہے، مگر نظر کی یہ سعت دیدار الٰہی سے اس دنیا میں خود کو فیضیاب نہیں کرسکتی۔ قرآن مقدس نے ذات الٰہی کے ادراک کے تعلق سے یہ حقیقت نہایت واضح انداز میں منکشف کی ہے لاتدرکہ الابصار وھویدرک الابصار وھو الطیف الخبیر یعنی اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہوسکتی اور وہ اللہ سب نگاہوں کو محیط ہوجاتا ہے اور وہی بڑا باریک بیں بڑا باخبر ہے۔

اسی طرح انسان اپنے کان سے سنتا ہے، الفاظ ہوا کے دوش پر سوار ہوکر کان کے پردوں

سے ٹکراتے ہیں اور انسان ان کو سن لیتا ہے، مگر انسان کے سننے کی یہ طاقت بھی محدود دائرے میں ہی رہتے ہوئے اپنا عمل انجام دیتی ہے۔

انسان نے اپنی قوت سماعت کے دائرے کو بھی کافی وسیع کرنے کی کوشش کی اور الحمد اللہ اسے اس میں کافی حد تک کامیابی بھی ملی۔ نہایت طاقتور ٹرانسمیٹروں کو نصب کر کے جدید آلات کی مدد سے ایک خطے سے دوسرے خطے میں، ایک ملک سے دوسرے ملک میں، اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں آوازوں کو پہونچا دیا، ہندستان کے کسی گاؤں، دیہات میں بھی اب بی بی سی لندن، وائس آف امریکہ کی نشریات نہایت صاف الفاظ میں سنی جاسکتی ہیں۔ اور اب تو موبائل ٹیلیفون کی ایجاد نے پوری دنیا کو حیرت انگیز طریقے پر ایک دوسرے سے قریب تر کر دیا ہے۔ تیز رفتار گاڑیوں میں سفر کرتے ہوئے بھی آدمی دنیا کے دور دراز علاقوں سے اتصال قائم کر لیتا ہے۔

قوت سماعت کے دائرے کی یہ توسیع لائق صد تحسین ہے، مگر انسان اپنی ان ایجادات کے آخری سرے پر بھی پہونچ کر اللہ کے تکلم کو اپنی سماعت کے دائرے میں نہیں لاسکتا۔

اسی طرح قوت شامہ یعنی سونگھنے کی قوت، قوت ذائقہ یعنی چکھنے کی قوت، اور قوت لامسہ یعنی چھونے کی قوت کا حال ہے۔

ان میں سے ہر قوت اپنے اپنے محدود دائرہ میں ہی رہتے ہوئے کام کرسکتی ہے اور جدید آلات کے ذریعہ ان قوتوں کو جو بھی وسعت حاصل ہوئی ہے یہ بہر حال محدود ہے۔

انسانی اختیار سے یہ چیز بالاتر ہے کہ وہ ان قوتوں کو لامحدود بنادے۔ توسیع ایک الگ چیز ہے اور لامحدودیت ایک الگ چیز ہے۔ توسیع کو لامحدودیت کے معنی میں کسی بھی طرح استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ تمام ذرائع معلومات محدود ہیں اور وہ انہی محدود دائروں میں رہ کر اپنی تمام قوتوں کو عمل میں لاتا ہے۔ اس کے دیکھنے کی قوت محدود، اس کے سننے کی قوت محدود، اس

کے سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی قوت محدود، اللہ وحدہ لاشریک لہ اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے لامحدود ہے۔اس کی ذات بھی لامحدود اور اس کی صفات بھی لامحدود۔

## جذبات سے ربانی علوم حاصل نہیں ہو سکتے

تو سوال یہ ہے کہ محدود حلقوں میں گھرا ہوا انسان اپنی محدود قوتوں کے سہارے ہی لامحدود ذات کی مرضیات اور نامرضیات جاننے کی کوشش کرے گا تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ یہ انسان بے شمار کام رضائے الٰہی کو حاصل کرنے کے لئے کرے گا، مگر حقیقت یہ ہوگی کہ اللہ انہیں کاموں سے ناراض ہوگا۔اور بہت سے کاموں کو انسان محض اس وجہ سے ترک کردے گا کہ اللہ ان سے ناراض ہوگا، حالانکہ وہی کام اللہ کو پسند ہوں گے۔اس صورت حال کی چند قرآنی مثالیں ملاحظہ فرمالیجئے۔

زمانہ جاہلیت میں جب جاہلانہ رسم کے مطابق لوگ حج بیت اللہ کے قصد سے اپنے گھروں سے نکلتے تو کسی اشد ضرورت کے باوجود لوٹ کر وہ اپنے گھروں میں صدر دروازے سے داخل ہونا گناہ سمجھتے تھے، ان کا تصور یہ تھا کہ جس دروازے سے حج بیت اللہ کے لئے ہم نکل چکے ہیں اب اسی دروازے سے اگر ہم اپنے گھر میں داخل ہوں گے تو ہمارا اللہ ہم سے ناراض ہوجائے گا۔اس لئے کسی اشد ضرورت کی بنا پر اگر ان کو اپنے گھر واپس آنا ہوتا تو دیواروں کو پھاند کر اپنے گھر میں داخل ہوتے، صدر دروازے سے داخل ہونا ان کے نزدیک ایک عظیم جرم کے ارتکاب کے مترادف تھا۔

زمانہ جاہلیت کے اس عمل کو قرآن نے ممنوع قرار دیا اور انھیں یہ بتایا کہ یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں میں پچھواڑے سے داخل ہو۔اصل نیکی تو یہ ہے کہ تم اپنے اندر تقویٰ پیدا کرو اور دروازوں سے گھروں میں داخل ہوا کرو۔

ولیس البربان تاتوا البیوت من ظھورھا ولکن البرمن اتقیٰ واتوا البیوت من ابوابھا

(پ۲ البقرہ ۱۸۹)

قرآن نے اپنے اس حکم سے یہ ثابت کردیا کہ جولوگ محض اپنے قیاسات سے کسی عمل کو باعث گناہ اور کسی عمل کو باعث ثواب سمجھتے ہیں وہ خسارہ میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ ثواب وگناہ کی تعیین اپنے جذبات سے نہیں بلکہ تعلیمات الٰہی کی بنیاد پر ہوا کرتی ہے۔

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں لوگ قربانی کرتے تو اس قربانی کے جانور کی کھال، اس کا گوشت اور اس کی چربی خانہ کعبہ کے دروازے کے سامنے ڈال دیتے اور اس کا خون خانہ کعبہ کی دیواروں پر پوت دیتے، اور وہ اپنے اس عمل کی توجیہ یہ کرتے کہ جب ہم نے اس جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کیا ہے تو پھر اس کا گوشت، اس کی کھال اور اس کا خون اور اس کی چربی سب خانہ خدا کے دروازے ہی پر ڈال دینا چاہیے۔ تاکہ اللہ اس عمل سے راضی ہوجائے۔

قرآن کریم نے جاہلیت کی اس رسم کو توڑا اور انہیں یہ بتایا کہ تمہارے جانوروں کا گوشت، پوست یا ان کا خون اللہ کے پاس نہیں پہونچتا۔ بلکہ اللہ تو تمہارے جذبات کو دیکھتا ہے کہ تم نے اپنے اس جانور پر کن جذبات سے چھری چلائی ہے۔

**لن ینال اللہ لحومھا ولا دمائھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم** (پ۱۷ سورہ الحج ۳۷)

اس آیت سے بھی یہی ثابت ہوا کہ ثواب وعذاب کا مسئلہ قیاسی نہیں ہے اور جولوگ اس سلسلے میں قیاس کو دخل دیں گے وہ گمراہی کے اس کنارے پہونچ جائیں گے جہاں سے ہدایت کے روشن چراغ نظر نہیں آسکتے۔

## جہاں تمام انسانی علوم کا خاتمہ ہوجاتا ہے وہاں سے رسول کے علم کی ابتدا ہوتی ہے

یہی وہ مقام ہے جہاں انسان بے بس نظر آتا ہے اور اس کی جدید سے جدید تر ایجادات بھی اس کے اس سوال کا جواب فراہم نہیں کرسکتیں کہ اللہ کس کام سے راضی ہوتا ہے اور کس کام سے ناراض ہوتا ہے؟

یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کو نبی اور رسول کے توسط کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ اللہ نے اپنی مرضیات اور نامرضیات کو سمجھنے کا انسان کو بلا واسطہ مکلّف نہیں بنایا ہے، بلکہ اپنے انبیاء ورسل کو درمیان کا واسطہ بنا کر اپنا پیغام انسانوں تک پہونچایا ہے۔ اور اپنے انہی منتخب بندوں کے ذریعہ اپنی مرضیات اور نامرضیات کا تعارف کرایا ہے۔ نبی، رسول کے توسط سے ہی اس نے اپنے بندوں کو ثواب وعذاب کا معیار اور نیکی، بدی کا پیمانہ بھی انہیں کے ذریعہ متعین کرایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں تمام انسانی علوم کا خاتمہ ہو جاتا ہے وہاں سے ایک نبی کے علم کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس لئے انسان کو نبی ورسول کا توسط اختیار کئے بغیر کوئی چارہ نہیں، اور اس توسط کا وہ سلسلہ جس کا آغاز ابوالبشر سیدنا آدمؑ سے ہوا تھا ہادیٔ عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، اور اب قیامت تک کے انسانوں کو نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کا توسط اختیار کئے بغیر حقیقت کا پالینا نہ صرف یہ کہ مشکل ہے بلکہ ناممکن بھی ہے۔

کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنے عقائد واعمال کو رسول برحق کی شریعت مطہرہ کی روشنی میں درست کرتے ہیں۔ اور کتنے تیرہ بخت ہیں وہ لوگ جو خواہشات نفسانی کے شکنجے میں گھرے ہیں اور من مانے انداز میں زندگی گذار رہے ہیں۔ آج مادیت کے اس دور میں اقوام مغرب نے مادی اور سیاسی بالاتری حاصل کر کے اہل دنیا کو یہ پیغام دیا ہے کہ ہم ترقی یافتہ ہیں، اور اگر تم بھی ترقی پانے کے خواہشمند ہو تو ہماری راہ پر چلو، ہمارے طور پر طریقے اپناؤ، ہماری تہذیب کو اپنی تہذیب، اور ہمارے تمدن کو اپنا تمدن بناؤ، وضع قطع چہرہ مہرہ، رہن سہن غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری نقل کرو، عریانیت، فحاشی اور جنسی آوارگی اختیار کرو، اہل مغرب کی اس صدا نے دنیا والوں کو اسقدر متاثر کیا کہ انھوں نے فی الحقیقت اہل مغرب کو ترقی یافتہ تصور کر لیا، اور زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی تقلید شروع کر دی، اور آج مجموعی طور پر پورے عالم میں ان کی تہذیب اس طرح سرایت کر گئی ہے۔ جسے بدن کی رگوں میں خون۔

# دَورِ رسولؐ سب سے زیادہ ترقی یافتہ دَور تھا

دنیا کے عام لوگ مغرب کی اس صدا سے متأثر ہوتے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ تعجب اور ہزار تعجب تو اس قوم پر ہے جس کے پاس خدا تعالیٰ کا لافانی پیغام اپنی تمام تر صداقتوں کے ساتھ موجود ہے اور جس کے پاس ہادیٔ عالم حضرت محمد ﷺ کا مبارک اسوۂ حسنہ موجود ہے۔

تعجب ہے اس قوم پر جو خود کو مسلمان کہنے کے باوجود آج کے دور کو ترقی یافتہ دور کہے۔ کیا اس کے سامنے سچے رسول ﷺ کا یہ فرمان نہیں۔

**خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونم**

تمام زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان کا جو ان سے قریب ہوں، پھر وہ جو ان سے قریب ہوں۔

جو شخص واقعی صاحب ایمان ہے تو اسے دل کی گہرائیوں کے ساتھ یہ حقیقت ضرور تسلیم کرنی ہوگی کہ ترقی یافتہ دور آج کا دور نہیں ہے بلکہ اصل ترقی یافتہ دور تو دورِ رسولؐ تھا۔ دَورِ رسولؐ سے زیادہ ترقی یافتہ دور نہ تو پہلے کبھی آیا ہے اور نہ ہی بعد میں کبھی آئے گا۔

دَورِ رسولؐ کے ترقی یافتہ ہونے کا یقین جب دلوں میں جاگزیں ہو جائے گا تو پھر آج کی مغربی اقوام کی پیروی کا جذبہ ابھرنے کے بجائے تعلیمات رسول ﷺ کی پیروی کا جذبہ دلوں میں موجزن ہوگا، اور **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** .

(یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ کی ذات گرامی میں بہترین نمونہ عمل موجود ہے)۔ کی حقیقت نکھر کر سامنے آجائے گی۔ اور جب انسان دَورِ رسولؐ کو ترقی یافتہ دور سمجھے گا تو پھر رسول اکرمؐ کی ہی تعلیمات کو جملہ ترقیات کا زینہ تصور کرے گا اور زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے رسولؐ کی پیروی کرنے کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ آج کا دور نہایت تنزل پذیر دور ہے، ہر طرف اخلاق و کردار کی تباہی و بربادی ہے، انسانی اقدار کی پامالی عام ہو چکی ہے، ظلم و تشدد جبر و استبداد نہ رکنے والے سیلاب کی

طرح امنڈا منڈ کر انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے، انسانی لاشوں پر اقتدار کی کرسیاں بچھا کر سیاست کا نہایت گندا کھیل کھلا جارہا ہے۔ اپنے تعیش کے لئے کمزور انسانوں کا خون پیا جارہا ہے، انصاف کے نام پر ظلم کی حکمرانی ہے، مساوات کے عنوان سے حوا کی بیٹیوں کا دامن عصمت تارتار کردیا گیا۔ اپنی مصنوعات کی تشہیر کے لئے عریانیت نسواں کو وسیلہ بنایا گیا، اور جدید آلات کی مدد سے عورت کے رحم میں پرورش پارہی لڑکی کا اسقاط ایک فیشن بن چکا ہے۔

ان نامساعد حالات میں آج پھر اس دور کی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے جو عالمی تاریخ کا سب سے ترقی یافتہ اور روشن وتابناک دور تھا، یعنی ہادیٔ عالم حضرت محمد ﷺ کا مبارک دور۔

اس خیر القرون کی تعلیمات اور اخلاق وکردار کو جب تک آج کے دور میں اپنایا نہیں جائے گا خدا کی قسم اس وقت تک یہ دور کبھی بھی قعر مذلت سے نہیں نکل سکتا۔ آج کے دور کو مغربی اقوام کی قیادت ترقی یافتہ نہیں بنا سکتی۔ سچی بات تو یہی ہے کہ صرف تعلیمات محمدی کے ذریعہ ہی یہ دور ترقی یافتہ بن سکتا ہے۔

مغربی اقوام کی قیادت نے سیاسی، سماجی، اخلاقی، اور معاشرتی حالات اس قدر دگرگوں کردیئے ہیں کہ انسان زندگی کے ہر موڑ پر ایک سکتہ کے عالم میں مبتلا ہے، اسے نہ تو اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہے اور نہ ہی اسے منزل کا پتہ ہے، انجان راستہ پر نامعلوم منزل کی جانب اس کے بہکے بہکے قدم اٹھ رہے ہیں۔ جب کہ تعلیمات رسولؐ نے انسان کا مقصد زندگی بھی بتایا، اور منزل مقصود کی بھی نشاندہی کی، اور وہاں تک رسائی کے لئے آسان سے آسان راستہ بھی متعین کیا۔ تعلیمات رسولؐ کی قبات سے انسانیت کو چین کا سانس نصیب ہوگا، اور انسانیت کے جوہر سے واقفیت حاصل ہوگی۔ آج کی اصلاح صرف اور صرف تعلیمات رسولؐ سے ہی ممکن ہے، اس کے بغیر خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔

# نسب نامہ

## حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت محمد ﷺ تک

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ مبارک نسل جس میں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کا تولد ہوا اس طرح ہے۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ میں آباد کیا۔

(۲) اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام۔

(۳) قیدار ہے

(۴) قیدار کے بیٹے کا نام.....عرام ہے

(۵) عرام کے بیٹے کا نام .....عوض ہے

(۶) عوض کے بیٹے کا نام.....مزی ہے

(۷) مزی کے بیٹے کا نام .....سمی ہے

(۸) سمی کے بیٹے کا نام.....زارح ہے

(۹) زارح کے بیٹے کا نام.....ناحث ہے

(۱۰) ناحث کے بیٹے کا نام.....مقصر ہے

(۱۱) مقصر کے بیٹے کا نام .....ایہام ہے

(۱۲) ایہام کے بیٹے کا نام.....اقناد ہے

(۱۳) اقناد کے بیٹے کا نام.....عیصر ہے

(۱۴) عیصر کے بیٹے کا نام.....دیشان ہے

(۱۵) دیشان کے بیٹے کا نام.....عیضی ہے

(۱۶) عیضی کے بیٹے کا نام.....ارعوے ہے

(۱۷) ارعوے کے بیٹے کا نام.....یلحن ہے

(۱۸) یلحن کے بیٹے کا نام.....یحزن ہے

(۱۹) یحزن کے بیٹے کا نام.....یثربی ہے

(۲۰) یثربی کے بیٹے کا نام.....سنبر ہے

(۲۱) سنبر کے بیٹے کا نام.....حمدان ہے

(۲۲) حمدان کے بیٹے کا نام.....الدعا ہے

(۲۳) الدعا کے بیٹے کا نام.....عبید ہے

(۲۴) عبید کے بیٹے کا نام.....عبقر ہے

(۲۵) عبقر کے بیٹے کا نام.....عیفی ہے

(۲۶) عیفی کے بیٹے کا نام.....ماخی ہے

(۲۷) ماخی کے بیٹے کا نام.....ناحش ہے

(۲۸) ناحش کے بیٹے کا نام.....جاحم ہے

(۲۹) جاحم کے بیٹے کا نام.....طانخ ہے

(۳۰) طانخ کے بیٹے کا نام.....یدلاف ہے

(۳۱) یدلاف کے بیٹے کا نام.....بلداس ہے

(۳۲) بلداس کے بیٹے کا نام.....حزا ہے

(۳۳) حزا کے بیٹے کا نام.....ماشد ہے

(۳۴) ماشد کے بیٹے کا نام.....عوام ہے

(۳۵) عوام کے بیٹے کا نام.....ابی ہے

(۳۶) ابی کے بیٹے کا نام.....قموال ہے

(۳۷) قموال کے بیٹے کا نام.....بوز ہے

(۳۸) بوز کے بیٹے کا نام.....عوص ہے

(۳۹) عوص کے بیٹے کا نام.....سلامان ہے

(۴۰) سلامان کے بیٹے کا نام.....ہمیسع ہے

(۴۱) ہمیسع کے بیٹے کا نام.....ادو ہے

(۴۲) ادو کے بیٹے کا نام.....عدنان ہے

نوٹ: حضور اکرم ﷺ جب اپنا نسب بیان فرماتے تو عدنان پر توقف فرمالیتے۔

(۴۳) عدنان کے بیٹے کا نام.....معد ہے

(۴۴) معد کے بیٹے کا نام.....نزار ہے

(۴۵) نزار کے بیٹے کا نام.....مضر ہے

(۴۶) مضر کے بیٹے کا نام.....الیاس ہے

(۴۷) الیاس کے بیٹے کا نام.....مدرکہ ہے

(۴۸) مدرکہ کے بیٹے کا نام.....خزیمہ ہے

(۴۹) خزیمہ کے بیٹے کا نام.....کنانہ ہے

(۵۰) کنانہ کے بیٹے کا نام.....نضر ہے

(۵۱) نضر کے بیٹے کا نام.....مالک ہے

(۵۲) مالک کے بیٹے کا نام.....فہر ہے

(۵۳) فہر کے بیٹے کا نام.....غالب ہے

(۵۴) غالب کے بیٹے کا نام.....لوی ہے

(۵۵) لوی کے بیٹے کا نام.....کعب ہے

(۵۶) کعب کے بیٹے کا نام.....مرہ ہے

(۵۷) مرہ کے بیٹے کا نام.....کلاب ہے

(۵۸) کلاب کے بیٹے کا نام.....قصی ہے

(۵۹) قصی کے بیٹے کا نام.....عبد مناف ہے

(۶۰) عبد مناف کے بیٹے کا نام.....ہاشم ہے

(۶۱) ہاشم کے بیٹے کا نام.....عبد المطلب ہے

(۶۲) عبد المطلب کے بیٹے کا نام.....عبد اللہ ہے

(۶۳) اور عبد اللہ کے لختِ جگر اور نورِ نظر کا نام نامی اسم گرامی **محمد** ہے ﷺ۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا پھر کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو منتخب کیا پھر قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب کیا پھر بنو ہاشم میں سے میرا انتخاب کیا۔ (مسلم جلد دوم ص ۲۴۵، ترمذی جلد دوم ص ۲۰۱)

# ظہور قدسی

صبح کا سہانا وقت تھا۔ نہ رات ہی تھی اور نہ ہی سورج کی ٹکیہ نمودار ہوئی تھی، دوشنبہ (پیر) کا دن تھا ۹ ربیع الاول ۱ عام الفیل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ ۶۲۸ بکرمی کو آمنہ کی گود آباد ہوگئی۔ مرحوم عبداللہ کا بیٹا دنیا میں آ گیا۔ عبدالمطلب کے پوتے اور ابوطالب کے بھتیجے کا ظہور قدسی ہوا۔ یعنی سرور کائنات فخر موجودات وجہ تخلیق کائنات احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۂ محترمہ حضرت آمنہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب میرے لاڈلے محمد ﷺ کی پیدائش ہوئی تو میرے جسم سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات روشن ہوگئے۔ (ابن سعد جلد اول ص ۶۳)

حضرت آمنہ یہ، بیان فرماتی ہیں کہ جب میرے بطن سے محمد ﷺ کا تولد ہوا تو آپ کے ساتھ ایک روشنی نکلی جس سے مشرق ومغرب کے درمیان کا تمام حصہ روشن ہوگیا۔ (ابن سعد)

عبدالرحمٰن بن عوف اپنی والدہ شفا سے نقل کرتے ہیں وہ کہتی ہیں کہ جب آمنہ کے بطن سے حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے اور آپؐ کو میں نے اپنے ہاتھوں پر لیا تو اور بچوں کی طرح آپؐ کی بھی آواز نکلی تو میں نے کسی کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ رحمک اللہ۔ (اللہ آپ پر رحم فرمائے) شفا کہتی ہیں کہ آپ کی پیدائش کے ساتھ ہی تمام مشرق ومغرب کے درمیان روشنی پھیل گئی، یہاں تک کہ میں نے روم کے محلوں کو دیکھ لیا۔

عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی والدہ فاطمہ نے بتایا کہ حضرت محمد ﷺ کی ولادت کے وقت میں نے خانہ کعبہ کو دیکھا کہ وہ نور سے معمور ہوگیا اور ستاروں کو اس طرح دیکھا کہ وہ زمین سے اسقدر نزدیک آ گئے ہیں کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ یہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ (نشر الطیب)

حضرت حسان بن ثابت فرماتے ہیں کہ میں سات آٹھ سال کا تھا اور دیکھی سنی بات کو سمجھ لیتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک روز صبح کے وقت ایک یہودی نے اہل یہود کو آواز دینی شروع کی۔ تو بہت سے یہودی اس کے آس پاس جمع ہو گئے اور سب نے پوچھا کہ تو نے کیوں بلایا؟۔

اس یہودی نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ کا ستارہ آج طلوع ہو چکا ہے جس کی ساعت میں آپؐ پیدا ہونے والے تھے۔ (نشر الطیب)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی اس رات مکہ مکرمہ آیا جس میں حضرت محمد ﷺ کی پیدائش ہوئی، جب صبح ہوئی تو اس یہودی نے پوچھا۔ اے قریش کے لوگو! کیا آج رات تمہارے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں تو معلوم نہیں۔ اس نے کہا کہ تحقیق کر لو۔ کیونکہ آج رات اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک نشانی ہے۔ جس کا لقب مہر نبوت ہے۔ چنانچہ قریش نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ محمد بن عبداللہ کا تولد ہوا ہے۔ (نشر الطیب)

سرور کائنات دنیا میں تشریف لائے تو کسریٰ کے محل کے چودہ کنگورے زمیں بوس ہو گئے۔ ہزار سال سے روشن مجوس کا آتشکدہ ٹھنڈا ہو گیا، بحیرۂ ساوہ خشک ہو گیا اور اس کے گرجے منہدم ہو گئے۔

## عبدالمطلب مسرت سے جھوم اٹھے

حضرت آمنہ نے عبدالمطلب کے پاس پوتے کی ولادت کی خوشخبری بھجوائی۔ عبدالمطلب فرحت و شادمانی سے سرشار گھر تشریف لائے۔ اور اپنے پوتے کو بیت اللہ شریف میں لے گئے، رب کائنات کا شکر ادا کیا اور اپنے پوتے کے عروج کمال کیلئے خوب خوب دعائیں مانگیں۔ اور آپ کا نام محمد تجویز کیا ﷺ۔ اور والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے اپنے لخت جگر اور نور نظر کا نام احمد رکھا ﷺ۔

مکہ معظّمہ میں جبلِ ابوقبیس کے دامن میں وہ مکان جس میں سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، وجہِ تخلیقِ کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پیدا ہوئے۔ آج کل اس مکان میں لائبریری قائم ہے۔

عرفات کے میدان میں مسجدِ نمرہ

صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے زائرین۔ یہ حصہ اب ایئر کنڈیشن ہے نہایت خوشنما ہے

عرب میں اس طرح کے ناموں کا رواج نہیں تھا۔ مگر آسمانی کتب کے حوالوں سے اور نجومیوں، کاہنوں کی پیشگوئیوں کی وجہ سے چھ لوگوں نے اپنے لڑکوں کے نام محمد رکھے تھے۔ ان کا تصور یہ رہا ہوگا کہ جس محمد کے یہ فضائل ومناقب ہیں ہم بھی اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھدیں تا کہ یہ فضائل ان کو حاصل ہو جائیں۔ وہ چھ لوگ یہ ہیں۔ ① اجیحہ بن الجلاح، ② سلمہ انصاری، ③ البراء کندی، ④ سفیان بن مجاشع، ⑤ حمران الجعفی، ⑥ خزاعی الاسلمی۔

ان حضرات نے اپنے اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی نہ تو نبوت ورسالت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی کسی کو کوئی تاریخی عروج وکمال حاصل ہوا۔

لیکن نام احمد پھر بھی نرالا ہی رہا۔ یعنی احمد نام کسی کا نہیں رکھا گیا۔

حضرت محمد ﷺ کو آپ کی والدۂ محترمہ نے صرف نو دن دودھ پلایا۔ پھر ابولہب کی آزاد کردہ باندی ثویبہ نے آپ ﷺ کو سات مہینے تک دودھ پلایا۔

واضح رہے کہ ثویبہ ابولہب کی باندی تھی اور ابولہب عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ یعنی حضورؐ کا چچا۔ جب باندی ثویبہ نے ابوالہب کو اس کے بھتیجے محمد کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تو ابولہب نے فرط محبت میں اس خوشخبری سنانے والی باندی کو آزاد کر دیا تھا۔

عرب کا دستور تھا کہ وہاں شہری بچوں کو دودھ پلانے کیلئے گاؤں دیہاتوں کی دودھ پلانے والی عورتیں لے جایا کرتی تھیں۔ اور بچوں کے گھر والے دودھ پلانے کے عوض ان کو انعامات سے نواز دیا کرتے تھے۔ یہ دودھ پلانے والی عورتیں مکہ شہر میں کچھ زیادہ ہی آتی تھیں، کیونکہ دیگر شہروں کے بالمقابل مکہ سے ان کو زیادہ نونہال بچے ملتے تھے۔ اور اس کی وجہ تھی کہ مکہ شہر میں بیت اللہ شریف ہونے کی وجہ سے مختلف علاقے کے لوگوں کے آنے جانے کا تانتا بندھا رہتا تھا، جن میں غیر فصیح اللسان لوگ بھی ہوتے تھے۔ نیز مکہ مکرمہ میں عجمی غلام بھی بکثرت رہا کرتے تھے۔ ایک ایک گھرانے میں کئی کئی غلام کام کرتے تھے، تو ایسے ماحول میں اگر بچوں کی پرورش

ہوتی تو یقیناً ان کی زبان بھی غیر فصیح ہو جاتی۔ اس وجہ سے ماں باپ اپنے بچوں کو شہر سے دور گاؤں دیہاتوں میں دودھ پلانے کو زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ نیز اس سے بچوں کی نشو ونما بھی اچھی ہو جاتی تھی۔

زبان کے تحفظ کے سلسلے میں قریش کچھ زیادہ ہی محتاط تھے، کیونکہ ان کے یہاں زبان کی فصاحت بلند عہدوں پر فائز ہونے میں کچھ زیادہ ہی اہمیت رکھتی تھی۔

اسی دستور کے مطابق مکہ مکرمہ میں گاؤں دیہاتوں کی دودھ پلانے والی عورتیں بچوں کی تلاش میں آئی ہوئی تھیں۔ بہت سی عورتوں نے محمد کو دودھ پلانے کیلئے محض اس وجہ سے قبول نہیں کیا کہ وہ تو یتیم ہیں اس لئے ان کے یہاں سے زیادہ دادو دہش کی امید نہیں۔

## حلیمہ کی قسمت جاگی

انہی دودھ پلانے والی عوتوں میں قبیلہ سعد بن بکر کی ایک خاتون ابوذویب کی بیٹی حلیمہ تھیں۔ ان کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزی تھا۔

تو لیجئے ابن ہشام کے بیان کے مطابق حلیمہ سعدیہ کی زبانی حضرت محمد ﷺ کو دودھ پلانے کا واقعہ پڑھ لیجئے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حلیمہ سعدیہ بیان کرتی تھیں کہ وہ بنوسعد کی کچھ عورتوں کے قافلے کے ساتھ اپنے دودھ پیتے بچے کو لیکر چلیں، ان کے ساتھ ان کے شوہر حارث بھی تھے۔ عورتوں کا یہ قافلہ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں نکلا تھا۔ یہ قحط سالی کا دور تھا اور قحط کی شدت نے سب کچھ برباد کر دیا تھا۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں اپنی ایک سفید گدھی پر سوار تھی اور میرے ساتھ ایک اونٹنی بھی تھی لیکن رب کعبہ کی قسم اس سے دودھ نام کی کوئی بھی چیز حاصل نہیں ہوتی تھی۔ میرا بچہ بھوک کی وجہ سے اسقدر چیختا چلاتا تھا کہ ہم پوری پوری رات جاگ کر گذار دیتے۔ نہ میری چھاتی میں

دودھ تھا کہ میں اپنے بچے کو پلا دیتی اور نہ ہی میری اونٹنی دودھ دیتی تھی۔ بس ہم بارش اور خوشحالی کی امید لگائے بیٹھے تھے۔

میں اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلی تو وہ کمزوری اور لاغری کی وجہ سے اسقدر آہستہ آہستہ چل رہی تھی کہ پورا قافلہ تنگ آ گیا۔ بہر حال ہم دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ مکرمہ پہونچ گئے۔ بچوں کی تلاش شروع کر دی، ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں تھی جس نے حضرت محمد ﷺ کو لینے کیلئے انہیں نہ دیکھا ہو۔ مگر جب انہیں یہ معلوم ہوتا کہ یہ بچہ تو یتیم ہے تو وہ آپ کو لینے کیلئے تیار نہ ہوتیں۔ اور یہ کہتیں کہ ہم تو بچے کے باپ سے عطایا کی امید رکھتے ہیں اور یہ یتیم بچہ ہے تو اس کی ماں اور اس کے دادا ہمیں کیا دے سکتے ہیں۔؟

حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ میرے ساتھ جتنی بھی عورتیں آئیں تھیں سب کو کہیں نہ کہیں سے بچہ مل گیا مگر مجھے کوئی بچہ نہ مل سکا۔ جب واپسی کا موقع آیا تو میں نے اپنے شوہر سے کہا، رب کعبہ کی قسم! مجھے یہ ہرگز گوارہ نہیں کہ میری تمام سہیلیاں تو بچے لے لے کر جائیں اور تنہا میں خالی ہاتھ جاؤں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اسی یتیم بچے کو لے لوں۔ حلیمہ کے شوہر نے کہا۔ کوئی حرج نہیں۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں ہمیں برکت عطا کر دے۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ پھر میں نے اسی یتیم بچے کو لے لیا، کیونکہ مجھے کوئی اور بچہ نہیں مل رہا تھا۔ جب میں اس بچے کو لے کر اپنے ڈیرے پر آئی اور محمد کو اپنی گود میں لیا تو میرے دونوں پستان دودھ سے لبریز ہو گئے اور لاڈلے محمد نے جس قدر چاہا شکم سیر ہو کر دودھ پیا۔ ان کے بعد ان کے رضاعی بھائی نے بھی خوب پیٹ بھر کر دودھ پیا اور دونوں سو گئے، حالانکہ اس سے پہلے میں اور میرے شوہر اپنے بچے کی بے تابی کی وجہ سے سو نہیں پاتے تھے۔ ادھر میرے شوہر نے اونٹنی کو دیکھا تو اس کے تھن بھی دودھ سے لبریز تھے۔ انھوں نے اسے دوہا تو اتنا دودھ نکلا کہ ہم دونوں اسے پی کر آسودہ ہو گئے اور بہت سکون سے رات گذری۔

جب صبح ہوئی تو میرے شوہر نے مجھ سے کہا۔ حلیمہ! اللہ کی قسم تمہیں تو ایک بابرکت روح مل گئی ہے۔ میں نے کہا مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ پھر ہمارا قافلہ گاؤں کیلئے روانہ ہوا اور میں اپنی اسی کمزور اور مریل گدھی پر سوار ہوئی اور محمد کو اپنی گود میں لیا۔ لیکن واپسی میں یہی گدھی نہایت تیزی کے ساتھ چل رہی تھی یہاں تک کہ پورے قافلے کو پار کر کے آگے نکل گئی۔ میری سہیلیاں مجھ سے کہنے لگیں ارے ابوذویب کی بیٹی! ذرا رحم کر یہ کیا ماجرا ہے؟ کیا یہ تیری وہی گدھی ہے جس پر سوار ہو کر آئی تھی! میں کہتی ہاں رب کعبہ کی قسم! یہ وہی گدھی ہے۔ اس پر میری سہیلیاں کہتیں کہ حلیمہ کے ساتھ یقیناً کوئی خاص معاملہ ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ پھر میں اپنے قبیلہ بنوسعد میں اپنے گھر میں پہونچ گئی۔ میرے علم کے مطابق اس وقت اللہ کی تمام زمین میں سب سے زیادہ خشک سالی میرے علاقے میں تھی، لیکن اب جو میری بکریاں چرنے جاتیں تو ان کی کوکھیں تنی ہوئی ہوتیں اور انکے تھن دودھ سے لبریز۔ ہم لوگ اپنی بکریوں کو دوہتے اور خوب دودھ پیتے۔ جبکہ اور لوگوں کو دودھ کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا تھا۔ ان کے جانوروں میں دودھ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ یہاں تک کہ میری بستی کے لوگ اپنے اپنے چرواہوں کو یہ ہدایت کرنے لگے کہ تم بھی اپنی بکریاں اسی علاقے میں چرانے کے لئے لے جایا کرو جہاں ابوذویب کی بیٹی کا چرواہا لے جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی بکریاں بھوکی ہی واپس آتیں، ان کے اندر ایک قطرہ بھی دودھ نہ ہوتا، جبکہ میری بکریاں شکم سیر اور دودھ سے مالا مال لوٹتیں۔

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ اس طرح ہم لگاتار اللہ کی جانب سے فضل وعطاء اور بھلائی کا مشاہدہ کر رہے تھے یہاں تک کہ دو سال پورے ہو گئے اور میں نے محمد ﷺ کا دودھ چھڑا دیا۔ محمد ﷺ دوسرے بچوں کے بالمقابل زیادہ تیز رفتاری سے قد لے رہے تھے، چنانچہ دو سال کے

ہوتے ہوتے آپ کا بدن چھریرا اور گٹھیلا ہو گیا۔

حلیمہ سعدیہ کا بیان ہے کہ جب میں نے محمد ﷺ کا دودھ چھڑایا تو سب سے پہلا کلام جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا۔

**اللہ اکبر کبیرا والحمدللہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا**

ترجمہ (اللہ سب سے بڑا بہت ہی بڑا ہے اور زیادہ سے زیادہ تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں۔اور میں صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں)

حلیمہ سعدیہ اپنے لاڈلے محمد کو گھر سے باہر کہیں دور جانے نہیں دیتی تھیں۔ایک موقع پر آپؐ حلیمہ کی بیٹی شیما کے ساتھ چراگاہ کی طرف نکل گئے۔حلیمہ آپؐ کو نہ دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔وہ فوراً آپؐ کی تلاش میں نکلیں،حلیمہ نے دیکھا کہ آپؐ شیما کے ساتھ موجود ہیں۔حلیمہ نے اپنی بیٹی شیما کو ڈانٹا کہ اس گرمی میں محمد کو لیکر یہاں کیوں آئی۔

شیما نے بتایا کہ اماں! میرے بھائی محمد کو گرمی ہی نہیں لگتی۔کیونکہ بادل کی ایک ٹکڑی ہے جو ان پر سایہ فگن رہتی ہے جب یہ رکتے ہیں وہ بھی ٹھہر جاتی ہے اور جب یہ چلتے ہیں،تو بھی ساتھ ساتھ اوپر اوپر چلتی ہے۔اس طرح اس بادل کے سایہ میں ہی یہاں پہونچے ہیں۔(نشر الطیب)

اس کے بعد میں محمد ﷺ کو لیکر مکہ مکرمہ میں ان کی والدہ کے پاس گئی۔لیکن محمد ﷺ کی وجہ سے جن برکات کا مشاہدہ میں نے کیا تھا ان کے پیش نظر میری دلی تمنا یہی تھی کہ محمد کو پالنے پوسنے کا مزید موقع فراہم ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے آمنہ سے کہا کیوں نہ آپ محمد ﷺ کو میرے پاس اور رہنے دیں تاکہ ان کے قویٰ مضبوط ہو جائیں۔فی الحال مکہ کے وبائی مرض کا بھی خطرہ ہے تو آمنہ نے میرے مسلسل اصرار کی بنا پر محمد ﷺ کو میرے حوالے کر دیا۔(ابن ہشام جلد اول)

خصائص کبریٰ میں حضرت محمد ﷺ کے دودھ پینے کے بارے میں مذکور ہے کہ آپ ہمیشہ

حلیمہ کے ایک ہی پستان سے دودھ پیتے اور وہ داہنا پستان تھا۔ تاکہ دوسرے پستان سے آپؐ کا رضاعی بھائی حلیمہ کا بیٹا دودھ پیتا رہے، اس طرح اس بچے کی حق تلفی نہ ہوگی۔ آپؐ نے کبھی بھی بائیں پستان سے دودھ نہیں پیا۔

حلیمہ سعدیہ کو اس پر حیرت بھی ہوتی تھی، مگر انہیں کیا خبر تھی کہ ان کی گود میں پرورش پا رہا یہی لاڈلا محمد مستقبل قریب میں قناعت کا علم بردار، عدل وانصاف کا پیکر اور مساوات کا سب سے بڑا پیغامبر بن کر کائنات انسانی میں ایک صالح انقلاب رونما کرے گا۔

آپؐ کی یہی وہ خوبیاں ہیں جن سے آپ کے رضاعی چچا ابوثروان بہت متاثر تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ۔

''میں نے حضرت محمد ﷺ کا ہر دور دیکھا ہے۔ اور ہر دور میں میں نے آپؐ کو سب سے بہتر پایا۔ ایام رضاعت میں سب سے بہتر شیر خوار، دودھ چھڑایا گیا تو سب سے بہتر فطیم۔ اور جوان ہوئے تو سب سے بہتر نوجوان ثابت ہوئے۔ گویا آپؐ کے اندر خیر کی عادتیں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھیں'' (خصائص کبریٰ)

مدت رضاعت پوری ہونے کے باوجود حلیمہ سعدیہ کے یہاں ہی حضرت محمد ﷺ پرورش پاتے رہے۔ حلیمہ کے سب بچے اور بچیاں لاڈلے محمد ﷺ سے بیحد پیار کرتے اور خود حلیمہ اور ان کے شوہر حارث بن عبدالعزی دلارے محمد ﷺ کو اپنی آنکھوں کا تارا بنا کر رکھتے۔ یہاں تک آپؐ کی عمر مبارک چار سال کی ہوگئی۔

## شق صدر

ایک روز محمد ﷺ چند بچوں کے ساتھ آبادی سے کچھ دور کھیل رہے تھے کہ اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی بنا پر حلیمہ اور ان کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ بہت گھبرا گئے۔ اور یہ واقعہ شق صدر کا واقعہ ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت محمد ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبریل امین آپؐ کے پاس تشریف لائے اور آپ کو پکڑ کر زمین پر لٹا دیا، پھر آپ کا سینہ چیر کر آپ کا دل نکالا۔ پھر دل کے اندر سے ایک سیاہ دانہ نکال کر کہنے لگے کہ یہ شیطان کے اثر کا حصہ تھا جس کو آپؐ سے دور کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپؐ کے دل کو ایک طشت میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر اسے اس کے مقام پر لگا دیا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ سب بچے گھبرا گئے اور آپ کی رضاعی ماں حلیمہؓ کے پاس دوڑے دوڑے پہونچے اور انہیں بتایا کہ محمد ﷺ کو تو قتل کر دیا گیا یہ سنتے ہی حلیمہ کے گھر کے لوگ بھاگتے ہوئے وہاں پہونچے دیکھا تو آپ کا چہرہ اترا ہوا تھا۔

(مسلم شریف)

حلیمہ نے اپنے لاڈلے کو اپنے سینے سے لگایا، حارث نے شفقت کے ساتھ ہاتھ پھیرا اور پوچھا بیٹے محمد! بتاؤ کیا ہوا۔

آپ نے پورا قصہ ان کو بتایا، حلیمہ اور ان کے شوہر حارث یہ واقعہ سن کر بہت پریشان ہوئے۔ اس واقعہ کی کوئی بھی وجہ ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ آس پڑوس میں جب اس کا چرچہ ہوا تو لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہو نہ ہو یہ کسی جن کا اثر ہے۔ اس لئے تم کسی کاہن کے پاس لے جا کر ان کو دکھاؤ یا کسی یہودی عالم کے پاس لے جاؤ۔ وہاں اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکلے گا۔

عرب کے لوگ جنات کے اثرات پر بہت یقین رکھتے تھے۔ آس پڑوس کے لوگوں کے اس مشورہ سے حلیمہ اور حارث کو بھی شک ہوا۔ کہیں میرے لاڈلے محمد ﷺ پر جنات کا اثر تو نہیں ہو گیا؟۔

چنانچہ حلیمہ محمد ﷺ کو لیکر ایک یہودی عالم کے پاس گئیں تا کہ اس سے آپ کا علاج کروائیں۔ وہ یہودی عالم حضرت محمد ﷺ کو دیکھتے ہی شور مچانے لگا کہ ''یہی وہ بچہ ہے جو عرب میں انقلاب لائے گا۔ تمام مذہبوں کو ختم کر دے گا، غیر اللہ کی پرستش بند کر دیگا، اے لوگو! اگر اپنا

مذہب بچانا چاہتے ہو تو اس بچے کو قتل کر ڈالو' (ابن ہشام، ابن کثیر)

یہ منظر نامہ دیکھ کر حلیمہ اور ان کے شوہر حارث کشمکش میں مبتلا ہو گئے اور ان کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔ یہودی عالم کی اس حرکت سے وہ بہت زیادہ گھبرا گئے۔ وہ فوراً حضرت محمد ﷺ کو لوگوں کی نظروں سے بچا کر گھر لائے اور یہ فیصلہ کیا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے محمد ﷺ کو ان کی ماں اور ان کے دادا کے پاس پہونچا دیا جائے۔

چنانچہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ نور نظر محمد کو لیکر مکہ مکرمہ پہونچیں اور حضرت آمنہ کا لخت جگر ان کے حوالے کر دیا۔

حضرت آمنہ اس اچانک آمد پر متعجب ہوئیں، حالات دریافت کئے تو حلیمہ سعدیہ نے سارا واقعہ سنایا اور جنات کے اثر کا بھی خدشہ ظاہر کیا۔ لیکن حضرت آمنہ اس واقعہ سے بالکل پریشان نہیں ہوئیں آمنہ نے حلیمہ کو بتایا کہ میرا یہ لاڈلا بہت برکتوں والا ہے اس پر جنات کا کوئی اثر ہو ہی نہیں سکتا۔

دادا عبدالمطلب نے حضرت حلیمہ سعدیہ کو داد و دہش سے نوازا اور اعزاز کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔

## وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَہَدٰی

حلیمہ سعدیہ محمد ﷺ کو حضرت آمنہ کے حوالہ کر کے ابھی واپس بھی نہ ہو پائی تھیں کہ ایک اہم واقعہ یہ پیش آ گیا۔

حضرت محمد ﷺ گھر سے باہر نکلے۔ طبقات ابن سعد کے بیان کے مطابق تو یہ ہوا کہ عبدالمطلب کا اونٹ کہیں بھاگ گیا تھا۔ اس کی تلاش میں حضرت محمد ﷺ بھی نکل کھڑے ہوئے۔ مکہ کے راستے آپ کے لئے اجنبی تھے، کیونکہ ابھی تک کی عمر مکہ مکرمہ سے باہر بنو سعد میں گذری تھی، آپؐ گھر سے نکلے مگر واپسی میں کافی تاخیر ہو گئی۔ گھر والے بہت پریشان ہو گئے۔

یہاں وہاں تلاش کیا گیا مگر آپ کہیں نہ ملے۔ بوڑھے دادا بہت غمزدہ ہو گئے۔ کہاں چلا گیا میرا لاڈلا محمد ﷺ۔ بوڑھے عبدالمطلب کو اپنے پوتے کی گمشدگی کی بیقراری و بیتابی حرم میں کھینچ لائی اور وہ بیت اللہ کے دروازے کو پکڑ کر رب کعبہ سے دعاء کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ابن سعد نے عبدالمطلب کی اس منظوم دعاء کے چند اشعار نقل کئے ہیں

لاھم ادراکبی محمداً ادہ الی و اصطنع عندی یدا

اے اللہ میرے سوار محمد کو مجھ تک پہونچا دے۔ اس کو میرے پاس پہونچا دے اور مجھ پر احسان فرما۔

انت الذی، جعلته لی عضداً لا یبعد الدھر فیبعدا

تو ہی ہے جس نے اسے میرا باز و بنایا ہے۔ اسے کبھی بھی حالات زمانہ تباہی میں نہ ڈالیں۔

**انت الذی سمیته محمداً**

تو ہی ہے جس نے اس کا نام محمد رکھا۔

حرم میں کعبۃ اللہ کے پاس عبدالمطلب دعاء سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت محمد ﷺ جلوہ افروز ہو گئے۔ عبدالمطلب نے اپنے پوتے محمد کو دیکھا تو فرط مسرت سے جھوم اٹھے، لاڈلے محمد کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ پیشانی کو چوما اور رب کعبہ کا شکر ادا کیا۔

وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی

اور اللہ نے آپ کو راستہ بھولا ہوا پایا تو اس نے آپ کو راستہ بتا دیا۔

## آمنہ مدینہ میں

اب حضرت محمد ﷺ اپنی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ کی آغوش محبت میں رہنے لگے۔ آمنہ کا یہ لال ان کا آخری سہارا تھا۔ اسی سہارے کو دیکھ دیکھ کر آمنہ اپنے مغموم دل کو تسکین پہونچاتیں تھیں۔

حضرت محمد ﷺ کو حلیمہ سعدیہ کے یہاں سے آئے ہوئے تقریباً تیرہ ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے اور اب آپ کی والدۂ محترمہ حضرت آمنہ نے ارادہ کیا کہ اپنے متوفی شوہر مرحوم عبداللہ کی قبر پر

حاضری دیں۔ واضح رہے حضرت عبداللہ ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ملک شام سے واپس ہوتے ہوئے یثرب (مدینہ منورہ) میں بیمار ہوگئے تھے اور یہیں آپ کا انتقال ہوگیا تھا۔

حضرت آمنہ نے اپنے لخت جگر محمد ﷺ اور اپنی باندی ام ایمن کو ساتھ میں لے کر مکہ مکرمہ سے تقریباً پانچ سو کلومیٹر دوری کا مشقت بھرا سفر طے کرتی ہوئی یثرب (مدینہ منورہ) پہونچیں۔ اور وہاں دارالنابغہ میں تقریباً ایک مہینہ تک قیام فرمایا۔

مدینہ منورہ میں بنی عدی بن نجار کے محلے میں ایک باولی تھی اس میں آمنہ کے لخت جگر چھ سالہ محمد ﷺ نے تیراکی سیکھ لی۔

مدینہ منورہ کے قیام کے دوران اس چھ سالہ بچے محمد ﷺ کا بہت چرچہ ہوگیا۔

محمد کا حسن و جمال ایسا کہ اس کے سامنے شمس وقمر کی روشنی بھی شرمندہ ہوجاتی۔

محمد کے کی عادتیں ایسی کہ سن رسیدہ لوگوں کا حلم بھی انکے سامنے سرنگوں ہوجاتا۔

زبان ایسی کہ لوگ محمد کے میٹھے میٹھے بول سن کر حیران رہ جاتے۔

حضرت محمد ﷺ کا بچپن ضرور تھا مگر شرارت نام کی کوئی چیز آپ کے بچپن میں نہ دیکھی گئی۔

مدینہ منورہ کے آس پاس یہودیوں کی بھی آبادی تھی، آسمانی کتابوں کے حوالوں سے یہودی علماء نبی آخرالزماں ﷺ کی علامات اور نشانیاں بیان کیا کرتے تھے اور انہیں بتایا کرتے تھے کہ اب اس خاتم النبین کی تشریف آوری کا وقت بہت قریب آچکا ہے۔ ان معلومات کے تناظر میں لوگ اس معصوم بچے کو دیکھنے کیلئے امنڈ پڑے۔ لوگوں کے دلوں میں اس یتیم محمد ﷺ کی عظمتوں کا سکہ بیٹھ گیا۔

## حضرت آمنہ کا انتقال ہوگیا

حضرت آمنہ کو حلیمہ سعدیہ کی وہ بات یاد آئی جو شق صدر کے واقعہ کے بعد یہودی عالم نے کہی تھی کہ اس بچے کو ختم کردو، یہ بچہ تو عرب میں انقلاب لائے گا۔ حضرت آمنہ نے اسی خیال

سے مدینہ منورہ کے اپنے قیام کو مختصر کیا اور صرف ایک مہینے کے بعد اپنے لختِ جگر کو لے کر مکہ مکرمہ کیلئے روانہ ہوگئیں۔ اور مدینہ منورہ سے کچھ ہی دور پہونچی تھیں کہ راستہ میں آپ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ راستے میں ایک مقام آیا جس کا نام ابوا ہے۔ حضرت آمنہ جب یہاں پہونچیں تو مرض میں مزید شدت پیدا ہوگئی اور اسی مقام پر حضرت آسہ کا انتقال ہوگیا اور یہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

اس چھ سال کے معصوم محمدؐ نے جب آنکھ کھولی تھی تو باپ کا سایہ سر پر موجود نہیں تھا۔ پیدائش سے دو ماہ قبل ہی عبداللہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ اور اب آپ کی عمر صرف چھ سال ہو پائی تھی کہ ماں کا سایۂ عاطفت بھی اٹھ گیا۔ قدرت کو کیا منظور ہے اسے کوئی نہیں جانتا، بظاہر ایک بچے کی تعلیم و تربیت کے جو سب سے اہم ذریعہ ماں باپ ہوتے ہیں قدرت نے ان کو پہلے ہی اٹھا لیا۔ کسی کو یہ کہنے کا بھی موقع نہ رہا کہ محمد ﷺ کی بے پناہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں ان کے ماں باپ کی تعلیم و تربیت کا کوئی دخل تھا۔

اب یتیم محمد ﷺ کو جو ماں کے انتقال کے بعد یسیر بھی ہوگئے ام ایمن مکہ مکرمہ میں لے آئیں۔ عبدالمطلب کو آمنہ کے انتقال سے بہت صدمہ ہوا اب معصوم محمد ﷺ کو دادا نے اپنے سایۂ عاطفت میں رکھ لیا۔

عبدالمطلب اپنے پوتے محمد ﷺ کو آنکھوں کا تارا بنا کر رکھتے تھے۔ بے حد پیار و محبت سے پیش آتے۔ بیت اللہ کے سائے میں جب سردار مکہ اور بیت اللہ کے متولی عبدالمطلب کیلئے فرش بچھایا جاتا تو عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے کسی کی مجال نہ تھی کہ عبدالمطلب کے لئے بچھائے گئے اس فرش پر قدم تک رکھ دے، سب لوگ اس فرش کے کنارے کنارے بیٹھتے مگر پوتے محمد ﷺ کیلئے کوئی روک ٹوک نہ تھی، آپؐ بے جھجک اپنے دادا کے پاس پہونچ جاتے اور وہ آپ کو اپنی مخصوص مسند پر بٹھا لیتے اور سب کے سامنے پیار کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ میرا یہ پوتا بہت نامور

ہوگا، بڑی عظمتوں اور رفعتوں کا حامل ہوگا۔ یہودی علماء کا بیان بھی ہے کہ یہ بچہ نبی بنے گا۔ حضرت عبدالمطلب ام ایمن کو بار بار تاکید کیا کرتے تھے کہ میرے پوتے محمد ﷺ کا خوب خیال رکھنا۔ ان کی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑنا۔

## عبدالمطلب کا انتقال ہوگیا

عبدالمطلب بھی اب چراغ سحری تھے، سو سال سے زیادہ عمر ہو چکی تھی، کمزوری اور بڑھاپے کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریوں نے آگھیرا۔ طبیعت میں اتار چڑھاؤ سے انہیں محسوس ہونے لگا کہ اب شاید آخرت کیلئے رخت سفر باندھنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ تو اپنے چہیتے بیٹے ابوطالب کو بلایا۔ اور ان سے کہا۔

بیٹے ابوطالب! میں تو دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں تم میرے پوتے اور اپنے بھتیجے محمد ﷺ کی پرورش میں کوئی کسر نہ رکھنا۔ میرے بعد ان کے ساتھ ایسا مشفقانہ برتاؤ کرنا کہ انکو میری عدم موجودگی کا احساس نہ ہونے پائے۔ بیٹے ابوطالب! تم خوب جانتے ہو کہ میرے نور نظر محمد ﷺ نے اپنے باپ کا چہرہ بھی نہیں دیکھا۔ کیونکہ ان کی پیدائش سے دو ماہ قبل ہی عبداللہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ اور ماں کی آغوش شفقت میں بھی زیادہ رہنے کا موقع نہ مل سکا۔ کیونکہ جب یہ چھ سال کے تھے تو انکی ماں آمنہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ اور ابھی میرے پوتے محمد کی عمر ہی کیا ہے، صرف آٹھ سال کے ہو پائے ہیں اور میری موت میرے سر پر منڈلا رہی ہے۔ اس لئے میں اپنے اس پوتے کو تمہاری کفالت میں دیتا ہوں۔ ابوطالب ایک بار پھر کہتا ہوں کہ میرے پوتے محمد کی نگہداشت میں کوئی کسر نہ رکھنا۔

ابوطالب نے اپنے والد محترم عبدالمطلب کی ان ہدایتوں کو بغور سنا اور ان پر وہ عمل کیا کہ تاریخ کے روشن ابواب ان کی خدمات کبھی نہیں بھلا سکتے۔

حضرت محمد ﷺ کی عمر مبارک ابھی صرف آٹھ سال دو مہینے دس دن کی ہوئی تھی کہ شفیق دادا

کا سایۂ شفقت بھی آپؐ کے سر سے اٹھ گیا۔

جب عبدالمطلب کا جنازہ اٹھ رہا تھا تو حضرت محمد ﷺ روتے ہوئے جنازہ کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے، عبدالمطلب کو جنت المعلاہ قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

# ابوطالب کی کفالت میں

عبدالمطلب کے انتقال کے بعد چچا ابوطالب اپنے بھتیجے محمد ﷺ کی کفالت کرنے لگے۔ ویسے تو ابوطالب اپنے اس بھتیجے کو پہلے سے ہی بہت چاہتے تھے مگر عبدالمطلب کی وصیت اور ان کے انتقال کے بعد تو یہ محبت ایک سیلاب کی طرح امنڈ پڑی۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ چچا ابوطالب تو اب اپنی اولاد سے بھی زیادہ حضرت محمد ﷺ کو چاہنے لگے۔ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے۔ کھانے کیلئے جب دسترخوان بچھ جاتا اور ابوطالب کے سب گھر والے کھانا شروع کر دیتے مگر ابوطالب اس وقت تک نوالہ نہیں توڑتے جب تک ان کا بھتیجا محمد ﷺ ساتھ میں موجود نہ ہو۔

ابوطالب کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی کہ بھتیجے محمد ﷺ کو ساتھ ہی بٹھا کر تمام گھر والے کھانا کھائیں۔ کیونکہ ابوطالب یہ دیکھ رہے تھے کہ جب سے بھتیجا محمد ﷺ ان کے گھر آیا ہے اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا ہے تو تھوڑے سے ہی کھانے میں تمام گھر والے شکم سیر ہو جاتے ہیں اور کھانے میں خوب خوب برکت ہوتی ہے اور اگر اتفاق سے کسی وقت بھتیجے محمد کھانے میں ساتھ نہ ہوتے تو یہ برکتیں ظہور پذیر نہیں ہوتیں۔

# فکر معاش

حضرت محمد ﷺ کو اگرچہ ابوطالب کی جانب سے کسی کام کرنے کی ہدایت نہیں تھی مگر آپؐ کو احساس تھا کہ چچا جان کا کنبہ بہت بڑا ہے۔ خرچ زیادہ ہے اور آمدنی کے وسائل بہت کم ہیں

اس بنا پر حضرت محمد ﷺ نے اپنی اس نوخیز عمر میں ہی کچھ کمانے کا ارادہ کیا تا کہ اپنے اخراجات کے علاوہ چچا ابو طالب کی معاونت بھی ہو جائے۔

مکہ مکرمہ میں آمدنی کے وسائل بڑھانے کیلئے حضرت محمد ﷺ نے بکریوں کے چرانے کا مشغلہ اختیار کیا۔ اور اس طرح اس چھوٹی سی عمر میں نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو خود کفیل بنایا بلکہ اپنے چچا جان ابو طالب کی بھی مدد کی۔

## دوسرا شق صدر

مجاہدوں اور مشقتوں سے بھرپور زندگی گذارتے ہوئے محمد ﷺ اب تقریباً بارہ سال کے ہو چکے ہیں۔ اور اسی عمر میں بکریوں کے چرانے کے دوران آپ ﷺ کا دوبارہ شق صدر ہوا۔ جبریل امین آئے اور آپ ﷺ کا سینہ چاک کر کے آپ کا دل نکالا اور جنت کے ایک طشت میں رکھ کر آب زمزم سے اسے صاف کیا اور پھر اسی مقام پر لگا دیا۔

دوسری بار کا یہ شق صدر اس لئے ہوا تا کہ عنفوان شباب یعنی جوانی کی دہلیز پر کھڑے محمدؐ سے وہ حرکتیں صادر نہ ہوں جو جوانی کے جنون کی وجہ سے نوجوانوں سے صادر ہوتی رہتی ہیں۔

## ملک شام کا سفر اور بحیرہ راہب کی پیشگوئی

حضرت محمد ﷺ کی عمر مبارک صرف بارہ سال کی تھی کہ چچا ابو طالب نے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ملک شام جانے کا ارادہ کیا۔ بھتیجے محمد ﷺ کو جب اس تجارتی قافلے کا علم ہوا تو آپؐ نے بھی چچا ابو طالب سے گزارش کی کہ آپؐ کو بھی اس تجارتی سفر میں ساتھ لیجائیں۔

چچا ابو طالب نے راستے کی دشواریوں اور صعوبتوں کے پیش نظر اپنے بھتیجے کو اس کم عمری میں ملک شام کا سفر نہ کرنے کی رائے دی۔ مگر حضرت محمد ﷺ نے اس تجارتی قافلہ میں شرکت کیلئے اصرار کیا تو چچا ابو طالب نے اپنے ساتھ لے جانے کیلئے رضامندی ظاہر کر دی۔

جب یہ تجارتی قافلہ بصریٰ پہونچا اور وہاں پڑاؤ ڈالا تو ایک عیسائی عالم جن کا نام جرجیس تھا اور بحیرہ راہب کے لقب سے مشہور تھے اس قافلے کے پاس آئے اور تمام قافلے والوں کی میزبانی کی۔

اہل قافلہ کو بحیرہ راہب کی اس میزبانی پر اس وجہ سے تعجب ہوا کہ یہ لوگ اس سے قبل کئی بار اس مقام پر پڑاؤ ڈال چکے تھے مگر بحیرہ راہب نے کبھی بھی ان کی تواضع نہیں کی۔ اس لئے بحیرہ راہب کی اس تواضع اور میزبانی کا سبب معلوم کرنے کیلئے ان قافلہ والوں نے بحیرہ راہب سے کہا۔

ہم لوگ اس سے پہلے بھی یہاں کئی مرتبہ ٹھہر چکے ہیں مگر آپ نے ہماری کبھی بھی میزبانی نہیں فرمائی۔ آج آخر کس وجہ سے آپ مہربان ہو گئے؟

بحیرہ راہب نے جواب دیا کہ تمہارے ساتھ جو یہ صاحبزادے ہیں میں نے ان کی بنا پر تم سب کی میزبانی کی ہے۔

بحیرہ راہب نے درحقیقت حضرت محمد ﷺ کو ان اوصاف کی بنا پر پہچان لیا تھا جو آسمانی کتابوں میں مذکور تھے۔ بحیرہ راہب نے آپؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ یہ سید العالمین ہیں، رب کائنات انہیں رحمت للعالمین بنا کر مبعوث کرے گا۔

چچا ابو طالب نے بحیرہ راہب سے پوچھا۔ تمہیں یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟۔

بحیرہ راہب نے جواب دیا کہ جب تمہارا یہ قافلہ گھاٹی کے اس پار نمودار ہو رہا تھا تو میں نے دیکھا تھا کہ کوئی درخت اور کوئی پتھر ایسا نہیں جو ان صاحبزادے محمد کے آگے سجدہ ریز نہ ہو گیا ہو۔ اور یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور کے آگے نہیں جھکتیں، اس وجہ سے میں سمجھ گیا یہ اللہ کے نبی ہوں گے۔

نیز میں ان کو مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو ان کے دونوں کندھوں کے درمیان نرم ہڈی کے پاس ہے۔ نیز ان کے تذکرے تو ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔

پھر بحیرہ راہب نے چچا ابو طالب کو مشورہ دیا کہ ان صاحبزادے کو ملک شام نہ لے جائیں کیونکہ وہاں کے یہودیوں سے ان کی جان کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔

چچا ابو طالب نے بحیرہ راہب کی اس رائے کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے بھتیجے حضرت محمد ﷺ کو چند غلاموں کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس بھیجدیا۔

## رخ انور کے صدقے میں بارش کی طلب

ابن عساکر جلہمہ بن عرفطہ سے نقل کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ایک موقع پر میں مکہ مکرمہ آیا، وہاں دیکھا کہ لوگ قحط سے پریشان حال ہیں۔قریش نے ابو طالب سے بارش کے لئے دعاء کی گزارش کی۔تو ابو طالب ایک بچہ لیکر آئے۔وہ بچہ نہایت خوبصورت تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی سورج ہے جو ابر آلود ہے اور گھنے بادلوں کے اندر سے ابھی ابھی نمودار ہوا ہو، اس بچے کے ساتھ کچھ اور بھی بچے تھے۔ابو طالب اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر بیت اللہ شریف کے قریب لائے اور اس کی پیٹھ دیوار کعبہ سے لگادی۔اس بچے نے ابو طالب کی انگلی پکڑ رکھی تھی۔دعاء کیلئے جب یہ بچہ کعبۃ اللہ کے پاس لایا گیا تو اس وقت آسمان پر بادل کا کوئی بھی نام ونشان تک نہ تھا لیکن اس بچے کی برکت سے آناً فاناً آسمان ابر آلود ہوگیا اور ایسی بارش ہوئی کہ وادی میں سیلاب جیسی صورت حال بن گئی۔اور شہر وجنگل سب شاداب ہوگئے۔

ابو طالب نے اس موقع پر اپنے بھتیجے حضرت محمد ﷺ کی اسی معجزانہ شان کو بیان کرتے ہوئے آپ کی تعریف میں کہا تھا۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہٖ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

وہ چاند جیسے مکھڑے والا جس کے روئے انور کے صدقے سے بارش طلب کی جاتی ہے۔

وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کا محافظ ہے۔

# حلف الفضول

حضرت محمد ﷺ کی عمر مبارک جب پندرہ سال کی ہو چکی تو آپ ﷺ قومی خدمات اور رفاہ عامہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ چنانچہ ایک موقع پر مکہ سے باہر کے ایک تاجر کے ساتھ ظلم وزیادتی کی گئی۔ ہوا یہ ملک یمن کے شہر زبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ سامان فروخت کرنے آیا، مکہ مکرمہ کے ایک بدکردار شخص عاص بن وائل نے اس سے کچھ سامان خریدا، مگر اس کا معاوضہ اس کو نہیں دیا۔ اس شخص نے عاص بن وائل کی بہت منت سماجت کی مگر اس پتھر دل عاص بن وائل کو اس پر رحم نہ آیا۔

مجبور ہو کر اس شخص نے حلیف قبائل قبیلہ سہم، قبیلہ مخزوم، قبیلہ جمح، قبیلہ عبدالدار اور قبیلہ عدی کے لوگوں سے مدد کی اپیل کی۔ لیکن کسی نے بھی اس مسافر تاجر کی عاص بن وائل کے مقابلہ میں مدد نہیں کی۔

جب اس شخص کو یہ محسوس ہوا کہ یہاں تو ظلم کو ظلم کہنے والا بھی کوئی نہیں ہے، حقدار کو حق دلانے کے لئے کسی میں کوئی جذبہ نہیں، تو وہ شخص جبل ابوقبیس پر چڑھا اور بلند آواز سے اپنی مظلومیت کی داستان اشعار میں بیان کی۔

عبدالمطلب کے بیٹے زبیر اس شخص کی داستان مظلومیت سن کر بے قرار ہو گئے اور انہوں نے اس مظلوم شخص کی مدد کی اور اس کا حق دلانے کیلئے قریش کے چند قبائل کو جمع کیا۔ بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد بن عبدالعزی، بنو زہرہ بن کلاب اور بنو تیم بن مرہ یہ سب قبیلے عبداللہ بن جدعان تیمی کے مکان پر جمع ہوئے اور اس میں یہ قرارداد پاس کی گئی کہ ہمارے اس شہر میں اگر کسی پر کوئی ظلم کرے گا تو ہم سب مل کر اس مظلوم کی مدد کریں گے۔ وہ مظلوم خواہ مکہ کا رہنے والا ہو یا باہر کا۔ اور ہر حقدار کا حق دلوائیں گے۔

قریش کے ان قبیلوں نے عبداللہ بن جدعان تیمی کے مکان پر جو قرارداد پاس کی تھی اس کے مطابق عاص بن وائل سے ان لوگوں نے اس مسافر تاجر کا حق دلوایا۔

اس معاہدے کو حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور مظلوموں کی دادرسی اور حقداروں کا حق دلانے کیلئے قائم شدہ اس انجمن میں حضرت محمد ﷺ نے از اول تا آخر بھر پور حصہ لیا۔ اور اسی معاہدے کے متعلق حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے ''عبداللہ بن جدعان کے مکان پر میں ایک ایسے معاہدے میں شریک ہوا تھا کہ مجھے اس کے بدلے میں اگر سرخ اونٹ بھی پیش کئے جاتے تو میں اس پیشکش کو ٹھکرا دیتا۔ (ابن ہشام)

سرور کائنات ﷺ جب کہ اپنی عمر کی صرف پندرہویں منزل ہی طے کر رہے تھے تبھی سے قومی خدمات اور رفاہ عامہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے تھے۔ آپ کی نوعمری کی یہ کارکردگی مستقبل قریب میں آپ کے ذریعہ رونما ہونے والے ایک صالح انقلاب کا پتہ دے رہی تھی۔

# تجارت

عبداللہ کا یہ در یتیم اور آمنہ کا لخت جگر مکہ مکرمہ کی وادیوں میں کب تک گلہ بانی کرتا، مکہ میں کوئی ایسی صنعت بھی نہ تھی جس سے حضرت محمد ﷺ خود کو وابستہ کر لیتے اس لئے آپؐ نے اب تجارت کی طرف توجہ دی، تجارت سے آپؐ کی دلچسپی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے جبکہ آپ صرف بارہ سال کے تھے اور ابو طالب کے ساتھ ملک شام جیسے دور دراز علاقہ کا صعوبت بھرا سفر آپ نے طے کیا تھا۔

حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی میں سچائی، امانت داری، وعدہ کی پختگی، گفتگو میں خوش اسلوبی اور راست بازی جیسی اہم صفات نمایاں طور پر واضح تھیں۔ آپؐ کے انہی اخلاق کریمانہ سے مکہ مکرمہ کا ہر شخص متاثر تھا۔ اور آپ سے جو جتنا قریب ہوتا اسی قدر وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ نجی مجلسوں اور عمومی محفلوں میں آپؐ کی صداقت وامانت کے تذکرے ہونے لگے، ہر شخص کے دل میں آپؐ کا احترام جاگزیں ہو گیا۔ مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے تاجر جن کا لین دین شام، یمن، ایران اور افریقہ کے بازاروں میں ہوا کرتا تھا، جن کے تجارتی قافلوں کے اونٹ ان ملکوں کے راستوں سے واقف اور شناسا ہو گئے تھے، ان تاجروں نے بھی جب اس نوعمر محمدؐ بن عبداللہ کے معاملات کو دیکھا تو وہ دم بخود ہو گئے، اتنی چھوٹی سی عمر اور راستبازی، ایفائے عہد، صداقت و امانت داری کا یہ عالم!

یہی وجوہات تھیں کہ اب آپؐ کا نام لینے میں لوگوں کو جھجھک محسوس ہونے لگی اور فرط عقیدت سے سرشار لوگوں نے آپ کو محمد بن عبداللہ کہنے کے بجائے الصادق الامین کے خطاب سے یاد کرنے لگے۔ اور آپؐ کی صداقت وامانت کے سامنے بڑے بڑے لوگ سرنگوں ہو گئے۔

حضور اکرم ﷺ نے قیس بن سائب کی مشارکت میں تجارت کی، کاروبار میں عام طور پر ایک شریک کو دوسرے شریک سے کوئی نہ کوئی گلہ شکوہ ہو ہی جاتا ہے مگر حضرت محمد ﷺ نے

قیس بن سائبؓ کیساتھ کس حسن معاملات کے ساتھ کاروبار کیا ہوگا کہ قیس بن سائب یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَرِيْكِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَكَانَ خَيْرُ شَرِيْكٍ لَا يُدَارِيْ وَلَا يُمَارِيْ.

دعوائے نبوت سے قبل حضرت محمد ﷺ کاروبار میں میرے ساجھی تھے۔بس کیا بتاؤں! آپؐ بہت اچھے ساجھی ثابت ہوئے۔نہ انہوں نے کبھی کوئی سخت بات کہی اور نہ ہی لڑے جھگڑے۔

قیس بن سائب حضور اکرم ﷺ کی اسی بلند کرداری سے اس قدر متأثر ہوئے کہ بعد میں حضور اکرم ﷺ پر ایمان لے آئے، اور صحابیت کے عظیم مقام پر فائز ہوئے۔

حضرت مجاہد جو تفسیر کے مشہور امام ہیں وہ انہی قیس بن سائب کے آزاد کردہ غلام تھے، ایک اور واقعہ سے حضور اکرم ﷺ کے قول وعہد کی پابندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک موقع پر شہر مکہ سے باہر کسی مقام پر عبداللہ ابن ابی الحمساء عامری سے حضرت محمد ﷺ کچھ کاروباری گفتگو فرما رہے تھے، دوران گفتگو عبداللہ بن ابی الحمساء کو اچانک اپنا کوئی کام یاد آ گیا اس نے حضرت محمد ﷺ سے کہا آپؐ یہیں ٹھہریں، مجھے ایک کام یاد آ گیا ہے میں اس کو پورا کر کے ابھی آتا ہوں، حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے، میں تمہارا انتظار کروں گا۔ عبداللہ بن ابی الحمساء وہاں سے آ کر اپنے کام میں کچھ ایسا مصروف ہوا کہ اسے یاد ہی نہ رہا کہ اس کا کوئی انتظار کر رہا ہے، غرضیکہ پورا دن گذر گیا، پوری رات گذر گئی، پھر اگلا دن بھی گذر گیا، اور رات بھی گزر گئی اور ابھی تک عبداللہ بن ابی الحمساء کو اپنا وعدہ یاد نہ آ سکا۔ تیسرے دن اسے خیال ہوا کہ میں فلاں مقام پر محمد بن عبداللہ سے کاروباری گفتگو کر رہا تھا اور بات یہاں تک پہنچ چکی تھی، میں کسی کام سے چلا آیا، بات پوری نہ ہو سکی تھی، لہٰذا اب ان کے گھر جا کر بات مکمل کر لوں۔

اس خیال سے عبداللہ بن ابی الحمساء حضرت محمد ﷺ کے گھر آیا، تو اسے معلوم ہوا کہ آج تیسرا دن ہے اور حضرت محمد ﷺ گھر نہیں آئے، نہ معلوم کہاں ہیں۔

یہ سن کر عبداللہ بن ابی الحمساء کو یاد آیا کہ میں نے تو ان سے کہا تھا، آپؐ یہیں ٹھہریئے میں اپنا کام پورا کر کے واپس آتا ہوں۔ اور انہوں نے جواب میں کہا تھا، ٹھیک ہے، میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

عبداللہ بن ابی الحمساء فوراً اس مقام پر پہونچا، اس نے دیکھا کہ حضرت محمد ﷺ اسی مقام پر موجود ہیں۔

جب عبداللہ بن ابی الحمساء وہاں پہونچے تو ان کا بیان یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے نہ تو مجھے ڈانٹ ڈپٹ کی اور نہ ہی مجھے برا بھلا کہا، صرف اتنا کہا کہ آج تین دن ہو گئے ہیں میں اسی مقام پر آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ اللہ اکبر! ایفائے عہد، اور حسن اخلاق کی ایسی مثال تاریخ کے دامن میں کہاں رکھی؟

اب حضرت محمدؐ کی ذات گرامی سے نہ صرف یہ کہ لوگ واقف ہو چکے تھے بلکہ آپؐ کے اعلیٰ کردار سے ان کے دلوں میں آپؐ کی عظمت کا سکہ بیٹھ چکا تھا۔

مکہ مکرمہ میں ایک مال دار ترین خاتون رہا کرتی تھی وہ خویلد کی بیٹی حضرت خدیجہ تھیں، حضرت خدیجہ یکے بعد دیگرے دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھی انہیں اپنے کاروبار کے لئے ایک شخص کی تلاش تھی جو کاروباری سلیقہ اور تجارتی تجربہ رکھنے کے ساتھ ساتھ امانت دار بھی ہو۔

ویسے تو بہت لوگ حضرت خدیجہ کے مال سے تجارت کرنے کے خواہش مند تھے مگر خدیجہ کو ان لوگوں کی اخلاقی گراوٹ کی وجہ سے ان پر اعتماد نہ تھا۔

انہی دنوں حضرت خدیجہ کو حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بہت کچھ سننے کو ملا، آپؐ کی سچائی، امانتداری، ایفائے عہد، تجارت سے دلچسپی، اور غیبی نصرت کے کچھ واقعات۔

حضرت خدیجہ نے اپنے مال سے کاروبار کرانے کے لئے حضرت محمد ﷺ سے زیادہ کسی اور شخصیت کو موزوں نہیں پایا، چنانچہ انہوں نے حضرت محمد ﷺ سے رابطہ قائم کر کے کاروبار کی

ذمہ داری آپ کو سونپ دی، اور نفع میں ایک حصہ آپؐ کا متعین کر دیا، اس وقت حضرت محمد ﷺ کی عمر مبارک ۲۳ سال کی تھی۔

جب حضرت محمد ﷺ حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر ملک شام کو تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت خدیجہ نے اپنے نہایت معتبر اور راز دار غلام میسرہ کو بھی آپؐ کے ساتھ کر دیا، حضرت خدیجہ نے اس معیت کی وجہ تو یہ بتائی کہ یہ غلام آپ کی خدمت کرتا رہے گا۔ اور کام میں ہاتھ بھی بٹائے گا لیکن بہت ممکن ہے کہ اس غلام کو اس پہلے معاملہ میں ذمہ دار مقرر کیا ہو، نیز یہ جاننا بھی مقصود ہو کہ حضرت محمد ﷺ کاروبار کس انداز سے کرتے ہیں۔

جب حضرت محمد ﷺ ملک شام سے تجارتی سفر سے واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہ کو منافع پیش کیا تو وہ دنگ رہ گئیں، کیونکہ ابھی تک اتنے مال میں اتنا نفع آج تک کسی نے ان کو نہیں دیا تھا، حضرت خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ سے حالات سفر معلوم کئے تو اس غلام نے حضرت محمد ﷺ کی کاروباری خوش اسلوبی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ربانی نصرتوں کو بھی بیان کیا، تو حضرت خدیجہ کے دل میں مزید آپؐ کی عظمت پیدا ہو گئی۔

## خدیجہ سے نکاح

حضرت خدیجہ سے نکاح کے لئے بہت سے رؤسائے مکہ خواہش مند تھے مگر خدیجہ کو کسی مالدار کی ضرورت نہیں تھی بلکہ وہ راست باز اور امانت دار شخص کے ساتھ زندگی کا باقی ماندہ حصہ گذارنا چاہتی تھیں اور اس عنوان سے حضرت محمد ﷺ سے زیادہ کوئی اور موزوں ترین شخصیت ان کی نگاہ میں نہ تھی۔

چنانچہ ملک شام سے تجارتی سفر مکمل کر کے حضرت محمد ﷺ کو آئے ہوئے تقریباً دو مہینے ہی گذرے تھے کہ حضرت خدیجہ نے آپؐ سے نکاح کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور اس گوہر مقصود کو حاصل کرنے کے لئے حضرت خدیجہ نے اپنی سہیلی نفیسہ بنت منبہ کو بیچ میں ڈالا، نفیسہ بنت منبہ

نے حضور اکرم ﷺ سے بات چیت کی، حضور ﷺ نے اپنے چچاؤں کے سامنے یہ بات رکھی، آپؐ کے چچاؤں نے حضرت خدیجہ کے چچا سے اس موضوع پر گفت وشنید کی۔

حضرت خدیجہ کا پیغام منظور ہو گیا اور حضرت محمد ﷺ کا عقد حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ہو گیا، مہر میں حضور اکرم ﷺ نے بیس اونٹ دیئے۔

حضرت خدیجہؓ وہ پہلی خاتون ہیں جن سے حضرت محمد ﷺ نے نکاح کیا، اس نکاح کے وقت آپؐ کی عمر پچیس سال کی تھی اور حضرت خدیجہ چالیس سال کی تھیں، اور جب تک حضرت خدیجہؓ بقید حیات رہیں آپؐ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔

صاحبزادے ابراہیم کے علاوہ حضرت محمد ﷺ کی ساری اولاد حضرت خدیجہؓ کے ہی بطن سے ہے۔ سب سے پہلے جس بیٹے کا تولد ہوا ان کا نام قاسم تجویز ہوا اور اسی سے آپؐ کی کنیت ابو قاسم ہے، پھر زینب، رقیہ، ام کلثوم، اور فاطمہ پیدا ہوئیں پھر عبداللہ پیدا ہوئے انہی عبداللہ کے دو لقب تھے طیب اور طاہر۔

آپؐ کے تمام لڑکوں کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا، البتہ چاروں بیٹیوں نے آپؐ کا دور رسالت پایا، سب نے آپؐ پر ایمان قبول کیا اور سب نے ہجرت کی۔ البتہ حضرت فاطمہؓ کے علاوہ تینوں صاحبزادیاں آپؐ کی حیات میں ہی انتقال فرما گئیں، حضرت فاطمہؓ نے حضور اکرم ﷺ کے وصال کے چھ مہینے کے بعد وفات پائی۔

## زید بن حارثہ

حضرت خدیجہؓ کا ایک غلام تھا جس کا نام زید بن حارثہ تھا، انہوں نے اپنا یہ غلام حضور اکرم ﷺ کو ہبہ کر دیا، حضور اکرم ﷺ نے زید بن حارثہ سے ان کا پتہ معلوم کیا، زید نے پوری تفصیل آپؐ کو بتا دی۔ حضورؐ نے ان کے گھر خبر بھجوائی کہ تمہارا بیٹا ہمارے پاس ہے۔

یہ خبر پاتے ہی زید کے والد حارثہ اپنے بھائی کو لیکر مکہ مکرمہ آئے اور ایک طویل زمانے سے

بچھڑے ہوئے اپنے لختِ جگر زید کو سینے سے لگایا۔ حارثہ نے اپنے بیٹے زید کی جاں بخشی کے لئے کچھ رقم حضور اکرم ﷺ کو بطور فدیہ پیش کرنا چاہی حضورؐ نے اس رقم کو لینے سے انکار کر دیا اور زید کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی البتہ ساتھ میں یہ بھی فرمادیا کہ زید سے معلوم بھی کرلو کہ وہ میرے پاس سے جانا بھی چاہتا ہے یا نہیں، اگر وہ جانا چاہتا ہے تو بخوشی لے جاؤ اور اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو یہاں بھی اسے کوئی پریشانی نہ ہوگی،

حارثہ نے اپنے بیٹے زید سے پوچھا۔ بیٹے یہ بتاؤ تم ہمارے ساتھ چل کر اپنے گھر خاندان میں رہنا پسند کرتے ہو یا یہاں؟

اللہ اکبر! زید کے سامنے اب دو راستے ہیں، ایک راستہ آزادی کا ہے اور دوسرا راستہ غلامی کا۔ وہ کسے اختیار کریں اور کسے نہ اختیار کریں۔ نہایت کشمکش کا عالم! ایک طرف باپ اور چچا ہیں اور دوسری جانب حضرت محمد ﷺ ہیں۔

قربان جائے زید کے فیصلے پر۔ زید کا یہ فیصلہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے مشعل راہ اور مینار نور بن گیا۔ زید نے اپنا فیصلہ یہ سنایا کہ میں تو حضرت محمد ﷺ کے پاس رہنا پسند کرتا ہوں۔ یہ سنتے ہی حارثہ کی تمناؤں پر پانی پھر گیا، زید کے چچا کا چہرہ اتر گیا، چچا نے زید کو غلامی کا طعنہ دیا اور یہ کہا کہ زید تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو آزادی کے مقابلے میں غلامی کو ترجیح دے رہا ہے لیکن زید اپنا فیصلہ بدلنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

حضور اکرم ﷺ نے زید کے اس ایثار اور قربانی کے پیش نظر اور ان کے والد حارثہ اور ان کے چچا کی تسکین کے لئے فوراً اعلان کر دیا کہ زید آج سے میرا غلام نہیں بلکہ میرا بیٹا ہے۔

حضور ﷺ نے زید کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ اور اس کا اعلان صرف ان کے والد اور چچا کے سامنے ہی نہیں بلکہ مکہ مکرمہ میں مختلف مقامات پر زید کو ساتھ لے جا کر ذمہ دار لوگوں کے سامنے زید کو اپنا بیٹا بنانے کا اعلان کیا اور ان لوگوں کو اس پر گواہ بھی بنایا۔ حضور ﷺ کی اس ذرہ نوازی پر

زید کا دل باغ باغ ہو گیا اور ان کے والد حارثہ اور چچا کو بھی قلبی راحت ملی۔ اور اب آج کی تاریخ سے زید کو زید بن حارثہ نہیں بلکہ زید بن محمد کہا جانے لگا۔

زید کو اس نسبت پر بہت فخر تھا اور تقریباً تیس سال تک ان کو زید ابن محمد کہا جاتا رہا یہاں تک کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی ادعوھم لابائھم ھو اقسط عنداللہ۔ متبنّٰی بیٹوں کو ان کے باپوں کے ناموں سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہی زیادہ انصاف والی بات ہے۔

اس ربانی قانون کے نازل ہونے کے بعد زید بن محمد کو پھر زید حارثہ کہا جانے لگا۔ زید کو اس نسبت کے چھننے کا بہت احساس تھا، چنانچہ رب کائنات نے قرآن میں ان کا نام ذکر کر کے ان کے نام کو جاودانی عطا کر دی۔ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا۔ (قرآن)

حضرت زید کے علاوہ کسی اور صحابی یا صحابیہ کا نام قرآن میں مذکور نہیں۔

# نبوت

جس ماحول میں سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ نے آنکھیں کھولی تھیں اس میں فکری اور عملی دونوں اعتبار سے بہت بگاڑ تھا۔ فکری بگاڑ کا یہ عالم تھا کہ یا تو وہ لوگ سرے سے اللہ کے وجود کو ہی تسلیم نہیں کرتے تھے، اُن کا کہنا تھا کہ یہ کائنات خود بخود بن گئی اور اپنے آپ ہی یہ سارا نظام چل رہا ہے۔ نہ تو اس کائنات کا کوئی بنانے والا ہے اور نہ ہی کوئی چلانے والا، یا وہ لوگ اللہ کے وجود تو تسلیم کرتے تھے مگر اس کی ذات یا صفات میں یا اس کی صفات کے تقاضوں میں غیروں کو شریک کرتے تھے۔ اور ان کے عملی بگاڑ کا حال یہ تھا کہ شراب نوشی، جوئے بازی، زنا کاری، قتل وغارتگاری، رہزنی اور ڈکیتی، حقوق تلفی، معصوم بچیوں کی زندہ درگوری جیسے قبیح اور شنیع فعلوں میں وہ ملوث تھے۔

قوم کے اس فکری اور عملی بگاڑ کو دیکھ دیکھ کر آپؐ کا دل بہت مغموم رہنے لگا اور آپؐ کے دل میں ان کی اصلاح کا جذبہ کروٹیں لینے لگا مگر اس کے لئے کوئی مکمل لائحہ عمل اور منظم دستورِ حیات آپؐ کے سامنے نہیں تھا۔ جس کی روشنی میں بگڑے ہوئے انسانوں کی زندگی درست کی جا سکے۔

# غارِ حراء

بعثت سے سات برس پہلے ہی سے آپ کو ایک روشنی سی نظر آنے لگی تھی اور یہ روشنی دیکھ کر آپؐ کو خوشی ہوتی تھی اور جیسے جیسے بعثت کا زمانہ قریب آرہا تھا ویسے ویسے آپؐ کو تنہائی پسند ہوتی جارہی تھی، اور جب آپؐ کی عمر پینتیس برس کی ہوگئی تو خلوت نشینی آپ کو بے حد مرغوب ہوگئی۔ اور اس کے لئے آپؐ نے مکہ مکرمہ سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر واقع جبلِ نور کی بالائی چوٹی کو منتخب کیا۔ جس میں چھوٹا سا غار ہے، یہ غار چار گز لمبا اور پونے دو گز چوڑا ہے، اس غار کو غارِ حراء کہتے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ پانی اور ستو لے کر اسی غار میں خلوت نشیں رہنے لگے۔ جب کھانے

پینے کی چیزیں ختم ہو جاتیں تو گھر آ کر کچھ سامان لیجاتے یا آپ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہؓ آپ کے پاس پہونچا دیتیں۔ اس خلوت نشینی کے تیسرے سال کے آخری چھ مہینوں میں آثار نبوت خواب کی شکل میں نمودار ہونے لگے اور آپؐ جو بھی خواب دیکھتے اُس کی تعبیر سپیدۂ صبح کی طرح سچ ثابت ہو جاتی۔

# جبریل وحی لاتے ہیں

قمری جب حضور ﷺ کی عمر مبارک چاند کی تاریخ کے لحاظ سے ۳۹ سال تین مہینے، ۲۲ دن اور شمسی حساب سے چالیس سال چھ مہینے اور بارہ دن کی ہوگئی تو رمضان کے مہینے میں اکیسویں تاریخ کو پیر کی رات میں جبل نور کے اسی غار حراء میں سرور کائنات ﷺ پر اللہ کی جانب سے پہلی وحی کا نزول ہوا اور اس نزول وحی کے ساتھ ہی آپؐ محمد بن عبداللہ کے مقام سے بلند ہو کر محمد رسول اللہ کے مقام پر فائز ہو گئے۔ شمسی لحاظ سے ۱۰/ اگست ۶۱۰ء کی تاریخ تھی جب حضورؐ پر پہلی وحی کا نزول ہوا۔

اس نزول وحی کی کیفیت قدرے تفصیل کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ اس طرح بیان فرماتی ہیں۔ کہ اللہ کے رسول ﷺ پر وحی کا آغاز اچھے خوابوں سے ہوا۔ آپؐ جو بھی خواب دیکھتے اس کی تعبیر صبح کی سپیدی کی طرح سچ ثابت ہوتی، پھر آپؐ کو خلت نشینی مرغوب ہو گئی اور آپؐ غار حراء میں خلوت نشیں ہو گئے اور کئی کئی راتیں گذر جاتیں آپؐ گھر تشریف نہیں لاتے، وہیں عبادت میں مصروف رہتے۔ اس کیلئے آپؐ اپنے ساتھ توشہ لیجاتے، پھر جب توشہ ختم ہو جاتا تو آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لے آتے۔ اور تقریباً اتنے ہی دنوں کا توشہ پھر لیجاتے۔ یہاں تک کہ آپؐ کے پاس حق آیا اور آپ غار حراء میں تھے یعنی آپؐ کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا۔

اے محمدؐ! آپ پڑھئے۔

آپؐ نے فرمایا۔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

تب اُس فرشتہ نے مجھے پکڑ کر اپنے سینے سے لگایا اور مجھے اس قدر تیزی سے دبایا گویا میری طاقت نچوڑ دی۔

پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا۔

اے محمدؐ! آپ پڑھئے۔

آپؐ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

پھر اُس فرشتے نے مجھے پکڑ کر اس طرح دبوچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہوگئی اور چھوڑ دیا۔ اور کہنے لگا۔

اے محمدؐ! آپ پڑھئے۔

میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر اس نے بہت تیزی کے ساتھ مجھے بھینچا۔ اور چھوڑ کر کہا۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ .

آپ پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ آپ پڑھئے اور آپ کا رب بہت کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔ اس نے انسان کو وہ سکھایا جسے انسان نہیں جانتا تھا۔

## وحی اور اس کی حقیقت

وحی کے لغوی معنیٰ ہیں اشارہ کرنا۔ خفیہ انداز میں بات چیت کرنا۔ اس لغوی معنیٰ کے لحاظ سے غیر نبی اور غیر رسول کے لئے بھی وحی کا استعمال ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے پاس اس موقع پر جب کہ انہیں اپنے بیٹے کے بارے میں فرعونیوں کی جانب سے قتل کا خطرہ لاحق تھا اللہ کے جانب سے یہ وحی آئی۔

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا

تَحْزَنِیْ اِنَّا رَادُّوْهُ اِلَیْکَ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ.

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے پاس وحی بھیجی کہ تم ان کو دودھ پلاؤ اور جب تمہیں اس کے بارے میں خطرہ ہو تو اس کو سمندر میں ڈال دینا اور خوف نہ کرنا اور نہ ہی غمگین ہونا، ہم اسے تم تک لوٹا دیں گے اور اسکو ہم رسولوں میں سے بنائیں گے۔

اس آیت میں اوحینا کا استعمال غیر نبی اور نیر رسول کے لئے ہوا ہے اور یہاں اس کے لغوی معنیٰ مراد ہے۔ بلکہ لغوی معنیٰ کے لحاظ سے لفظ وحی کا استعمال غیر انسان کے لئے بھی ہوا ہے۔ شہد کے مکھی کے لئے رب کائنات کی جانب سے جو فطری ہدایات صادر ہوئیں ان کو بھی قرآن میں وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَاَوْحیٰ رَبُّکَ اِلیٰ النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بیوتاً

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے پاس وحی بھیجی کہ وہ پہاڑوں میں گھر بنائے۔

لیکن شریعت میں وحی سے مراد وہ مخصوص ربانی پیغام ہے جو اللہ کی جانب سے نبیوں اور رسولوں پر نازل ہو۔ وحی کی ضرورت اور اس کے نزول کے طریقوں کے سلسلے میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے مضمون سے ایک اقتباس پیش ہے جو انشاء اللہ اس موضوع کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

"قرآن کریم چونکہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے اس لئے سب سے پہلے وحی کے بارے میں چند ضروری باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔

## وحی کی ضرورت

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لئے بھیجا ہے اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے لہٰذا دنیا میں آنے کے بعد انسان کے لئے دو کام ناگزیر ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے اور اس میں پیدا کی ہوئی اشیاء سے ٹھیک ٹھیک کام لے، اور دوسرے یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے ہوئے اللہ

تعالیٰ کے احکام کو مدنظر رکھے، اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو،

ان دونوں کاموں کے لئے انسان کو ''علم'' کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیت کیا ہے؟ اس کی کونسی چیز کے کیا خواص ہیں؟ ان سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے؟ اس وقت تک وہ دنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کے لئے استعمال نہیں کرسکتا، نیز جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے؟ وہ کونسے کاموں کو پسند اور کن کو ناپسند فرماتا ہے؟ اس وقت تک اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گذارنا ممکن نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعہ اسے مذکورہ باتوں کا علم حاصل ہوتا رہے، ایک انسان کے حواس، یعنی آنکھ، کان، منھ اور ہاتھ پاؤں، دوسرے عقل اور تیسرے وحی، چنانچہ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعہ معلوم ہوجاتی ہیں، بہت سی عقل کے ذریعہ۔ اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہوسکتیں ان کا علم وحی کے ذریعے عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرۂ کار ہے، جس کے آگے وہ کام نہیں دیتا، چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہوجاتی ہیں ان کا علم نری عقل سے نہیں ہوسکتا، مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہوجاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید ہے، لیکن اگر آپ اپنی آنکھوں کو بند کرکے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے وہ صرف حواس سے معلوم نہیں ہوسکتیں۔ مثلاً آپ صرف آنکھوں سے دیکھ کر یا ہاتھوں سے چھوکر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کس انسان نے بنایا ہے، بلکہ اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے عقل کی ضرورت ہے،

غرض جہاں تک حواسِ خمسہ کام دیتے ہیں وہاں تک عقل رہنمائی نہیں کرتی اور جہاں حواسِ خمسہ جواب دے دیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے، لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے، یہ بھی ایک حد پر جا کر رک جاتی ہے، اور بہت سے باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعہ، مثلاً اسی دیوار کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کو کس طرح استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی اور کس طرح استعمال کرنے سے ناراض ہوگا، یہ نہ حواس کے ذریعہ ممکن ہے نہ عقل کے ذریعہ، اس قسم کے سوالات کا جواب انسان کو دینے کے لئے جو ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اسی کا نام وحی ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب فرما کر اسے اپنا پیغمبر قرار دے دیتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے، اسی کلام کو ''وحی'' کہا جاتا ہے۔

اس سے واضح ہوگیا کہ وحی انسان کے لئے وہ اعلیٰ ترین ذریعۂ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق ان سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل اور حواس کے ذریعہ حل نہیں ہوسکتے، لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس کی ہدایت کے لئے وحیِ الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی۔ اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو ہی جائے، بلکہ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں بلکہ حواس کا کام ہے، اسی طرح بہت سے دینی عقائد کا علم عطا کرنا بھی عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے، اور ان کے ادراک کے لئے نری عقل میں بھروسہ کرنا درست نہیں۔

جو شخص (معاذ اللہ) خدا کے وجود ہی کا قائل نہ ہو اس سے تو وحی کے مسئلہ پر بات کرنا بالکل بے سود ہے، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرتِ کاملہ پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے وحی کی عقلی ضرورت، اس کے امکان اور حقیقی وجود کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں، اگر آپ اس بات پر

ایمان رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ایک قادرِ مطلق نے پیدا کی ہے، وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمتِ بالغہ سے چلا رہا ہے اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو، اور اسے یہاں تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمہ کیا فرائض ہیں؟ اس کی منزل مقصود کیا ہے؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصدِ زندگی کو حاصل کرسکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش وحواس سلامت ہوں ایسا کرسکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو ایک خاص مقصد کے تحت کسی سفر پر بھیج دے، اور اسے نہ چلتے وقت سفر کا مقصد بتائے اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعہ اس پر یہ واضح کرے کہ اسے کسی کام کے لئے بھیجا گیا ہے؟ اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہوگی؟ جب ایک معمولی عقل کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کرسکتا ہے تو آخر اس خداوندِ قدوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جاسکتا ہے جس کی حکمتِ بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے۔ یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان، زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کرسکے جس کے ذریعہ انسانوں کو ان کے مقصدِ زندگی سے متعلق ہدایات دی جاسکیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی رہنمائی کے لئے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے، بس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی ورسالت ہے،

اس سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ ''وحی'' محض ایک دینی اعتقاد ہی نہیں بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے جس کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا انکار ہے۔

جبلِ نور کا خوشنما منظر۔ یہی وہ پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر غارِ حرا ہے جہاں حضرت محمد ﷺ تنہائی کے عالم میں رہا کرتے تھے اور اسی غار میں آپ کو رسالت سے سرفراز کیا گیا قرآن کی ابتدائی آیات اقـــراء باسم ربـــك الـــذی خلـــق نازل ہوئیں۔

منیٰ کے راستہ میں "جبلِ نور"

جبلِ نور کے بالائی حصہ میں واقع غارِ حراء کا نزدیکی منظر۔

خانہ کعبہ کا فضائی منظر۔ زائرین بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہیں، فرش سے لیکر درمیانی منزلوں اور بالائی حصہ تک زائرین ہی زائرین نظر آرہے ہیں۔ تصویر میں بابِ فہد کی جانب کا بالائی حصہ نمایاں ہے۔

**بابِ فہد** کا نہایت دیدہ زیب، عالیشان اور دلفریب منظر۔

# حضورؐ پر نزول وحی کے طریقے

وحی ورسالت کا یہ مقدس سلسلہ سرکارِ دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم ہو گیا۔ اب کسی انسان پر نہ وحی نازل ہوگی اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ آنحضرت ﷺ پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی، صحیح بخاریؒ کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشامؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپؐ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے، اور وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ اس آواز نے کہا ہوتا ہے، مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آجاتا ہے۔ (صحیح بخاریؒ ۱-۲)

**ایک حدیث میں** آپؐ نے ''وحی'' کی آواز کو گھنٹیوں کی آواز سے جو تشبیہ دی ہے شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک تو وحی کی آواز گھنٹی کی طرح مسلسل ہوتی ہے، اور بیچ میں ٹوٹتی نہیں۔ دوسرے گھنٹی جب مسلسل بجتی ہے تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اور کلامِ الٰہی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی ایک سمت نہیں ہوتی، بلکہ ہر جہت سے آواز سنائی دیتی ہے، اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدہ کے ممکن نہیں، لیکن اس بات کو عام ذہنوں سے قریب کرنے کے لئے آپؐ نے اسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دے دی ہے (فیض الباری ۱-۱۹و۲۰)

جب اس طریقے سے آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا، حضرت عائشہؓ اسی حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں کہ میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپؐ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی ہے، ایسی سردی میں بھی جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپؐ کی مبارک پیشانی پسینہ سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی، ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں، کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کا سانس رُکنے لگتا چہرۂ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد

پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے، اور آپؐ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے (الاتقان ۱۔۴۶)

وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدّت پیدا ہوجاتی کہ آپؐ جس جانور پر اس وقت سوار ہوتے وہ آپؐ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا، اور ایک مرتبہ آپؐ نے اپنا سرِ اقدس حضرت زید بن ثابتؓ کے زانو پر رکھا ہوا تھا، کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونی شروع ہوگئی، اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی (زادالمعاد ۱۔۱۸و۱۹)

بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی محسوس ہوتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی (تبویب مسند احمدؒ کتاب السیرۃ النبویۃؐ ۲۰۔۲۱۲)

وحی کی دوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپؐ کے پاس آکر اللہ کا پیغام پہنچا دیتا تھا، ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرئیل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے، البتہ بعض اوقات کسی دوسری صورت میں بھی تشریف لائے ہیں، بہر کیف، جب حضرت جبرئیلؑ انسانی شکل میں وحی لے کر آتے تو نزولِ وحی کی یہ صورت آنحضرت ﷺ کے لئے سب سے آسان ہوتی تھی (الاتقان ۱/۴۶)

وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی انسان کی شکل اختیار کئے بغیر اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپؐ کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ اس وقت جب آپؐ نے خود حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، دوسری مرتبہ معراج میں اور تیسری بار نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اجیاد پر، پہلے دو واقعات تو صحیح سند سے ثابت ہیں، البتہ یہ آخری واقعہ سند کمزور ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے،

(فتح الباری ۱/۱۸و۱۹)

چوتھی صورت براہِ راست اور بلا واسطہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہم کلامی کی ہے، یہ شرف آنحضرت ﷺ کو بیداری کی حالت میں صرف ایک بار، یعنی معراج کے وقت حاصل ہوا ہے، البتہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپؐ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں (اتقان ۱/۴۶)

وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپؐ کے قلبِ مبارک میں کوئی بات القاء فرمادیتے تھے، اسے اصطلاح میں ''نفث فی الروع'' کہتے ہیں''

(اتقان)

# خفیہ دعوت

پہلی وحی کے نزول نے ذمہ داریوں کے احساس سے سرور کائنات ﷺ کو بے حد فکر مند بنادیا تھا۔ وہ بار امانت جس کو اٹھانے سے زمین، آسمان اور پہاڑ بھی قاصر تھے وہ آپؐ کے کندھوں پر رکھ دیا گیا۔ لیکن ابھی اس پیغام کو کھلم کھلا لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا حکم آپؐ کو نہیں دیا گیا، کیونکہ علی الاعلان دعوت کا مطلب تھا پورے سماج اور معاشرے کی مخالفت، اور ظاہری اسباب کے طور پر جب تک ایک ایسی جماعت تیار نہ ہوجائے جو آپؐ کے پیغام کی دل وجان سے گرویدہ ہوچکی ہو اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوگئی ہو تب تک علی الاعلان دعوت مناسب نہیں تھی، اس لئے آپؐ نے اسلام کے اس اولین پیغام کو اپنے نہایت قریبی متعلقین کے سامنے ہی پیش کیا۔ اور آپؐ نے نہایت رازدارانہ انداز میں ان کو بتایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔

آپؐ کے اس اولین پیغام کی تائید سب سے پہلے آپ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ نے کی۔ اور آپ نے اسلامی تاریخ میں قبول اسلام کا نہایت حسین باب قائم کردیا۔ پھر آپؐ نے اپنے سب سے قریبی دوست ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر کے سامنے یہ پیغام پیش کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے بھی بغیر کسی تأمل کے اسلام قبول کرلیا۔ آپؐ کے چچازاد بھائی حضرت علی ابن ابی طالب جو ابھی بچے ہی تھے اور آپؐ ہی کے زیر کفالت تھے انھوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ آپؐ کے آزاد کردہ غلام اور منھ بولے بیٹے زید بن حارثہ نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ آپؐ کے گھر کی باندی ام ایمن بھی مشرف بہ اسلام ہوگئیں۔ ان حضرات نے پہلے ہی دن اسلام قبول کرلیا تھا۔

# قریبی متعلقین کا ایمان آپؐ کے عظیم کردار کا مظہر ہے

ان قریبی متعلقین کا اولین مرحلے میں بغیر کسی تأمل کے اسلام قبول کر لینا دراصل سرور کائنات ﷺ کے کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ ہے۔ کیونکہ اپنے اخلاق و کردار سے سب سے قریبی متعلقین کو متأثر کرنا نہایت مشکل ترین کام ہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو آپ کے عقد میں آئے ہوئے پندرہ سال کا طویل عرصہ گذر چکا ہے، میاں بیوی کے درمیان آئے دن اختلافات پیدا ہونا، ناروا سلوک، بدمزاجی اور بدخلقی ایک عام سی بات ہے۔ جس کی بنا پر بیوی کے دل میں شوہر کے تئیں اور شوہر کے دل میں بیوی کے تئیں عقیدت نام کی کوئی چیز نہیں ہوا کرتی۔ لیکن قربان جایئے سرور کائنات ﷺ کی ذات گرامی پر کہ آپ نے پندرہ سال تک حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ساتھ شوہر کی حیثیت سے کتنا اچھا برتاؤ کیا ہوگا کہ حضرت خدیجہؓ آپؐ کی صداقت و امانت، آپؐ کے اخلاق و کردار سے اس قدر متأثر تھیں کہ جب آپؐ نے ان کو یہ بتایا کہ خدیجہ! اب میں تمہارا شوہر ہی نہیں بلکہ اللہ کا رسول بھی ہوں۔ تو حضرت خدیجہ نے فوراً اس کی تائید کرتے ہوئے، اشهد ان لااله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله پڑھ لیا۔

اسی طرح ایک دوست دوسرے دوست کی زندگی کے احوال و کوائف سے واقف ہوتا ہے اور دوستی کی بنا پر ایک دوسرے سے بے تکلفی کے کچھ ایسے واقعات رونما ہو ہی جاتے ہیں جن کی بنا پر عقیدت جیسا عظیم جوہر دو دوستوں کے درمیان نادر و نایاب ہی ہوتا ہے۔ مگر سرور کائنات ﷺ نے اپنے سب سے قریبی دوست ابوبکرؓ کے ساتھ کس قدر باوقار دوستی نبھائی ہوگی کہ جب ابوبکرؓ کے سامنے آپ نے یہ بات رکھی کہ ابوبکرؓ اب میں تمہارا صرف دوست ہی نہیں بلکہ اللہ کا رسول بھی ہوں تو بغیر کسی حجت کے انھوں نے بھی اشهدان لااله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله پڑھ لیا۔

اسی طرح غلام اور باندیوں کے ساتھ ان کے آقاؤں کا ناروا سلوک اور بداخلاقی کا مظاہرہ ان کو بغاوت اور سرکشی پر اکساتا رہتا ہے، مگر سرور کائنات ﷺ کا زید بن حارثہ اور ام ایمن کے ساتھ انسانیت نوازی کا کیسا برتاؤ رہا ہوگا کہ جیسے ہی ان کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو وہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اسی طرح زیر کفالت دوسروں کے بچے بھی اپنے کفیلوں سے نالاں ہی رہتے ہیں، ان کی فرمائشوں کی تکمیل نہ ہونے کی صورت میں ان کا مزاج بہت حد تک بگڑ جاتا ہے، ضد، ہٹ دھرمی، تلخی اور ترش مزاجی روزمرہ کا معمول بن جاتا ہے، ایسے کسی بچے کے دل میں اپنے کفیل کے تئیں عقیدت کا پیدا ہو جانا کسی معجزہ سے کم نہیں، سرور کائنات ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی کس ناز برداری سے کفالت فرمائی ہوگی کہ جیسے ہی کم عمر علیؓ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو فوراً انھوں نے بھی اسلام کا کلمہ پڑھ لیا۔

## اسلام کا اولین دستہ

نہایت خفیہ اور رازدارانہ تبلیغ کے نتیجے میں اسلام کا اولین دستہ تیار ہو گیا جس میں آزاد عورت کی نمائندگی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے فرمائی، آزاد مردوں کی نمائندگی کے لئے اللہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو منتخب کیا غلاموں اور باندیوں کی نمائندگی زید بن حارثہ اور ام ایمن کے ذریعہ ہوئی۔ اور بچوں کی نمائندگی کے لئے اللہ نے حضرت علیؓ کو منتخب کیا، گویا پہلے ہی دن انسانوں کے ہر طبقے میں اسلام کو قبولیت حاصل ہو گئی۔

پھر سرور کائنات ﷺ نے ان حاملین اسلام کو ترغیب دی کہ وہ اپنے اپنے قریبی متعلقین تک اس پیغام کو پہونچائیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے معتمد لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ اور الحمد اللہ آپ کی کوششوں سے حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی

وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اس خفیہ دعوت کے اولین مرحلے میں اسلام قبول کرنے والوں کی فہرست میں حضرت بلال حبشیؓ بھی ہیں۔ پھر امین امت حضرت ابوعبیدہ، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، ارقم بن ابی الارقم، عثمان بن مظعون، ان کے دو بھائی قدامہ اور عبداللہ، عبیدہ بن حارث، سعید بن زید اور ان کی اہلیہ فاطمہ بنت خطاب (یہ حضرت عمر کی بہن تھیں) خباب بن الارت اور عبداللہ بن مسعود وغیرہ حضرات نے اسلام قبول کرلیا۔

سرور کائنات ﷺ خفیہ طور پر دعوت اسلام کا کام انجام دے رہے تھے اور یہ سعید نفوس خفیہ طریقے سے ہی اسلام کی نورانی شعاعوں سے اپنے دلوں کو جگمگا رہے تھے۔

## اہل مکہ کو پتہ چل گیا

ابن اسحٰق کے بیان کے مطابق پھر تو مکہ مکرمہ میں یکے بعد دیگرے مرد اور عورتیں اسلام قبول کرتے رہے، یہاں تک کہ نہایت راز داری کے باوجود باشندگان مکہ کو تحریک اسلامی کی سن گن لگ چکی تھی اور انہیں محسوس ہو گیا تھا کہ حضرت محمد ﷺ کچھ لوگوں کو زندگی کی کسی نئی سمت کی طرف لے جا رہے ہیں۔ لیکن اس علم کے باوجود وہاں کے لوگوں نے آپؐ کی مخالفت نہیں کی۔ کیونکہ ان کے ذہن میں یہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کے چند متعلقین کا یہ نجی معاملہ ہے، ہم اس میں دخل اندازی کیوں کریں۔ اگر یہ لوگ بتوں کو نہیں پوجتے اور اللہ کی وحدانیت کی باتیں کرتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ ان کے سماج میں پہلے سے بھی کچھ ایسے لوگ رہتے تھے جو بتوں کی پرستش سے پرہیز کرتے تھے اور وحدانیت کے قائل تھے۔ مثلاً امیہ بن ابی الصلت، عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ، اس لئے انھوں نے حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کے ان اولین فدائین کے خلاف کسی مزاحمت کو ضروری نہیں سمجھا۔

خفیہ دعوت کا یہ دور مسلسل تین سال تک چلتا رہا اور اس تین سالہ خفیہ دعوت کے دور میں

اسلام کا ایک ہراول دستہ تیار ہو گیا۔

اس ابتدائی دور میں اسلام کی تعلیمات میں جن باتوں کو اہمیت کے ساتھ پیش کیا گیا ان میں وحدانیت رسالت اور عقیدۂ آخرت کو زیادہ ترجیح دی گئی اور عملی طور پر دو نمازوں کا اہتمام کیا گیا۔

حضرت مقاتل بن سلیمان فرماتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں اللہ تعالیٰ نے دو رکعت نماز صبح کی اور دو رکعت نماز شام کی فرض قرار دی تھی۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

وسبح بحمد ربک بالعشی والابکار

اور صبح وشام اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرو۔

گویا پنجوقتہ نماز سے پہلے یہ دو نمازیں سورج نکلنے سے قبل اور سورج ڈوبنے سے قبل فرض تھیں۔

حضرت زید بن حارثہؓ سے مروی ہے کہ ابتداءً جب حضرت محمد ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو جبریل امین آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو وضو کا طریقہ سکھایا اور وضو سے فارغ ہونے کے بعد ایک چلو پانی لے کر شرمگاہ پر چھینٹا مارا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نماز اولین فرائض میں سے تھی۔

یہ دونوں وقت کی نمازیں عوام سے چھپ کر کسی گھاٹی میں ادا کی جاتی تھیں، ابن ہشام کے بیان کے مطابق ایک موقع پر خواجہ ابو طالب نے اپنے بھتیجے حضرت محمد ﷺ اور اپنے بیٹے علیؓ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ تو پوچھ تاچھ شروع کر دی۔ یہ کونسا عمل انجام دے رہے تھے؟ اس کا مقصد اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور جب اللہ کے رسول ﷺ نے اس نماز کی حقیقت بیان فرمائی تو خواجہ ابو طالب نے فرمایا آپ اس پر قائم رہیں۔

خفیہ دعوت کے اس تین سالہ دور میں سرور کائنات ﷺ اور آپ کے صحابہ کو کسی مخالفت یا اذیت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

# علی الاعلان دعوت

خفیہ دعوت کے تین سالہ دور میں اسلام کے جاں نثاروں کی ایک مضبوط جماعت تیار ہو چکی تھی۔ اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ اور اس کے رسول کی نمائندگی پر کامل اعتماد نے ان کو اسلام کی تئیں نہایت وفادار بنا دیا تھا۔ انہوں نے اپنی کامیابی کا راز حکم الٰہی کی اتباع اور طریقۂ رسولؐ کی پیروی میں پالیا تھا۔ ان کا یقین بن چکا تھا کہ دونوں جہاں کی فلاح ونجاح اسلام کے زریں اصولوں کی تابعداری ہی میں مضمر ہے۔ انہیں کفر اور شرک سے نفرت ہو چکی تھی، اللہ کی وحدانیت، اس کے رسول کی رسالت پر ایمان لانے کے نتیجے میں انہیں مکافات عمل کا پختہ یقین ہو گیا یعنی ہر عمل کا بدلہ ضرور مل کر رہے گا۔ غرضیکہ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آراستہ اسلام کا یہ اولین ہر اول دستہ اسلام کے فروغ کے لئے اب مکمل تیار ہو چکا تھا اور راستے میں آنے والی ہر مزاحمت، مشقت، اذیت اور تکلیف کو برداشت کرنے کے لیے اسلام کی یہ اولین جماعت ذہنی طور پر مکمل آمادہ ہو چکی تھی۔

چنانچہ رب کائنات نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ آپؐ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں۔

لیکن اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو اس انذار کا حکم دینے سے قبل اپنے چند نبیوں اور رسولوں کی دعوتی سرگرمیوں اور قوموں کی جانب سے ان کے ردعمل کا تذکرہ کیا ہے۔ نیز حالات کی نا مساعدت کے باوجود ان نبیوں اور رسولوں اور ان کے متبعین کی کامیابی وکامرانی کو بیان کیا ہے۔ نیز منکرین کی تباہی اور ان پر عذاب الٰہی کے نزول کو عبرت آموز انداز میں واضح کیا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔

# حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جن نا مساعد حالات میں فرعون کے گھر پرورش پائی اور پھر جوان ہونے کے بعد ایک قبطی کے قتل کی بنا پر مصر سے مدین چلے آئے اور وہاں تقریباً دس سال تک ایک چرواہے کی حیثیت سے زندگی گزار کر جب مصر کی جانب آرہے تھے تو اللہ نے کوہ طور پر ان کو رسالت کے مقام پر فائز کیا اور انہیں فرعون کو دعوت دینے کا مکلّف بنایا۔ ظاہر ہے جو فرعون موسیٰ علیہ السلام کے خون کا پیاسا ہو اس کے پاس جا کر اسے دعوت الی اللہ دینا بظاہر بہت مشکل کام تھا۔ تبھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کہا تھا اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ مجھے خوف ہے میری وہ تکذیب کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمت افزائی کی اور موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون کو لیکر فرعون کے دربار میں پہونچے اور خود کو رب العالمین کا فرستادہ بتا کر فرعون سے مطالبہ کیا کہ بنی اسرئیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ اس موقع پر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر میں پرورش پانے کا طعنہ بھی دیا اور کئی سوالات بھی کیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے ہر سوال کا نہایت معقول جواب دیا مگر جب فرعون موسیٰ علیہ السلام سے زبانی طور پر فتح حاصل نہ کر سکا تو اس نے معجزہ طلب کیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے حکم ربانی سے اسے دو معجزے دکھائے۔

موسیٰ علیہ السلام نے زمین پر لاٹھی پھینکی تو وہ اژدہا بن گیا اور اپنا ہاتھ بغل میں رکھ کر نکالا تو وہ نہایت سفید چمکدار تھا۔

یہ دونوں معجزے دیکھ کر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر قرار دیا اور آپ کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی مملکت کے تمام جادوگروں کو طلب کر لیا۔ اس مقابلہ میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو فتح نصیب فرمائی اور مقابلہ پر آئے ہوئے تمام جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان قبول

کرلیا، جس کے نتیجہ میں فرعون نے ان جادوگروں کو نہایت اذیت ناک دھمکیاں بھی دیں مگر ان کے پائے ثبات میں ذرہ برابر بھی تزلزل پیدا نہ ہوا۔

اور جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو خفیہ طریقے پر مصر سے لیکر چلے اور بحر قلزم کے قریب پہونچے ہی تھے کہ اتنے میں فرعون اپنی فوج کے ساتھ ان کے تعاقب کے لئے پہونچ گیا، ان حالات کو دیکھ کر بنی اسرائیل گھبرا گئے اور وہ چیخ اٹھے۔ ہائے موسیٰ! اب تو ہم پکڑے گئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے پر اعتماد لہجے میں فرمایا تھا۔ ہرگز نہیں! میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے صحیح راستہ عطا کرے گا۔

موسیٰ علیہ السلام کو حکم ربانی ہوا کہ آپ اپنی لاٹھی اس دریا پر ماریئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی دریا پر ماری تو اللہ تعالیٰ نے اس میں راستے پیدا کر دیئے۔ اور پانی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا، موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کے ساتھ اس دریا کو پار کر گئے۔ اور جب فرعون اپنی فوج کے ساتھ اس میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس پانی کو بہنے کا حکم دیا اور اسطرح فرعون اپنی تمام فوج کے ساتھ عذاب الٰہی میں مبتلا ہوا اور اس دریا میں غرقاب ہو گیا۔

سرور کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے علی الاعلان دعوت کا حکم دینے سے قبل حضرت موسیٰ اور آپ کی قوم بنی اسرئیل اور فرعون اور اس کے متبعین کا یہ واقعہ سنا کر واضح کر دیا کہ میرے محبوب! اس علی الاعلان دعوت کی بنا پر کیسی کیسی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن آخری نتیجہ کے طور پر فتح آپؐ ہی کی ہوگی اور آپ کے ماننے والے ہی کامیاب ہوں گے۔ اس دعوت کے نتیجے میں اگر آپ کو مکہ سے ہجرت بھی کرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ جو اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ مصر بھیج کر ان کو کامیابی عطا کر سکتا ہے وہی اللہ آپ کو بھی مکہ سے نکلنے کے بعد دوبارہ فتح نصیب کرنے پر قادر ہے۔

**حضرت ابراہیمؑ** حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے جس میں یہ بتایا گیا کہ انہوں نے دعوت کے کام کا آغاز اپنے گھر والوں سے کیا۔ باپ کو نصیحت کی اور غیر اللہ کی معبودیت کا انکار کیا اور اللہ کی صفات کو بیان کر کے اس کی وحدانیت کو ثابت کیا۔ نیز عقیدۂ آخرت کی وضاحت بھی ابراہیم علیہ السلام کے پیغام میں موجود ہے، اور نتیجہ کے طور پر متقیوں کے لئے جنت کی خوش خبری اور باغیوں کے لئے جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

سرور کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے علی الاعلان دعوت کا حکم دینے سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقۂ کار اور ان کے پیغام کا تذکرہ کیا ہے تاکہ دعوت کے نشیب و فراز پر کڑی نگاہ رکھتے ہوئے آپؐ اس میدان میں قدم رکھیں۔

**حضرت نوحؑ** حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا، حضرت نوح علیہ السلام کی طویل جدوجہد اور ان کا نہایت مشفقانہ رویہ بیان کیا ہے اور ان کی قوم کی بغاوت اور سرکشی کا تذکرہ کر کے نتیجے کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ماننے والوں کی فتح و نصرت اور منکرین کی تباہی اور غرقابی کو بیان کیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کے تذکرہ کا مقصد بھی یہی ہے کہ نبی کی آواز پر لبیک کہنے والے کامیاب ہوتے ہیں اور منکرین عذاب الٰہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ نیز نامساعد حالات کے باوجود نبی کا یہ کردار رہتا ہے کہ وہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر مایوس نہیں ہوتا۔

**حضرت ہودؑ** حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا نام قوم عاد ہے، قوم عاد کی فنکاری اور ان کی جدت پسندی سب اس وقت دھری کی دھری رہ گئی جب انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کے پیغام سے روگردانی کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے سخت عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا۔

اس تذکرہ میں بھی نبی کی مخالفت کرنے والوں کا دردناک انجام بتایا گیا ہے۔

**حضرت صالحؑ** حضرت ہود علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ کی قوم کا نام قوم ثمود ہے۔ اس قوم کی مضبوطی۔ پہاڑوں کی تراش خراش اپنی جگہ مسلم ہے لیکن جب اس مضبوط قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے طلب کیا ہوا معجزہ اونٹنی کی شکل

میں دیکھنے کے باوجود حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان نہ لائی اور مسلسل بغاوت وسرکشی کی راہ اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے اس مضبوط قوم کو بھی تباہ وبرباد کر دیا۔

اس واقعہ کا مقصد بھی یہی ہے کہ اہل مکہ ہوں یا کوئی اور۔ اگر وہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کے پیغام سے روگردانی کر کے بغاوت سرکشی کی راہ اختیار کرے گا تو وہ اللہ جس نے ماقبل کی ان قوموں کو عذاب میں مبتلا کیا ہے وہی اللہ ان لوگوں پر بھی عذاب نازل کرنے پر قادر ہے۔ جو اس کے رسول حضرت محمد ﷺ سے روگردانی کرنے اور آپ کی تکذیب کرنے کے درپے ہوں گے۔

**حضرت لوط ؑ** حضرت صالح علیہ السلام کے بعد حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا تذکرہ ہے جو بداخلاقی کی انتہا کو پہونچی ہوئی تھی۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کی افہام وتفہیم سے صحیح راہ پر آنے کے بجائے حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی بستی سے نکالنے پر وہ قوم آمادہ ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو نجات عطا فرمائی اور اس پوری بستی کو الٹ کر اس پر پتھروں کی ایسی بارش نازل فرمائی ایک باغی بھی نہ بچ سکا۔

یہ واقعہ یہ بتانے کیلئے بہت کافی ہے کہ نبیؐ کی تعلیمات کا مقابلہ کرنا خود کو تباہ کرنے کے ہم معنیٰ ہے۔

**حضرت شعیب ؑ** حضرت لوط علیہ السلام کے تذکرہ کر کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم اجب الدینہ کا تذکرہ ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں دیگر اخلاقی بیماریوں کے ساتھ ساتھ دو اہم بیماریاں موجود تھیں ایک تو وہ قوم ناپ تول میں کمی کرتی تھی اور دوسرے یہ کہ چلتے مسافروں کو لوٹ لیتی تھی۔

جب اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے اس قوم کے بیچ اللہ کا پیغام سنایا تو تسلیم و رضا کی بجائے اس قوم نے مقابلہ آرائی کی راہ اختیار کی۔ اور خود اپنے اوپر عذاب الٰہی کے نزول کی تمنا ظاہر کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس منکر قوم کا بھی صفایا کر دیا۔

اس واقعہ میں بھی نبی کے نے ماننے والوں کی تباہی کا تذکرہ ہے۔

یہ چند اہم، عبرتناک اور سبق آموز واقعات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا۔

**وانذر عشیرتک الاقربین . و اخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین فان عصوک فقل انی بری مما تعملون وتوکل علی العزیز الرحیم .**

آپ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔ اور جو لوگ آپؐ کے پیغام کو قبول کریں آپ ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمائیں۔ اور جو لوگ آپؐ کی نافرمانی کریں تو آپؐ ان سے صاف صاف کہدیں کہ تمہاری کرتوتوں کا میں ذمے دار نہیں ہوں اور آپ تو اس اللہ پر بھروسہ رکھیں جو بڑے غلبہ والا ہے اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

# قرابت داروں کو اسلام کی دعوت

سرور کائنات ﷺ کو علی الاعلان دعوت کا حکم ملا اور اس میں بھی نزدیک ترین قرابت داروں سے کار دعوت شروع کرنے کی تلقین ہے۔ چنانچہ آپؐ نے تمام بنو ہاشم کو کھانے پر مدعو کیا۔ ابولہب اس اجتماع سے بے حد فکر مند تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر اس مجمع سے محمد بن عبداللہ کو بات کرنے کا موقع مل گیا تو بہت ممکن ہے یہ کسی نئی تحریک کا آغاز کردیں۔ اور اور اگر بالفرض انہوں نے کسی نئی تحریک کا آغاز کردیا تو اپنے بلند اخلاق و کردار اور دور اندیشی کی بنا پر ان تمام لوگوں کو اپنی طرف مائل کرلیں گے اور اگر ایسا ہوا تو کردار محمدؐ کے سامنے میرا رنگ پھیکا پڑ جائے گا۔

ابو طالب اپنے خاندان میں سرمایہ اور دولت کے لحاظ سے سب سے بڑا آدمی تھا۔ اس بنا پر قبل اس کے کہ سرور کائنات ﷺ کچھ ارشاد فرماتے ابولہب نہایت ہوشیاری سے سرور کائنات ﷺ کو سمجھانے لگا۔ اس نے کہا۔ دیکھو محمدؐ! یہاں اس مجمع میں تمہارے چچا اور چچا زاد بھائی موجود ہیں۔ تم گفتگو ضرور کرو لیکن ناسمجھی کی باتوں سے پرہیز کیجئے تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تمہارا خاندان پورے عرب کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اور ایک بڑے ہونے کے ناطے مجھے حق ہے کہ آپؐ کو آگے بڑھنے سے روکوں۔ اور اگر تم نے میری بات نہیں مانی اور اپنی ضد پر قائم رہے تو قریش کے تمام قبیلے تم پر حملہ کردیں گے اور عرب کے دیگر لوگ بھی ان کی امداد پر کمر کس لیں گے۔ پھر شاید تم سے بڑھ کر اپنے باپ کے خاندان کو تباہ کرنے کا ذمے دار کوئی اور نہیں ہوگا۔

ابولہب کی اس بے ہودہ بکواس کے پیش نظر سرور کائنات ﷺ نے خاموشی اختیار کرلی اور

اس مجلس میں پھر کوئی گفتگو نہ فرمائی۔

لیکن اللہ کا وہ رسول جو پوری کائنات کے انسانوں کی رہبری اور رہنمائی کے فرئض انجام دینے کے لئے مبعوث ہوا ہو وہ ابولہب کی اس بکواس کی بنا پر ہمیشہ کے لئے کیسے خاموش رہ سکتا ہے؟ پہلی مجلس کی خاموشی بھی ایک پیغام تھا۔لیکن اب وقت آچکا ہے کہ خاموشی کے ذریعہ پیغام دینے کے بجائے لب کشائی کی جائے اور نہایت واضح الفاظ میں حقیقت کو بیان کر دیا جائے چنانچہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے بنو ہاشم کو دوبارہ جمع کیا ان کے ساتھ بنو مطلب کو بھی بلایا، اور آپ کی اس کوشش سے تقریباً پینتالیس لوگ جمع ہو گئے، آپؐ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں، میں اس کی تعریف بیان کرتا ہوں اور اسی سے استعانت چاہتا ہوں، اس کی ذات پر میرا ایمان ہے، اور اسی پر مجھے بھروسہ ہے اور میں اس کا گواہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، آپؐ نے مجمع کو یہ بھی بتایا کہ رہبر اپنے گھرانے کے لوگوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں تمہارے لئے خصوصی طور پر اور لوگوں کے لئے عمومی طور پر اللہ کا رسول بن کر مبعوث ہوا ہوں۔ میں اللہ کی قسم کھاتے ہوئے تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہیں موت آکر رہے گی پھر جیسے کہ تم سو جاتے ہو اور سونے کے بعد تم جاگتے ہو اسی طرح مرنے کے بعد تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا۔ پھر اس دنیا میں تم نے جو کچھ بھی کیا ہوگا اس کا تم سے حساب لیا جائے گا، اس کے بعد یا تو ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل کر دئے جاؤ گے یا ہمیشہ کے لئے جہنم میں جھونک دئے جاؤ گے۔

سرور کائنات ﷺ کے اس بصیرت افروز بیان سے پورے مجمع پر سکوت کا عالم طاری ہو گیا، اور آپؐ کے چچا خواجہ ابوطالب نے آپ کے اس بیان کو بہت سراہا۔

ابوطالب نے کہا۔(نہ پوچھو) آپ کا تعاون کرنا ہمیں کتنا پسند ہے، اور آپؐ کی نصیحت کس قدر قبول کے لائق ہے۔اور آپؐ کی باتیں ہم کس قدر سچی جانتے ہیں اور یہ آپ کے والد کا خانوادہ ہے اور میں بھی اسی کا ایک فرد ہوں۔فرق صرف اتنا ہے کہ میں آپؐ کی پسند کو پورا کرنے

کے لئے اس سب سے زیادہ کوشش کرتا ہوں ،لہٰذا آپؐ کو جس بات کا حکم ہوا ہے اسے انجام دو.....ابولہب یہ سارا منظر دیکھ کر بوکھلا گیا اور اس نے کہا رب کعبہ کی قسم! یہ برائی ہے اور اس کے ہاتھ دوسروں سے پہلے تم خود ہی پکڑنے کی کوشش کرو۔

شفیق چچا ابو طالب نے نہایت دلیرانہ انداز میں کہا۔ اللہ کی قسم جب تک ہمارے جسم میں جان ہے ہم ان کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

ابولہب نے اس موقع پر ایک بار پھر اپنے تیکھے تیور دکھائے اور مجلس برخاست ہوگئی۔

# صفا پہاڑی پر

اہل عرب کا دستور تھا کہ جب کسی ناگہانی آفت و مصیبت کی عمومی اطلاع دینی ہوتی تھی تو کسی پہاڑ پر چڑھ کر یا صباحاہ کی آواز لگائی جاتی تھی اور اس آواز کو سن کر لوگ اس آواز لگانے والے کے اردگرد جمع ہو جاتے اور وہ شخص اس ناگہانی مصیبت سے اسے آگاہ کر دیتا۔

کوہ صفا کے محل وقوع اور اس کی ساخت کو اگر دیکھا جائے تو اہل مکہ کو آواز لگانے کے لئے اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں تھی۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اس پہاڑی کا انتخاب کیا۔ عرب کے اسی دستور کے مطابق سرور کائنات ﷺ نے ایک روز کوہ صفا پر چڑھ کر آواز لگائی یا صباحاہ.

صفا پہاڑی سے اہل مکہ نے ایک آواز سنی۔ یہ آواز اس عظیم شخصیت کی تھی جس کے احترام کی بنا پر لوگ اس کا نام لینا بے ادبی سمجھتے تھے۔

یہ آواز تھی الصادق الامین کی۔ یہ آواز تھی اس محمد ﷺ کی جس نے اپنے چالیس سالہ کردار سے لوگوں کو اس قدر متاثر کر دیا تھا کہ ہر چھوٹے بڑے کے دل میں اس کا احترام بھی تھا اور عقیدت بھی۔ بڑے بڑے اہم مسائل کو حل کرنے کے لئے وہ لوگ آپؐ سے ہی رجوع کیا کرتے تھے۔ حجر اسود کو نصب کرنے کے معاملہ میں آپؐ کی غیر معمولی حکمت عملی سے وہ بے حد متاثر ہو چکے تھے۔ آپؐ سے بہتر ان کی نگاہ میں کوئی اور نہ تھا۔ حسن اخلاق میں آپؐ کی کوئی مثال نہ تھی۔

غرضیکہ اہل مکہ نے سچے محمد ﷺ کی آواز سنی تو آپؐ کے پاس جمع ہو گئے حتیٰ کہ اگر کوئی کسی عذر کی وجہ سے صفا پہاڑی کے پاس حاضر نہیں ہو سکا تو اس نے اپنا قاصد بھیجا، تا کہ وہ سن کر بتا سکے کہ حضرت محمد ﷺ نے کس خطرہ کے بارے میں آگاہ کیا ہے۔

جب تمام قبائل قریش آپؐ کے اردگرد جمع ہو گئے تو آپؐ نے کہا۔ اگر میں آپ لوگوں سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے دامن میں ایک لشکر موجود ہے جو عنقریب تمہارے اوپر حملہ کرنے والا ہے تو کیا آپ لوگ میری اس بات کی تصدیق کریں گے؟ ان لوگوں کہا۔ کیوں نہیں؟! ہم آپؐ کی تصدیق ضرور کریں گے کیونکہ ہم نے کبھی بھی آپ پر جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا۔ اس قول و قرار کے بعد سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔

ایک سخت عذاب آنے والا ہے اور میں اس عذاب کے آنے سے پہلے تمہیں ڈرانے کے لئے آیا ہوں"

اتنا سننا تھا کہ وہی ابولہب جو اس سے قبل دو مرتبہ سرور کائنات ﷺ سے مزاحمت کر چکا تھا پھر آگے بڑھا اور اس مرتبہ اس نے سرور کائنات ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے بولا ناس ہو تیرا اے محمدؐ! کیا تو نے آج ہمیں اسی لئے بلایا تھا۔

بارگاہ رسالت مآبؐ میں کسی گستاخ کی یہ پہلی گستاخی تھی جس کے نتیجے میں سورۂ لہب نازل ہوئی اور اس میں ابولہب کی تباہی اور بربادی کو بیان کیا گیا ہے۔

کوہ صفا سے سرور کائنات ﷺ نے باقاعدہ علی الاعلان دعوت کا کام شروع کر دیا اور آپؐ ہی کے گھرانے کے خاص ذمے دار شخص ابولہب نے برسر عام مخالفت کے لئے کمر کس لی، لیکن سرور کائنات ﷺ جو مقصد تھا وہ صفا پہاڑی کے اس پیغام سے پورا ہو گیا۔ لوگ اس صادق وامین کی زبانی یہ پیغام سن کر کچھ سوچنے پر مجبور ہوئے۔

اس کے بعد سرور کائنات ﷺ نے ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرت کیلئے دلائل پیش فرما کر واضح فرما دیا کہ جملہ خیر وفلاح کا حصول ان ایمانیات کے تسلیم کرنے پر ہی منحصر ہے۔

# سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلابی طریق کار

ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائی طور پر جس قوم سے سابقہ پڑا تھا وہ اعتقادی حیثیت سے دو گروہوں میں تقسیم تھی۔ ایک گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جو رب کائنات کی فرماں روائی میں غیروں کو بھی شریکِ کار تصور کرتا تھا۔ اور دوسرا گروہ ایسا تھا جو نری جہالت کی وجہ سے اس عظیم طاقت ہی کا منکر تھا جس نے اس کائنات کو وجود بخشا ہے۔

ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان اولین مخاطبین کی ذہنیت اور ان کے مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے تدریجی طور پر ان کے سامنے پیغام الٰہی پیش کیا۔ چنانچہ جو لوگ رب العالمین کے وجود کو تسلیم کر کے غیروں کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے ان کے سامنے آپؐ نے وحدانیت پر مشتمل ایک بے مثال پیغام پیش کیا اور جو لوگ سرے سے رب کائنات کے وجود ہی کو نہیں مانتے تھے ان کے سامنے آپؐ نے اس ذات عالی کے وجود پر ٹھوس اور مضبوط دلائل قائم فرمائے۔

اسی کے ساتھ ساتھ آپؐ نے اپنی رسالت پر مبنی بین معجزات پیش کئے اور قدم قدم پر حیات بعد الممات کا احساس دلاتے رہے۔

## اسلام کے بنیادی عناصر

ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا محور تین چیزیں تھیں۔(۱) ایمان باللہ (۲) ایمان بالرسول (۳) ایمان بالآخرت۔ یہی وہ تین بنیادی عناصر ہیں جن سے پورے مذہب اسلام کی ترکیب ہوئی ہے۔

## ایمان باللہ

حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات کے حقیر سے حقیر ذرہ سے لے کر عظیم سے عظیم ستارے اور سیارے تک ہر چیز اپنے اندر اس لامتناہی کائنات کے خالق و مالک کے وجود اور اس کی صنعت و

قدرت کے وہ واضح دلائل لئے ہوئے ہے کہ مٹی کا یہ ہنستا بولتا پتلا اگر تھوڑے سے تفکر وتدبر سے کام لے تو رب العالمین اور خالق کائنات کا تعارف حاصل کرسکتا ہے۔

یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، یہ انگڑائی لیتے ہوئے دریا، یہ آسمانوں کو چھوتے ہوئے پہاڑ، یہ کوہ آتش فشاں کے وحشت ناک دھماکے، یہ صبح وشام کا عظیم الشان نظام، یہ چاند وسورج کی آمد ورفت، یہ کہکشاں کی جگمگاہٹ، یہ ہنستے ہوئے پھول اور روتے ہوئے بادل، یہ کڑکتی ہوئی بجلی اور خاموش صحرا، غرضیکہ کائنات کی ہر شئ عقل وفہم کے حامل انسانوں کو ہر گھڑی یہ دعوت دے رہی ہے کہ اے انسانو! آگے بڑھو اور ہماری حقیقت اور ہماری صفات میں خدا کی دی ہوئی فکر ونظر کی صلاحیت کو استعمال کرو اور پھر عقل وشعور کی عدالت میں اس کا فیصلہ کرالو کہ کسی خالق کی خلقت اور کسی صانع کی صنعت کے بغیر ہم سب خود بخود وجود پذیر ہوگئے، یا ہمارا وجود کسی عظیم طاقت اور بے مثال خالق کے اشارہ کا مرہون منت ہے۔

ظاہر ہے کہ عقل سلیم کا فیصلہ اس کے سوا آخر کیا ہوسکتا ہے کہ کارخانہ حیات کی کوئی بھی چیز خود بخود قائم نہیں ہوگئی، بلکہ اس کے پیچھے ایک زبردست طاقت کارفرما ہے، جو ہر شئ کو بڑے ہی اعتدال کے ساتھ نشو ونما بخش رہی ہے۔

یہ مہکتے ہوئے پھول خوشبو کہاں سے لائے؟ اس مختلف الالوان کیاری میں طرح طرح کے رنگ کس نے بھر دیئے؟ ان لہلہاتے ہوئے باغوں کو زمین کا سینہ چاک کر کے کس نے نکالا؟۔ ایک ہرے بھرے درخت میں آتش زنی کا مادہ کس نے بھر دیا؟ وہ کون ہے جو سمندر سے پانی کے مشکیزے بھر بھر کر تمہارے کھیتوں کو سیراب کرتا ہے؟ آخر وہ کون ہے جو ایک حقیر اور ناپاک نطفہ سے ہنستا بولتا عقل وشعور کا حامل انسان بنا دیتا ہے۔

کیا کائنات کا یہ کون وفساد خود بخود ہو رہا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!! بلکہ اس تغیر عالم کے پس پردہ اس عظیم قوت کی فرماں روائی ہے جس کے حکم کے بغیر کائنات کا ایک ذرہ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوسکتا۔

تھوڑی دیر کے لئے آپ فرض کر لیجئے کہ کوئی شخص آپ سے یہ کہنے لگے کہ آج میں نے فلاں علاقے میں ایک مکان تعمیر ہوتے ہوئے دیکھا تھا، مگر وہاں نہ کوئی معمار تھا اور نہ کوئی مزدور بلکہ بلڈنگ مٹیریل خود بخود مناسب پانی میں گھل مل جاتا اور آپ ہی آپ وہ مسالہ دیواروں پر آ کر بچھ جاتا۔ اور لطف کی بات یہ تھی کہ مکان کے نقشے کے مطابق ہر اینٹ کٹ چھنٹ کر اپنے مقام پر آ کر لگ جاتی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ عمارت اپنی تعمیر کی آخری حدود کو پہونچ گئی تو کیا آپ اس کی اس بکواس کی تصدیق کر دیں گے؟

حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی ذی عقل انسان اس شخص کی ان باتوں کو ایک افسانہ اور خواب سے زیادہ کچھ اہمیت نہ دے گا بلکہ اگر وہ اس پر اصرار کرنے لگے تو کوئی بھی شخص اسے سر پھرا اور دیوانہ کہنے میں ذرہ برابر بھی دریغ نہ کرے گا۔

کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ جب بغیر کسی معمار کے کوئی مکان تعمیر نہیں ہو سکتا۔ بغیر کسی انجینئر کے کوئی صحیح نقشہ نہیں بن سکتا، بغیر کسی مزدور کے بلڈنگ مٹیریل اپنے صحیح مقام پر نہیں پہونچ سکتا۔ تو پھر ایک مکان خود بخود اپنی تعمیر کی انتہائی حدود کو آخر کس طرح چھو سکتا ہے؟

یہ تیزی کے ساتھ گھومتے ہوئے پنکھے خود بخود نہیں بن گئے۔ یہ جگمگاتے ہوئے قمقمے از خود نہیں چمک اٹھے۔ یہ تیز رفتاری کے ساتھ دوڑتی ہوئی ٹرینیں اور اڑتے ہوئے جہاز یکا یک آسمانوں سے اتر کر اپنے کام میں مصروف نہیں ہو گئے۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک کو بنانے کے لئے بڑے بڑے پلانٹ اور کارخانے ہیں۔ پھر ان کارخانوں کو چلانے کے لئے زبردست قسم کی سوجھ بوجھ رکھنے والے انجینئر مقرر ہیں۔ اور کارخانے کی مشینری کو حرکت میں لانے کے لئے ایک غیر معمولی برقی طاقت کارفرما ہے۔ پھر ان مشینوں کی نقل و حرکت پر ہر وقت بڑی حاضر دماغی کے ساتھ نظر رکھی جاتی ہے۔ تب کہیں جا کر ایجادات کی یہ مختلف شکلیں ہمارے اور آپ کے سامنے آتی ہیں۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے جب یہ چھوٹی موٹی چیزیں خود بخود نہیں بن سکتیں تو یہ کارخانۂ حیات آخر خود بخود کیسے بن گیا؟۔ جب معمولی سے معمولی مشینری از خود حرکت نہیں کر سکتی تو پھر کائنات کا یہ عظیم الشان نظام بغیر کسی منتظم کے کیسے چل سکتا ہے؟۔ اور جب چھوٹے سے چھوٹا آیئٹم کسی کاریگر کے بغیر ایک مخصوص ہیئت اختیار نہیں کر سکتا تو اس عالم کی لاتعداد مخلوق آخر خود بخود کس طرح وجود پذیر ہوگئی۔

یہ ہیں وہ سوالات جو عقل وشعور کے حامل ہر انسان کو دعوت دیتے ہیں کہ ان کا حل تلاش کرو۔ اور صرف یہ کہہ کر قدم آگے بڑھادو کہ یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے۔ ورنہ دنیا کی تاریخ میں تم سے زیادہ سر پھرا اور دیوانہ کوئی نہیں ملے گا۔

## فطرت کی رہنمائی

اس سلسلے میں اگر آپ فکر ونظر سے کام لیں تو خود آپ کا ضمیر پکار پکار کر کہے گا کہ کائنات کا یہ کون وفساد خود بخود نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ اس کے پس پردہ عقل انسانی سے ماوراء ایک عظیم طاقت کی حکمرانی ہے جو اس کارخانہ حیات کو بڑے ہی اعتدال کے ساتھ اپنے کنٹرول میں لئے ہوئے ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ اپنی ذات کو دیکھئے اور اپنی اس چھوٹی موٹی کائنات پر نظر دوڑایئے، تو آپ کو خود اپنی شخصیت میں ایک حیرت انگیز انقلاب نظر آئے گا۔

اپنی شخصیت پر غور کرنے میں آپ صرف دو چیزیں ملحوظ رکھیں۔ اول یہ کہ یہ دیکھتی ہوئی آنکھیں، یہ سنتے ہوئے کان، یہ سونگھتی ہوئی ناک، یہ بولتی ہوئی زبان، یہ حرکت کرتے ہوئے ہاتھ پیر، یہ دھڑکتا ہوا دل، یہ لال خون اور زرد پٹھے، یہ کالے بال اور سفید دانت کس مادہ اور کس مٹیریل سے تیار ہوئے ہیں؟

دوسرے یہ کہ ان سب اعضاء اور حواس کی تخلیق میں انسان کی اپنی کاریگری کا کہاں تک دخل ہے؟

تو جہاں تک تعلق اعضاء انسانی اور اس کے حواس خمسہ ظاہرہ و باطنہ کے مٹیریل کا ہے تو اس سلسلے میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آج کے ترقی یافتہ انسان کے پاس بھی کوئی ایسا مادہ نہیں ہے جس سے ان قدرتی اعضاء اور ظاہر و باطن کے حواس کی تخلیق کی جا سکے۔ انسان کا یہ گوشت پوست، اس کی چربی اور ہڈی نیز اس کے ناخن اور بال غرضیکہ انسانی بدن کے کسی بھی حصہ کا کوئی مادہ نہ تو زمین کی کسی کان سے برآمد ہوتا ہے اور نہ ہی آسمان سے اس کی بارش ہوتی ہے۔

اور جہاں تک انسانی خلقت اور اس کی ہیئت کذائیہ میں انسان کے اپنے عمل دخل کا تعلق ہے تو اس بارے میں بھی ہر شخص خوب جانتا اور سمجھتا ہے کہ رحم مادر میں بچہ کے تخلیقی عناصر کو ترکیب دینے میں اور ان کے نشو ونما میں انسان کی اپنی پوزیشن کیا ہے۔

استقرار حمل کے بعد نہ تو باپ کو خبر ہوتی ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہو رہا ہے اور نہ ہی ماں کو پتہ چلتا ہے کہ اس وقت بچے کا کون سا عضو تیار ہو رہا ہے۔ ماں غفلت کی نیند سوتی ہے اور اس کے پیٹ میں بچہ کی نازک ترین آنکھیں تیار ہو رہی ہیں۔ ماں گاجر اور مولی کھاتی ہے اور اس کے رحم میں سوچنے اور سمجھنے والا دماغ بن رہا ہے۔ ماں اپنے کام دھندے میں مصروف ہے اور اس کے پیٹ میں تیار ہونے والے بچہ کو تمام قسم کے حواس ودیعت کئے جا رہے ہیں۔ غرضیکہ بچہ کے تخلیقی عناصر کو ترکیب دینے میں اور ان کی نشو ونما میں نہ تو باپ کا کوئی دخل ہے اور نہ ہی ماں کا کوئی کردار ہے۔

## کائنات کا مطالعہ

بہتر یہ ہے کہ اپنی شخصیت پر نظر ڈالنے کے ساتھ ساتھ اگر ایک قدم اور بڑھ کر اپنے اردگرد کے ماحول کو بھی دیکھ لیا جائے تو حقیقت کی تلاش میں اور زیادہ رہنمائی مل سکتی ہے۔ اس لئے اب آپ اپنی ذات سے ہٹ کر اس کائنات کی چند چیزوں پر بھی نظر دوڑائیے اور اس دنیا پر اپنی بساط کے مطابق غور کیجئے۔

اس سلسلے میں آپ سب سے پہلے نباتات کی حقیقت پر غور کریں۔ کہ ایک بیج کا دانہ زمین کے مضبوط ترین سینے کو چاک کرتا ہوا کس طرح باہر نکل آتا ہے اور علم و ہنر کے دعویدار انسان کا اس کی رویدگی میں کہاں تک کیا دخل ہے؟

ایک کسان بیج لے کر کھیت میں جاتا ہے اور اسے زمین کے حوالے کر کے اپنے گھر واپس آجاتا ہے۔ چند دنوں کے بعد خاک میں ملے ہوئے ان دانوں سے نرم و نازک کونپلیں زمین کے دامن کو تار تار کرتی ہوئی باہر نکل آتی ہیں۔ اور سورج کی کرنوں اور چاند کی شعاعوں اور ہوا کی رطوبت اور زمین کی غذایت سے آہستہ آہستہ وہ کونپلیں ایک تناور درخت کی شکلیں اختیار کر لیتی ہیں، پھر ان میں طرح طرح کے پھول اور پھل لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔

تو سوال یہ ہے کہ یہ لہلہاتے ہوئے پیڑ پودے اور مشام جاں کو معطر کرتی ہوئی ان کی خوشبو اور دل لبھاتے ہوئے ان کے پھول اور پھل، ان سب میں انسان کی اپنی صلاحیت کا کہاں تک دخل ہے؟۔

اسی طرح یہ پانی جو ہماری زندگی کا جزو لاینفک ہے، جس کے بغیر ہماری حیات کا تانا بانا بکھر سکتا ہے۔ جب آپ اس کے عظیم الشان نظام پر غور کریں گے تو بھی آپ کو ایک حیرت انگیز انقلاب نظر آئے گا۔

سورج کی گرم شعاعیں سمندر کے پانی کو بخارات کی شکل میں تبدیل کر کے بادل بنا دیتی ہیں۔ اور ہوا ان بادلوں کو مردہ زمین کی طرف دھکیلتی ہوئی لے جاتی ہے۔ اور یکا یک زمین کی خشکی تری میں تبدیل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ بے چارہ انسان اس معاملہ میں بھی بالکل عاجز اور درماندہ ہے، کیونکہ نہ تو وہ سمندر سے بخارات اٹھا کر بادل بنا سکتا ہے اور نہ ہی پانی بھرے بادلوں کو ایک علاقے سے ہانک کر دوسرے علاقہ میں بھیج سکتا ہے۔ اور نہ ہی اپنی قدرت سے ان سے پانی اتار سکتا ہے۔

اسی طرح یہ آگ جو ہمارے دیوں کو روشن کئے ہوئے ہے۔ اور جس سے ہم اپنی غذا

کے لئے طرح طرح کے کھانے پکاتے اور گرم کرتے ہیں۔ اور جس کے دم سے بڑی بڑی ٹرینیں بھاگتی اور دوڑتی چلی جارہی ہیں۔ ذرا اس کے ابتدائی ماخذ پر نظر دوڑایئے! یقیناً آپ کو محیر العقول عجوبہ محسوس ہوگا۔ کیونکہ ایک ہرا بھرا درخت جو اسی زمین سے اگتا ہے اور جس کی پرورش میں پانی ایک جزو کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر پانی رستے ہوئے اس ہرے بھرے درخت میں آتش زنی کا مادہ بھرا پڑا ہے۔ جس سے یکا یک علاقے کے علاقے تباہ و برباد اور خاکستر ہو سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں بھی انسان کو اپنی تمام تر عاجزی اور درماندگی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس درخت کی رویدگی میں اس غریب کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

یہاں تک آپ نے اپنی شخصیت پر نظر ڈالنے کے ساتھ ساتھ کائنات کی چند چیزوں پر بھی سرسری نگاہ دوڑالی ہے۔ اور ان ساری چیزوں میں انسان کے عمل دخل کا بھی جائزہ لے چکے ہیں۔ اور ہر ہر قدم پر انسان کی عاجزی اور درماندگی ابھر ابھر کر سامنے آچکی ہے کہ پوری کائنات تو درکنار انسان اس کے ایک ذرہ کی بھی تخلیق نہیں کرسکتا۔

تو اصل سوال یہ ہے کہ انسان کی تخلیق میں کونسا مادہ استعمال ہوا ہے اور اس کے تخلیقی عناصر کو باہم ترکیب دینے کی ذمہ داری کس نے قبول کی ہے۔ اسی طرح یہ کھیتی، آگ، پانی غرضیکہ یہ پوری کائنات اپنے وجود میں کس ذاتِ عالی کی محتاج ہے۔

## قرآنی پیغام

آیئے! اب ان ساری باتوں کا حل اس پیغامِ الٰہی میں تلاش کیا جائے جسے ہادی عالم حضرت محمد ﷺ نے خدا کے وجود پر بطور دلیل پیش کیا ہے۔

اس سلسلے میں قرآنِ مقدس دنیا کے تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ان کو اپنی اصل ماہیت کے بارے میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ

یعنی اے انسان اپنی حقیقت تو دیکھ کہ تجھے کس چیز سے پیدا کیا گیا؟

اس مختصر سے سوال کو آپ ایک وسیع پیمانہ پر پھیلا کر اس طرح سوچئے! کہ یہ دیکھتی ہوئی آنکھیں اور ان کی قوتِ باصرہ، یہ سنتے ہوئے کان اور ان کی قوت سامعہ، یہ زبان اور اس کی قوت ذائقہ، یہ متحرک بدن اور اس کے لمس واحساس کی صلاحیت آخر یہ سب چیزیں کس مادہ سے بنائی گئی ہیں۔ یہ دھڑکتا ہوا دل کس چیز سے تیار ہوا ہے، یہ پتھر کے تراشے ہوئے مضبوط ترین دانت کہاں سے آگئے، یہ بالوں کی سیاہی اور سفیدی، یہ خون کی سرخی اور پٹھوں کی زردی کس میٹریل کا کرشمہ ہے؟

قرآن مقدس ان تمام سوالوں کا جواب ان مختصر الفاظ میں دیتا ہے۔

خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَائِبُ (پ۳ الطارق ۶۔۷)

یعنی اے انسان یہ تیرا متحرک بدن اور اس کی جملہ صلاحتیں ایک اچھلتے ہوئے پانی کی کرشمہ سازی ہے جو پشت اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے کھینچ کر آتا ہے۔

پھر اس نطفہ کو ماں کے پیٹ میں کن مراحل سے گذار کر انسانی وجود بخشا گیا؟ اس کے متعلق قرآن بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغةً فخلقنا المضغة عظاماً فكسونا العظام لحما ثم انشاناه خلقا آخر (پ۱۸ المؤمنون ۱۴)

پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی کے بعض اجزاء کو ہڈی بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اس کو ایک دوسرے طرح کی مخلوق بنا دی۔

پھر انسان کو آنکھ، کان اور دل وغیرہ کس نے اور کیوں ودیعت کئے؟ اس سلسلے میں قرآن مجید نے یہ حقیقت بیان کی ہے۔

واللہ اخرجکم من بطون امھٰتکم لاتعلمون شیئاً وجعل لکم السمع والابصار والافئدة لعلکم تشکرون (پ۱۴ النحل ۷۸)

اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل اس لئے بنائے ہیں تا کہ تم شکر ادا کرو۔

پھر انسان کو یہ مختلف حواس کس طرح کے مقام میں عنایت کئے گئے؟ اس کے متعلق قرآنِ مقدس خالقِ کائنات کی قدرتِ کاملہ اور بے مثال صنعت کا احساس دلاتے ہوئے کہتا ہے۔

یخلقکم فی بطون امھٰتکم خلقاًمن بعد خلقٍ فی ظلمٰتٍ ثلٰثٍ(پ۲۳ الزمر ۶)

وہ تدریجی طور پر تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین اندھیریوں کے اندر پیدا کرتا ہے۔

ان ساری حقیقتوں کو پیش کرنے کے بعد خود اللہ تعالیٰ انسان کی زبان سے یہ امر فیصل کرانا چاہتا ہے کہ۔

اَفَرَأَیتُم مَا تُمنُوْن ءَاَنتُم تخلقونہ اَمْ نَحنُ الخالِقُوْن (پ۲۷ الواقعہ ۵۸،۵۹)

اے انسانو! کیا تم نے اس مادۂ منویہ پر غور نہیں کیا جسے تم رحم میں ٹپکاتے ہو کہ تم اس قطرۂ آب کو انسانی وجود بخشتے ہو یا ہم اس کو وجود عطا کرنے والے ہیں؟

ظاہر ہے کہ اب انسان کے پاس اس کے سوا آخر کیا جواب رہ جاتا ہے کہ رب العالمین! تو ہی ہمارا خالق ہے۔ اور ہمارے اپنے وجود میں تیرے سوا کسی اور کی صنعت وقدرت کا ذرہ برابر بھی کوئی دخل نہیں ہے۔

اسی طرح نباتات کے سلسلے میں قرآن تمام انسانوں سے پوچھتا ہے کہ۔

افرأیت ما تَحرُثون ءَأنتم تَزرَعُونَہٗ اَمْ نحنُ الزّٰرِعون (پ۲۷ الواقعہ ۶۳،۶۴)

اے انسانو! کیا تم نے اس بیج کے متعلق غور وفکر نہیں کیا جسے تم بوتے ہو، کہ تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟

اسی طرح پانی کی فراہمی کے بارے میں دوٹوک بات پوچھی گئی ہے کہ۔

افرأیتم الماء الَّذِی تَشربُون ءَاَنتُمْ اَنزَلتُمُوہ من المزن اَم نَحن المنزلون(پ۲۷ الواقعہ ۶۸،۶۹)

اے انسانو! کیا تم نے اس پانی کے بارے میں غور نہیں کیا جسے تم پیتے ہو، کیا بادلوں سے اس کو تم اتارتے ہو یا ہم اس کو اتارنے والے ہیں؟

اسی طرح آگ کے ابتدائی ماخذ پر گفتگو کرتے ہوئے قرآن پوچھتا ہے کہ۔

افرأیتم النار التی تورون ءَاَنتم اَنشَأتم شَجَرَتَھَا اَمْ نَحنُ الْمُنشِئُوْنَ.(پ۲۷ الواقعہ ۷۱،۷۲)

یعنی اے انسانوں! کیا تم نے اس آگ کے بارے میں بھی کوئی غور کیا ہے جسے تم روشن کرتے ہو، کیا تم نے اس کے پیڑ کو پیدا کیا ہے یا ہم اس کو پیدا کرنے والے ہیں؟

ظاہر ہے کہ ان ساری چیزوں میں انسان کی عاجزی اور درماندگی ابھرابھر کر سامنے آرہی ہے۔ اور کسی بڑے سے بڑے سائنس داں میں بھی یہ جرأت آج تک نہ پیدا ہوسکی کہ کائنات کے ایک ذرہ کی بھی تخلیق کا ذمہ اپنے سر لے سکے، اس لئے آپ کو تمام مادی طاقتوں سے ماوراء الوراء ایک ایسی طاقت ضرور تسلیم کرنی پڑے گی جس نے اس عظیم الشان کائنات کو وجود بخشا ہے اور اس میں اعتدال پیدا کیا ہے۔

ہم اسی طاقت کو اپنا معبودِ حقیقی تسلیم کر کے اس کے آگے سربسجود ہوتے ہیں اور اسی کے بتائے ہوئے احکام میں دونوں جہاں کی کامیابی سمجھتے ہیں۔

ذالکم اللہ ربکم لہ الملک لاالہ الا ھو فَاَنّٰی تُصرفون(پ۲۴ الزمر ۶)

یہی اللہ تمہارا رب ہے اسی کے لئے ملک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں! تو تم آخر کہاں پھرے جارہے ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اپنے بنانے والے پر ایک بین دلیل اور واضح نشانی ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

افلا ینظرون الی الابل کیف خُلِقَتْ والی السماءِ کیف رُفِعَتْ والَی الجبالِ کیف نُصِبَتْ والی الارض کیف سُطِحَتْ. (پ۳۰ الغاشیہ)

تو کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح پیدا کیا گیا اور آسمان کو کیسے بلند کیا گیا اور پہاڑ کو کیسے نصب کیا۔ اور زمین کو کہ کس طرح بچھائی گئی۔

لیکن پھر بھی خدا جانے یہ انسان اپنے رب کریم کو کیونکر بھلا بیٹھا اور اس کی یاد سے غافل ہوگیا۔ اور اس کی ذات سے بھٹک گیا۔

یٰایھاالانسانُ مَاغرَّکَ بِرَبِکَ الکَرِیم الَّذِی خَلَقَکَ فَسوّٰکَ فَعَدلک فی اَیِّ صورۃٍ مَاشاء رکَّبکَ(پ۳۰ الانفطار)

اے انسان تجھے تیرے اس رب کریم سے کس چیز نے دھوکہ میں ڈالدیا جس نے تجھے پیدا کیا۔ تیرے اعضاء درست کئے اور تیری قوتوں میں اعتدال پیدا کیا اور اپنی مرضی کے مطابق تیرے عناصر کو ترکیب دی۔

# وحدانیت

ہادیٔ عالم ﷺ کے اولین مخاطبین میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو خالقِ کائنات کے وجود کو تسلیم کر کے غیروں کو اس کی خدائی میں شریک کار ٹھہراتے تھے۔

وَ لَئِن سألتهم مَن خَلق السّمٰواتِ والارْضَ ليقولنَّ الله. (پ۲۴ الزمر ۳۸)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو وہ لازمی طور پر یہی کہیں گے کہ اللہ نے ان ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے۔

قُل لمن الارْضُ ومن فيها ان كُنتُمْ تعلمون سيقولون لله (پ۱۸ المومنين ۸۴. ۸۵)

آپ کہئے کہ زمین اور اس کی ساری چیزیں کس کی ہیں؟ اگر تم جانتے ہو، تو آپ کے اس سوال کے جواب میں وہ کہیں گے کہ یہ سب اللہ ہی کے لئے ہیں۔

قُل مَنْ بيدهٖ ملكوت كل شيئٍ وهو يجيو لا يجار عليهٖان كنتم تعلمون. سيقولون لله

(پ۱۸ المومنين ۸۸. ۸۹)

آپ کہئے کہ وہ کون ہے جس کے قبضے میں ہر چیز کی ملکیت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ اگر تم کو کچھ خبر ہے تو بھی وہ جواب میں یہی کہیں گے کہ یہ سب صفات بھی اللہ ہی کی ہیں۔

بہر کیف آپؐ کے اولین مخاطبین میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو رب العالمین کے وجود کو مانتے تھے مگر غیروں کو اس عظیم ذات کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔

# شرک اور اس کے مفاسد

دراصل شرک کی بنیادی وجہ خالقِ کائنات کی نامکمل معرفت ہے، جب بندہ اپنے رب کی ذات اور اس کی صفات سے واقف نہ ہوگا تو وہ غلط توقعات اور جھوٹے بھروسوں کے دام میں پھنس کر رہ جائے گا۔ اور اس سے قطعی طور پر خلاصی نصیب نہیں ہوسکتی۔

رب العالمین کی صحیح معرفت نہ ہونے کی وجہ سے کبھی یہ انسان اپنے آپ کو اتنا ذلیل سمجھنے لگتا ہے کہ بظاہر اس کائنات کی ہر نافع اور ضار چیز کے سامنے اپنی مقدس پیشانی کو جھکا دیتا ہے۔

چاند، سورج، درخت، پتھر، ہوا، آگ، دریا اور پہاڑ حتی کہ بندر اور سانپ جیسی مخلوق کے آگے بھی وہ سربسجود ہو جاتا ہے۔

جہاں اس کو کوئی فائدہ نظر آتا ہے تو جلب منفعت کی خاطر اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ اور جہاں کوئی نقصان دکھائی دیتا ہے تو دفع مضرت کے لئے اس کے آگے جھک جاتا ہے۔

اسی طرح خالقِ کائنات کی صحیح معرفت نہ ہونے کی وجہ سے انسان غلط توقعات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ خدا کی فرمانروائی میں اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے خدا شریک ہیں، اگر ہم ان چھوٹے خداؤں کی خوشامد کر لیں تو کوئی بعید نہیں کہ یہی چھوٹے خدا بڑے خدا کی عدالت میں ہماری سفارش کر دیں۔

**ویقولون ھؤلآء شفعاء نا عند اللہ.** (پ۱۱ یونس ۱۸)

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔

کوئی عدم معرفت کی بنیاد پر یہ گمان کئے بیٹھا ہے کہ حضرت مسیح اللہ کے بیٹے تھے اور ان کا سولی پر چڑھ جانا ہی ہمارے تمام گناہوں کا کفارہ ہے اور ہمارے واسطے ذریعہ نجات ہے۔ اب ہم کسی قانون کے پابند نہیں رہے بلکہ ہر قانون ہمارے زیر اثر ہے، ہم جس طرح چاہیں اسے بنائیں بگاڑیں، کیونکہ ہماری شخصیت تمام اصول وضوابط سے بالاتر ہے۔

کچھ لوگ اللہ کی ذات سے عدم واقفیت کی بنا پر اس کے ساتھ اپنا قریبی رشتہ جوڑتے ہوئے کہتے ہیں۔

**نحنُ ابناء اللہ واحباؤہٗ .** (پ۶ المائدہ ۱۸)

ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس سے محبت کرنے والے ہیں۔

اور کبھی کسی انسان میں کوئی محیر العقول عجوبہ دیکھ لیا تو اسے ہی دیوی اور دیوتا بنا بیٹھے، عرضیکہ یہ سب اسی شرک کی شاخیں ہیں جو انسان میں پستی، ذلت، اور عدم اعتماد کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

# شرک کے خلاف اسلام کا ردِ عمل

اس لئے ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کی ذہنیت رکھنے والے اپنے اولین مخاطبین کے سامنے رب العالمین کی فرمانروائی میں جھوٹے خداؤں کی پوزیشن ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

یٰایھا الناس ضُربَ مثلٌ فاستمعوا له ان الذین تدعونَ من دون الله لن یخلقوا ذباباً ولوِ اجتمعوا لهٗ وان یسلُبھم الذبابُ شیئاً لا یستنقِذوُا منهُ ضعف الطالبُ والمطلوبُ.

(پ۱۷ الحج ۷۳)

اے لوگو، ایک مثال بیان کی جاتی ہے اس کو تم دھیان سے سنو کہ اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی تک نہیں پیدا کر سکتے اگر چہ وہ سب کے سب اس کے لئے اکھٹے ہو جائیں اور اگر مکھی ان کے سامنے سے کچھ کھینچ کر لے جائے تو وہ اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے، طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔

آپؐ نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ اللہ کے علاوہ جن کو تم پوجتے ہو وہ خود تمہاری طرح اللہ کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں۔

ان الذین تدعون من دون الله عبادٌ امثالکم. (پ۹ الاعراف ۱۹۴)

تم جن سے امداد اور تعاون کی آس لگائے بیٹھے ہو وہ تمہاری مدد تو کیا کریں گے خود اپنی مدد پر قادر نہیں۔

لایستطیعون نصرکم ولاانفسھم ینصرون . (پ۹ الاعراف ۱۹۷)

تم سمجھتے ہو کہ یہ دنیا کی چیزیں نفع اور نقصان دیتی ہیں جب کہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

وان یمسسک الله بضرٍ فلا کاشف لهٗ الا ھو وان یردک بخیرٍ فلا رادلِفضلهٖ

(پ۱۱ ھود ۱۰۷)

اور اگر اللہ تمہیں کسی نقصان میں مبتلا کر دے تو اس کے علاوہ اس سے کوئی نجات دہندہ نہیں۔ اور اگر اللہ تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کی عنایت کو کوئی رد کرنے والا نہیں۔

تم سوچتے ہو کہ اللہ کے علاوہ بھی کچھ ایسی ہستیاں ہیں جنھیں حکمرانی کا حق حاصل ہے، تو یاد رکھو کہ یہ تمہاری اعلیٰ درجہ کی خام خیالی ہے۔

اِنِ الحکم اِلا لِلہ (پ۷ الانعام ۵۷)

اللہ کے علاوہ کسی کا کوئی حکم نہیں۔

تم گمان کرتے ہو کہ رزق کی کُنجیاں اللہ کے سوا کسی اور کے ہاتھ میں ہیں، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

اِنَّ اللہ ھُو الرّزاقُ ذوالقوۃِ المتین. (پ۲۷ الزاریات۵۸)

اللہ ہی رزق دینے والا ہے جو بڑی قوت والا ہے۔

تم دِل دِل میں سوچتے ہو گے کہ آخر اکیلا اللہ کس کس کی مدد کرتا ہوگا تو خوب سمجھ لو کہ:

**ومالکم من دون اللہ من ولیٍّ ولا نصیر** (پ۱ البقرۃ ۱۰۷)

تمہارا اللہ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے۔

جو بھی تمہیں مدد ملتی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

وَ ما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم. (پ۴ آلِ عمران ۱۲۶)

تم نے اَن گنت مخلوق خدا کی اولاد بنا رکھی ہے اور اس امید پر ان کی پوجا کرتے ہو کہ وہ تمہاری سفارش کر دیں گے تو یاد رکھو کہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ ہی اس کی حکومت میں کوئی شریک کار ہے۔

**لم یَکُنْ لہٗ ولدٌ ولم یکن لہٗ شریکٌ فی الملک** (پ۱۵ بنی اسرائیل ۱۱۱)

اور تم خود اپنی عقل سے فیصلہ کرو کہ آخر اس کی اولاد کیونکر ہو سکتی ہے جب کہ اس کی کوئی بیوی تک نہیں۔

انّٰی یکون لہ ولدٌ ولم تکن لہٗ صَاحِبۃ. (پ۷ الانعام ۱۰۲)

اس لئے اس کے حکم کے بغیر سفارش کرنے کی کوئی جرأت تک نہیں کر سکتا۔

**من ذی الذی یشفع عندہ الا باذنہٖ.**

کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس سفارش کرے۔

# تکوینی امور میں فرشتوں کی پوزیشن

تم فرشتوں کو خدائے ذوالجلال کی اولاد کہتے ہو ان کے ناموں کے ہیکل بنا بنا کر اس امید پر ان کی پرستش کرتے ہو کہ وہ تمہاری خطاؤں کو بخشوا دیں گے اور جو چاہیں گے تمہارے حق میں

فیصلہ کرادیں گے۔تو خوب سمجھ لو کہ ان کی پوزیشن تو صرف مدبراتِ امر کی ہے۔ان کا خدائی میں شریک ہونا تو درکنار وہ خدائے ذوالجلال سے آگے بڑھ کر بات تک نہیں کرسکتے۔وہ تو صرف وہی کام کرتے ہیں جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہے۔وہ خدا کی مرضی کے بغیر ذرہ برابر بھی کوئی کام نہیں کرسکتے۔وہ تو خود بے چارے خدائے ذوالجلال سے خوف زدہ رہتے ہیں۔

وقالوا اتخذ الرحمن ولداًسبحٰنه بل عبادٌ مکرمون لا یَسبقونه بالقول وھُم بامرہ یعملون یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ وھم من خشیتہٖ مُشفِقون (پ۱۷ الانبیآء ۲۶تا۲۸)

اورانھوں نے کہا کہ رحمٰن نے بیٹا بنایا ہے، پاک ہے اس کی ذات، وہ فرشتے تو اس کے باعزت بندے ہیں، وہ تو اس سے آگے بڑھ کر بات تک نہیں کرسکتے، وہ تو صرف وہی کام کرتے ہیں جو ان کا رب ان کو حکم دیتا ہے، جو بھی ان کے آگے اور پیچھے ہے اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے، وہ فرشتے کسی کی سفارش تک نہیں کرسکتے، علاوہ اس کے کہ جس کو خود اللہ چاہے، اور وہ اللہ کے جاہ وجلال سے خوف زدہ رہتے ہیں۔

فرشتے تو صرف وہی کام انجام دیتے ہیں جسکا انھیں رب العالمین کی جانب سے حکم دیا جاتا ہے وہ اللہ کے حکم اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی عمل کر ہی نہیں سکتے۔

لایعصون اللہ ماامر ھم ویفعلون ما یُومرون. (پ۲۸ التحریم ۶)

وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں جس کا کہ اس نے انھیں حکم دیا ہے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔

اور امر خداوندی کی اطاعت میں فرشتے بھی ٹھیک اسی طرح مصروف ہیں جس طرح کہ آسمان وزمین اور کائنات کی دیگر اشیاء اس کی فرماں برداری میں مشغول ہیں۔

وللّٰہ یَسجُد مَا فِی السمٰوٰتِ ومام فی الارض مِنْ دابۃٍ والملٰئکۃ وھمُ لا یستکبِرون (پ۱۴ النحل ۴۹)

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہیں وہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ تمام چیزیں جو زمینوں میں ہیں اور اسی کو فرشتے سجدہ کرتے ہیں اور وہ اس کے حکم سے یک سرمو بھی سرتابی نہیں کرتے۔

غرضیکہ مذہبِ اسلام نے تکوینی امور میں فرشتوں کی پوزیشن اس طور پر واضح کی ہے کہ

اس کو سمجھ لینے کے بعد شرک کے وہ تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں جن سے انسان غیر اللہ سے کچھ ہونے کا یقین کر سکتا ہے۔ کیونکہ فرشتوں جیسی مقرب مخلوق جب ربُّ العالمین کی بارگاہ میں اس طرح بے بس ہے تو شجر وحجر اور شمس وقمر کی کیا مجال ہے کہ اس کی بارگاہ میں لب کشائی کر سکیں۔

## انسان ایک عظیم مخلوق

اسی کے ساتھ ہادیٔ عالم ﷺ نے انسان کو اس کے بلند مقام سے بھی آگاہ فرمایا ہے کہ اے انسان! تیری یہ مقدس پیشانی اس مخلوق کے سامنے آخر کیونکر جھکتی ہے جو شرف وعزت میں تیرے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ ایک موقع پر تجھے ہی مسجودِ ملائک بنایا گیا تھا۔ تیرے ہی سر پر عزت وتکریم کا تاج رکھا گیا۔ اور بحر وبر کی حکمرانی کی باگ ڈور تیرے ہی ہاتھوں میں تھمائی گئی۔

ولقد کرَّمنا بنی آدمَ وحملْنا ھُم فی البرِ والبحرِ. (پ۱۵ بنی اسرائیل ۷۰)

اور ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا اور انھیں بحر وبر کی حکمرانی دی۔

اے انسان! تجھے تو خالقِ کائنات اور بے مثال مصور نے بڑے ہی اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم. (پ۳۰ التین ۴)

ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

مگر اے انسان تو نے ہی اپنے مقام کو نہیں پہچانا۔ اسی وجہ سے کبھی کسی پتھر کے سامنے سر بہ سجود ہو جاتا ہے کبھی کسی درخت کو اپنا معبود سمجھ کر اسے ہاتھ جوڑنے لگتا ہے۔ اور کبھی چاند وسورج کو دیوتا مان کر ان کی پرستش شروع کر دیتا ہے۔ اے انسان! آخر تو کہاں بھٹکا جا رہا ہے۔ اور کس کس کو اپنا معبود تسلیم کر کے اس کی عبادت میں مگن ہے۔ اے انسان! تیرا پروردگار تو وہ اللہ ہے جس کے لیے ہر طرح کی حکومت ہے اور وہی تیرا حقیقی معبود ہے، اس کے سوا اس کائنات کی کوئی

بھی شئ عبادت کے لائق نہیں۔

ذالکُمُ اللہ ربکم لہُ الملکُ لا اِلہَ الا ھوَ فانّی تُصرفون .(پ۲۳ الزمر۶)

وہ اللہ تمہارا رب ہے اسی کے لئے ملک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم کہاں بھٹکتے جارہے ہو۔

بہر کیف ہادیٔ عالم ﷺ نے مشرکانہ ذہنیت رکھنے والی قوم کے سامنے ایک طرف تو رب العالمین کا صحیح تعارف کرایا اور دوسری طرف انسانوں کو ان کے عظیم مقام سے روشناس کرایا، جس کی وجہ سے انسان میں عزتِ نفس، وسعت نظر، اطمینانِ قلب، شجاعت وقناعت، تنظیمِ اعمال اور اصلاحِ اخلاق کی اسپرٹ، اور خود اعتمادی جیسی بے شمار دیگر کیفیات پیدا ہوتی ہیں جن کی وجہ سے مختصر سی مدت میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔

# ایمان باللہ کی اہمیت

یوں تو دنیا کے تقریباً سبھی مذاہب اور جملہ ادیان میں الٰہ کا کسی نہ کسی درجہ میں تصور ملتا ہے، مگر مذہبِ اسلام نے الٰہ کا جو تفصیلی اور تحقیقی عقیدہ پیش کیا ہے وہ کسی بھی مذہب اور دین میں نہیں ملتا۔

مذہبِ اسلام نے اپنے ماننے والوں سے صرف اتنا ہی مطالبہ نہیں کیا ہے کہ وہ اللہ کے وجود کو تسلیم کرلیں اور بس۔ بلکہ تحریکِ اسلامی کا اپنے ہر ممبر سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ صفتِ الوہیت کو دنیا کی جملہ ہستیوں اور کائنات کی تمام چیزوں سے مسلوب کرکے صرف اور صرف اس عظیم ذات کے لئے اس کو ثابت کرے جس کا نام اللہ ہے۔

اس عقیدہ سے اسلام دراصل اپنے ہر ماننے والے کے دل کی گہرائیوں میں یہ احساس اجاگر کرنا چاہتا ہے کہ اللہ ہی احکم الحاکمین ہے۔

الیس اللہ باحکمُ الحاکِمین. (پ۳۰ التین۸)

وہ تنہا اور بے نیاز ہے

قل هو الله احد الله الصمد

نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفواً احد (پ۳۰ الاخلاص)

اس کا علم کائنات کی ہر شئ کو محیط ہے۔

وان الله قد احاط بکلِّ شیءٍ علماً (پ۲۸ الطلاق ۱۲)

وہ قادر مطلق ہے اس کی حکمرانی میں کسی کا بھی کوئی دخل نہیں ہے۔

ان الله علیٰ کُل شیئ قدیر.

وہ سب کو دیکھتا ہے مگر اس کو اس دنیا میں کوئی نہیں دیکھ سکتا ہے وہ بڑا لطیف اور بڑی خبر رکھنے والا ہے۔

لا تدرکهُ الابصارُ وهو یدرکُ الابصارَ وهو اللطیف الخبیر (پ۷ الانعام ۱۰۳)

ہر جاندار کا روزی رساں وہی ہے۔

وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها (پ۱۲ هود ۶)

دنیا کی تمام طاقتوں پر اس کی طاقت غالب ہے

وهو القاهر فوق عباده (پ۷ الانعام ۱۸)

وہ اپنی مخلوق پر ظلم نہیں کرتا

وما الله یُرید ظُلما للعباد

نفع اور نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے۔

وان یمسسک الله بضر فلا کاشف له وان یمسسک بخیر فهو علیٰ کل شیءٍ قدیر (پ۷ الانعام ۱۷)

وہ حیّ اور قیوم ہے نہ وہ اونگھتا ہے اور نہ ہی اسے نیند آتی ہے۔

الحیّ القیوم لا تاخذه سنة ولا نوم (پ۳ البقرہ ۲۵۵)

وہ ہماری نگاہوں سے غائب اور حاضر ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

عٰلم الغیب والشهادة هو الرحمن الرحیم (پ۲۸ الحشر ۲۲)

کائنات کی ہر شئ اسی کی ہے اور سب کی سب اس کی بارگاہ میں سربسجود ہیں۔

بل له ما فی السموٰت والارض کل له قانتون (پ۱ البقرۃ ۱۱۶)

جو بھی مصیبت اور پریشانی آتی ہے وہ حکمِ الٰہی کے تحت ہی آتی ہے۔ اس لئے اس کے سوا کوئی اس کو دفع بھی نہیں کرسکتا۔

قل لن یصیبنا الا ما کتب الله لنا هو مولینا وعلی الله فلیتوکل المؤمنون (پ۱۰ التوبہ ۵۱)

وہ اپنے ہر بندے سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

ونحن اقرب الیه من حبل الورید (پ۲۶ ق ۱۶)

وہ اپنے ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ اسی کو پکاریں اور اسی پر ایمان لائیں۔

واذاسألک عبادی عنی فانی قریب اُجیبُ دعوۃَ الداعِ اذا دعانِ فلیستجیبوا لی ولیومنوبی لعلهم یرشدون (پ۲ البقرۃ ۱۸۶)

اس کی یاد سے دلوں کو اطمینان اور سکون نصیب ہوتا ہے۔

اَلابِذکر الله تطمئنُ القلوب (پ۱۳ العد ۲۸)

وہ خود اپنے بندوں کو تلقین کرتا ہے کہ میری رحمت سے ناامید اور مایوس ہوکر احساسِ کمتری میں مبتلا مت ہوجانا۔

قل یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله (پ۲۴ الزمر ۵۳)

اس کی رحمت سے وہی مایوس اور ناامید ہوتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔

انه لا یایئس من روح الله الا القوم الکافرون (پ۱۳ یوسف ۸۷)

ہاں اگر کسی سے کوئی قصور سرزد ہوگیا اور اس نے ندامت سے معافی مانگ لی تو اسے معاف بھی کردے گا۔

ومَن یعمل سوءً اَو یظلم نفسهٗ ثم یستغفرِ الله یَجِد الله غفوراً رحیماً (پ۵ النساء ۱۱۰)

اللہ کے سوا کائنات کی کوئی بھی شئ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

واللہ اَحقُّ ان تخشٰہُ (پ۲۲ الاحزاب ۳۷)

اس لئے اس ذات کے سوا کسی اور سے مت ڈرو

فلا تخافوھُم وخافونِ ان کنتم مؤمنین (پ۴ آلِ عمران ۱۷۵)

اور اگر اس عظیم ذات پر ایمان اور یقین نہ ہوگا تو دلوں میں انسانوں اور دیگر اشیاء کا خوف رچ بس جائے گا۔

یخشون الناس کخشیۃِ اللہ او اشدُّ خشیۃ (پ۵ النساء ۷۷)

دنیا کی کوئی بھی چیز اس کے حکم کے بغیر کسی کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

وماھم بضارین بہٖ من احدٍ الا باذنِ اللہ

مشرق ومغرب سب اللہ ہی کا ہے جدھر بھی تم رُخ کرو گے وہاں اللہ موجود ہے۔

مایکونُ من نجویٰ ثلٰثۃٍ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنیٰ من ذٰلک ولا اکثر الا ھو معھم این ما کانوا (پ۲۸ المجادلہ ۷)

تین آدمیوں کے درمیان کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی کہ جس میں چوتھا اللہ نہ ہو، اسی طرح کوئی سرگوشی پانچ آدمیوں کے درمیاں ایسی نہیں ہوتی کہ اس میں چھٹا اللہ نہ ہو۔ اور نہ ہی اس سے کم یا اس سے زیادہ آدمیوں کا کوئی ایسا مجمع ہے جس میں اللہ موجود نہ ہو خواہ وہ کہیں بھی ہوں۔

یہ ہیں مذہبِ اسلام کے وہ ایمانیات جن کو ایک مختصر سے کلمہ میں جمع کر کے لاالہ الا اللہ کی شکل میں پیش کر دیا گیا ہے جس کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے اور اس کے مقتضیات پر عمل کرنا اسلام ہے۔

ہادیٔ عالم ﷺ نے الوہیت کا یہ ایسا جامع اور مکمل خاکہ پیش کیا ہے جو اپنے ہر ماننے والے میں فکری اور عملی نظام کی وہ بے مثال اسپرٹ اور غیر معمولی روح پیدا کر دیتا ہے جو انسان کو ایک صحت مند تہذیب وتمدن کی بنیاد اور اصلاحِ اخلاق اور تنظیمِ اعمال کی صلاحیت عنایت کرتا ہے۔

جب ایک انسان مذکورہ بالا احساسات اور معتقدات کے ساتھ کلمۂ لاالہ الا اللہ پڑھے گا تو لازمی طور پر اس کے دل کی گہرائیوں میں بڑی قوت کے ساتھ یہ احساس جاگزیں ہو جائے گا

کہ ابھی تک ہم جن چیزوں کو نافع اور ضار سمجھ رہے تھے۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

وما هم بضارين به من احدٍ الا باذن الله (پ۱ البقرة ۱۰۲)

ابھی تک جن ہستیوں سے ہم سفارش کی آس لگائے بیٹھے تھے وہ تو خود مجبور اور لاچار ہیں۔

لا يشفعون الا لمن ارتضىٰ وهم من خشيته مشفقون (پ۱۷ الانبياء ۲۸)

اور ابھی تک جس کے آگے ہم دستِ سوال دراز کر رہے تھے وہ خود ہماری طرح اللہ کی مخلوق ہے۔

ان الذين تدعون من دون الله عباد امثالكم (پ۹ الاعراف ۱۹۴)

# ایمان باللہ کے فوائد

مذہب اسلام کا عقیدۂ توحید ہی وہ عقیدہ ہے جو انسان میں عزتِ نفس کا احساس پیدا کرتا ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو انسان کو وسعتِ نظر بخشتا ہے، یہی وہ عقیدہ ہے جو انسان میں تنظیمِ اعمال اور اصلاحِ اخلاق کی صلاحیت اجاگر کرتا ہے، یہی وہ عقیدہ ہے جو انسان کو شجاعت، قناعت، اور اطمینانِ قلب جیسی کیفیات اور صفات ودیعت کرتا ہے۔

اسی عقیدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں وہ عظیم قوت پیدا کر دی تھی کہ وقت کے ظالم نے جب ان کا اور ان کی قوم کا تعاقب کیا اور ان کی بزدل قوم نے پریشان کن حالات میں گھبرا کر کہا تھا۔

انا لمدركون .

ہائے اب تو ہم پکڑے گئے

تو آپ نے نہایت اطمینان سے فرمایا:

كلا ان معيَ ربي سيهدين . (پ۱۹ الشعرا ۶۲)

ہرگز نہیں میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہی مجھے سلامتی کی راہ پر لگائے گا۔

اسی عقیدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دہکتے ہوئے شعلوں میں کود جانے کا حوصلہ بخشا تھا۔ اور اسی عقیدہ نے انھیں بے سروسامانی کے عالم میں اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا۔

انی ذاھب الیٰ ربی سیھدین

اسی عقیدہ نے مشکلات کے طوفانوں میں پھنسے ہوئے حضرت ہودؑ سے عاد جیسی زبردست طاقت کے سامنے یہ اعلان کرادیا۔

فکیدونی جمیعاً ثم لا تنظرون انی توکلت علی اللہ ربی وربکم. (پ۱۲ سورہ ھود ۵۵،۵۶)

تم سب اپنی چالیں چلو اور مجھے مہلت تک نہ دو، میں تو اس اللہ پر بھروسہ کر چکا ہوں جو ہمارا اور تمہارا سب کا رب ہے۔

اسی عقیدہ نے ہادیٔ عالم حضرت محمد ﷺ سے (اس نازک موقع پر جب کہ آپ کے رفیق نے خون کے پیاسے دشمنوں کو غار کے دہانے پر دیکھ کر ایک خدشہ کا اظہار کیا تھا) نہایت استقلال کے ساتھ یہ الفاظ کہلوائے تھے۔

لاتحزن ان اللہ معنا. (پ۱۰ التوبہ ۴۰)

گھبراؤ مت کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

ظاہر ہے کہ دہکتے ہوئے شعلوں میں کود جانے کا عزم۔ یہ ناقابلِ تسخیر طاقت اور یہ بے مثال استقامت انسان کو اس عقیدہ کے علاوہ آخر کون چیز عنایت کر سکتی ہے۔

گویا کہ مذہبِ اسلام میں ایمان باللہ ہی وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر اسلام کے جملہ ایمانیات کی عمارت کھڑی ہے۔ پس جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو اس کے رسولوں پر بھی اس کا ایمان ہوگا۔ اس کے فرشتوں پر بھی اس کا ایمان ہوگا۔ اس کی کتابوں پر بھی اس کا ایمان ہوگا اور آخرت کے دن پر بھی اس کا ایمان ہوگا۔

اور اگر ایمان باللہ نہ ہو تو دیگر ایمانیات کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

# ایمان بالرسول

## رسول کی تعریف

رسول دراصل خدا کا وہ فرستادہ ہوتا ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان ایک برزخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور خارجی طور پر انسان کو اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے جو ہر نفس میں اس کے خالق کی جانب سے ودیعت کی گئی ہے۔

**فالهمها فجور ها وتقواها قد افلح من زكها وقد خاب من دسها.** (پ۳۰ الشمس)

پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری دونوں باتوں کا اس کو القاء کیا یقیناً وہ مراد کو پہونچا جس نے اس (نفس) کو پاک کرلیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے گندا کیا۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ رسول خدا کا وہ برگزیدہ قاصد ہوتا ہے جو خدا کے مامورات اور اس کی منہیات سے بندوں کو آشنا کراتا ہے۔ اور یہ بتلاتا ہے کہ تمہارا رب کن اعمال سے خوش ہوتا ہے اور کن اعمال سے ناراض۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ اس دنیا میں خالقِ کائنات کے احکام کو حتی المقدور بالفعل نافذ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

## رسول کا کام

درحقیقت اس مادی انسان کے پاس رسول کے سوا کوئی اور ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ جس سے وہ خالقِ کائنات کی مرضیات اور اس کی غیر مرضیات کو سمجھ سکے کیونکہ انسانی علوم کا دائرہ صرف ان اشیاء تک محدود ہے جن کا احساس یہ انسان اپنے حواسِ خمسہ ظاہرہ یا باطنہ کے ذریعہ کرتا ہے اور اس میں بھی طرح طرح کے نقائص اور خامیوں کا آئے دن ظہور ہوتا رہتا ہے۔ اور آئے دن اس کا علم حقائق اشیاء سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجاتا ہے۔

کل انسان جن حواس کے بل بوتے پر کسی چیز کا بڑی قطعیت کے ساتھ اثبات کررہا

تھا آج انھیں حواس کی بنیاد پر بڑی شدومد کے ساتھ اس کا انکار کررہا ہے، کل تک جس چیز کو وہ متحرک سمجھتا تھا آج وہ جامد نکل آتی ہے اور جسے جامد سمجھ رہا تھا اچانک اس کے متحرک ہونے کا یقین کر بیٹھتا ہے، غرضیکہ انسانی علوم کو دوام اور یقین نصیب نہیں۔

ان یتبعون الا الظن وان الظن لایغنی من الحق شیئا (پ۲۷ النجم ۲۸)

وہ لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور بے اصل خیالات امر حق کے اثبات میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے۔

تو جب انسان ان محسوسات اور مادیات کے بارے میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھا رہا ہے تو وہ حقائق جو اس کے حواس سے بالاتر ہیں اور ان کا ادراک قوتِ باصرہ۔ قوتِ سامعہ، قوتِ ذائقہ، قوتِ شامہ، قوتِ لامسہ، قوتِ خیالیہ اور قوتِ متصرفہ وغیرہ سے نہیں کیا جاسکتا، ان تک اس کی رسائی کس طرح ہوسکتی ہے؟

یہی وہ منزل ہے جہاں سے انسان کو ایک رسول کی رہنمائی اور اس کی ہدایت کی ضرورت پیش آتی ہے۔

## عام رہنماؤں اور لیڈروں میں رسول کا امتیاز

ایک عوامی لیڈر اور قومی سیاست داں اپنی مفکرانہ ذہنیت اور اپنے مدبرانہ اصول میں خواہ کتنا ہی پختہ کیوں نہ ہو مگر اس کے جملہ افکار ظن وتخمین کی حدود کو پھاند کر یقین واذعان کی مملکت میں ہرگز قدم نہیں رکھ سکتے۔ جب کہ رسول کا ایک ایک قول اور اس کی زبان سے نکلا ہوا ہر بول یقین واذعان کی آخری حدود کو پہونچا ہوا ہوتا ہے۔ وہ قانون کی دنیا میں ایک لفظ بھی اپنی خواہش سے نہیں بولتا، بلکہ وہ قوم کے سامنے احکم الحاکمین ہی کا قانون اور اس کا پیغام پیش کرتا ہے

وما ینطق عن الھویٰ ان ھوا لا وحیٌ یوحی (پ۲۷ النجم ۳۔۴)

وہ اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے وہ تو وہی بتلاتے ہیں جو ان کی جانب وحی کی جاتی ہے۔

یہی وہ منصب ہے جو ایک رسول کو عام رہنماؤں اور لیڈروں سے ممتاز کردیتا ہے۔

قوموں کی رہبری اور ان کی رہنمائی کے لئے جو رسولوں کا انتخاب ہوا ہے وہ اس طرح کا

نہیں ہے جس طرح کہ ہم وزیر اعظم یا صدر کو منتخب کرتے ہیں بلکہ رسول کا چناؤ اور اس کا انتخاب رب العالمین کی طرف سے اس طور پر ہوتا ہے کہ خود اس رسول کے کسی ذاتی کردار کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

یختصُّ برحمتہٖ من یشاء واللہ ذوالفضلِ العظیم. (پ۳ آل عمران ۷۴)

وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

دوسری تعبیر میں یوں سمجھئے کہ رسالت کا منصب کوئی ایسا منصب نہیں ہے کہ کسی شخص کو اس کی عمدہ کارکردگی کے صلہ میں بطور اعزاز عطا کر دیا جائے بلکہ وہ خالقِ کائنات کی جانب سے ایک عظیم خدمت ہے جس کے ذریعہ معاشروں میں اصلاحی انقلاب رونما ہوتے ہیں۔

اس منصب کا حامل انسان یعنی اللہ کا رسول ایک آہنی عزم اور پہاڑ سی استقامت لے کر مشکلات کے طوفانوں میں کود پڑتا ہے اور بے سروسامانی کے عالم میں بھی وہ دنیا کو اصلاحی حیثیت سے مسخر کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔

# تعددِ رسل اور پیغام کی وحدت

اس دنیا کے اندر ہر دور میں اللہ کی جانب سے نبیوں اور رسولوں کا انتخاب ہوتا رہا۔ اور یہ خدائی رہنما اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے علاقوں کے انسانوں کی رہبری اور رہنمائی کرتے رہے۔

ولکل قومٍ ھاد. (پ۱۳ الرعد ۷)

اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہوا ہے۔

ہر امت میں اللہ نے اپنے رسول مبعوث کئے ہیں۔

ولکل امۃٍ رسولٌ. (پ۱۱ یونس ۴۷)

اور ہر امت کے لئے رسول ہوا ہے۔

کوئی قوم ایسی نہیں گذری کہ جس میں اللہ کی جانب سے کوئی آگاہی دینے والا نہ آیا ہو۔

وانْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَافِیْھَا نذیر. (پ۲۲ فاطر ۲۴)

کوئی امت ایسی نہیں ہوئی کہ اس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

یہ خدائی رہنما اگرچہ اپنے زمانہ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کافی جدا ہیں مگر اپنے پیغام اور دعوت کے لحاظ سے بالکل متحد اور متفق ہیں کیونکہ وہ سب کے سب ایک ہی دین اسلام کے داعی تھے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام . (پ۳ آل عمران ۱۹)

دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔

ہادیٔ عالم ﷺ نے اسلام کے نام پر جو پیغام پیش کیا ہے وہ سابق ہادیانِ اُمم کے مشن کے قطعی طور پر الگ نہیں ہے، بلکہ آپ کا پیغام عین وہی پیغام ہے جو آپ سے پہلے رہنماؤں نے پیش کیا تھا۔ چنانچہ قرآن ان کے پیغام کی اس وحدت کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

قرآن کا فیصلہ ہے کہ ہادیٔ عالم ﷺ کو اس کائنات میں وہی پیغام دے کر مبعوث کیا گیا جو آپ سے پہلے حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور آپ کی اولاد میں پیدا ہونے والے دیگر انبیاء کرام مثلاً حضرت عیسیٰ، حضرت ایوب، حضرت یونس، حضرت ہارون حضرت سلیمان، حضرت داؤد، حضرت موسیٰ علیہم السلام اور ان کے علاوہ وہ انبیاء جن کا نام قرآن نے نہیں بتایا پیغام لائے تھے۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الیٰ نوحٍ والنبیین من بعدہٖ واوحینا الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وعیسیٰ وایوب ویونس وھارون وسلیمان واٰتینا داؤد زبوراًo ورُسلاً قد قصصنٰھم علیک من قبل ورسلاً لم نقصصھم علیک وکلم اللہ موسیٰ تکلیماً. (پ۶ النساء ۱۶۲،۱۶۴)

ہم نے اسی طرح آپ کی طرف وحی بھیجی ہے جس طرح ہم حضرت نوح اور ان کے بعد کے نبیوں کی طرف بھیج چکے ہیں۔ اور اسی طریقہ سے ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی اور داؤد کو زبور عطا کی اور ہم نے ہی وہ رسول بھیجے جن کا حال اس سے پہلے ہم آپؐ کو بتا چکے ہیں اور وہ رسول بھی جن کا حال آپ سے بیان نہیں کیا اور اللہ موسیٰ سے کلام کر چکا ہے۔

مگر ما قبل کے انبیاء کرام کی تعلیمات اور ان کے پیغامات کو بعد کے لوگوں نے محرف کر ڈالا

اور خواہشات نفسانی کے چنگل میں پھنس کر دین کو اپنی خواہشات کے تابع بنالیا، جس کا دینِ الٰہی سے کوئی تعلق نہ تھا۔

# ایمان بالرسول کی اہمیت

مذہب اسلام میں توحید کے بعد دوسرا بنیادی عقیدہ رسالت ہے کیونکہ رسول پر ایمان لائے بغیر انسان کبھی بھی اپنے رب کی مرضیات اور غیر مرضیات کو نہیں پہچان سکتا۔ اور جب اس کی رضا اور عدم رضا معلوم نہ ہوگی تو انسان کا کوئی بھی عمل خالقِ کائنات کی ناراضگی کا سبب بن سکتا ہے۔ بسا اوقات وہ کوئی کام اللہ کی رضا کے لئے کرے گا مگر عدم معرفت کی وجہ سے ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اسی کام سے اللہ ناراض ہوتا ہو۔ اور بعض مرتبہ انسان کسی کام سے محض اس وجہ سے اجتناب کرے گا کہ وہ اللہ کو ناپسند ہے مگر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ اسی کام سے راضی ہوتا ہو۔ اس لئے حقیقت کے متلاشی انسان کو رسول کی اطاعت اور اس کی فرماں برداری کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ کیونکہ رب العالمین کی مرضیات اور غیر مرضیات کو جاننے کا ایک معتبر ذریعہ صرف رسول ہی ہے۔

گویا کہ اعتقاد کی جہت میں تو توحید اصل ہے۔ اور طریقۂ عمل اور طرزِ اتباع کی جہت میں رسالت اصل ہے۔ حکم احکم الحاکمین کا ہوگا اور طریقۂ عمل اس کے رسول کا ہوگا۔

اور چونکہ رسول کی رہنمائی کے بغیر منشاء خداوندی کو سمجھا نہیں جاسکتا اس لئے قرآن مقدس رسول کی اطاعت اور اس کی فرماں برداری کو عین اللہ کی اطاعت قرار دیتا ہے۔ یعنی رسول اللہ کی اطاعت ہی درحقیقت رب العالمین کی اطاعت ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ . (پ۵ النساء ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

رسول کو دراصل بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ بحکم خداوندی اس کی اطاعت کی جائے۔ اور

رسول کی یہ اطاعت شخصی حیثیت سے نہیں بلکہ نبوی حیثیت سے کی جائے گی جس کا خود اللہ نے حکم دیا ہے۔

وما ارسلنا من رسولٍ الا لیطاع باذن اللہ (پ۵ النساء.۶۴)

اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث کیا ہے کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جائے۔

اس لئے جب اللہ کے رسول کی عدالت میں کوئی امر فیصل ہوجائے تو دنیا کی کسی بھی عدالت میں اس کی اپیل کرنا ایک جرم ہے اور اس کے صادر کردہ فیصلہ سے دل کا مطمئن نہ ہونا درحقیقت تحریک اسلامی کی رکنیت سے برطرفی کا اعلان ہے۔

وما کان لمؤمنٍ ولامؤمنۃٍ اذا قضی اللہ ورسولہٗ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعصِ اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا (پ۲۲ الاحزاب ۳۶)

کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں ہے جب کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیں کہ ان کو اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔

اگر کوئی چاہتا ہے کہ ہمیں خالقِ کائنات کی رضا نصیب ہوجائے اور ہمارے گناہ معاف ہوجائیں تو اسے چاہئے کہ وہ رسول کے پیغام کی اطاعت کرے۔

قل ان کنتُم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفورٌ رحیم.

(پ۳ ال عمران ۳۱)

آپ فرمادیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا۔ اور اللہ بڑا معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اور اگر کوئی شخص رسول کی اطاعت ضروری نہیں سمجھتا اور یہ سوچتا ہے کہ ہم اطاعتِ رسول کے بغیر حقیقت کو پاسکتے ہیں۔ اور خالقِ کائنات کی رضامندی ہمیں نصیب ہوسکتی ہے یا رسول کی رہنمائی کے بغیر ہم کوئی پاک اور صالح معاشرہ اور صحت مند تہذیب قائم کرسکتے ہیں تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ یہ اس کی خام خیالی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرکے حقیقت کو نہیں پاسکتا ہے۔ سب سے بڑا گم گشتۂ راہ وہی شخص ہے جو رسول کی اتباع کے بجائے اپنی خواہشات کا بندہ بنا ہوا ہے۔

ومَنْ اضل ممن اتبع هواه بغير هدىً مِنَ اللّٰه (پ۲۰ القصص ۵۰)

اوراس شخص سے زیادہ گم گشتۂ راہ کون ہوسکتا ہے جو خدائی رہنمائی کے بغیر اپنی خواہشات کی اتباع کرے۔

اطاعت رسول کی حیثیت واضح کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ اللہ کا رسول جس چیز کے کرنے کا حکم دے اس پر بلا چون و چرا عمل پیرا ہو جاؤ اور جس سے باز رہنے کو کہے اس سے رک جاؤ۔

وما آتكم الرسول فخذوه وما نها كم عنه فانتهوا (پ۲۸ الحشر ۷)

اور رسول تم کو جو کچھ دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں اس سے باز آجایا کرو۔

اگر کوئی انسان ایمان بالرسول سے اعراض کر کے تقرب الی اللہ کا متلاشی ہے تو یقیناً وہ ٹھوکر کھائے گا اور کبھی بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہونچ سکتا۔ کیونکہ رسول ہی اپنی خداداد مدبرانہ صلاحیت اور عملی رہنمائی سے انسانوں کے بکھرے ہوئے گلہ کو منظم کرتا ہے۔ ان کو نئی سوسائٹی، جدید طرزِ تمدن، صحت مند معاشرہ، اصلاح پذیر تہذیب، اسلامی افکار و خیالات، اور خدائی آئین وقوانین سے آگاہ کرتا ہے۔ اس لئے ایمان بالرسول کے بغیر حقیقت کی تلاش ایک لغو کام اور فعلِ عبث سے زیادہ کچھ نہیں!

## صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت کیوں؟

یہاں تک ہماری بحث اس سلسلے میں تھی کہ ایک رسول کی اطاعت کے بغیر رب العالمین کی مرضیات اور غیر مرضیات کا پہچاننا ایک امر محال ہے۔ کیونکہ انسان کا علم محدود ہے اور اس محدود علم کو بھی یقین نصیب نہیں کہ اس کی رائے کو ایک آخری اور حتمی فیصلہ قرار دیا جاسکے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ سابق ہادیان امم اور پیشوایان قوم میں سے کیا ہر پیشوا اور ہر رہنما اس پوزیشن میں ہے کہ آج کے دور میں صحیح خطوط اور یقینی بنیادوں پر اس کی اتباع کر کے حقیقت تک پہنچا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہوگا، کیونکہ ماقبل کے پیشواؤں میں سے ایک کے سوا کسی پیغام کی تاریخی اور سندی پوزیشن مضبوط نہیں ہے۔ حالاتِ زمانہ نے ان کے اصل پیغام کو بالکل مسخ

کر کے رکھ دیا ہے۔ خواہشاتِ نفسانی کے پرستاروں نے ان کے اصل دین میں تحریف و تنسیخ کر ڈالی ہے۔ اس لئے بعد والوں کے لئے اس پیشوا کے حقیقی مشن اور غیروں کے التباس کے مابین خطِ امتیاز کھینچنا ایک مشکل ترین مسئلہ بن گیا ہے۔

بعض پیشواؤں کا مذہب ان کی زندگی میں مرتب ہی نہ ہوا، بلکہ بعد کے لوگوں نے اپنی خواہشات اور مرضیات کے مطابق ان کے مذہب کی تدوین کی ہے۔ اور بعضوں کا پیغام اگرچہ ان کی حیات میں منضبط ہو گیا تھا مگر بعد میں اسناد کا ضعف بڑھتا گیا اور ہر راوی کی روایت کو تنقید و تنقیح کے بغیر قبول کیا جانے لگا۔ جس کا آخری نتیجہ اس شکل میں ظہور پذیر ہوا کہ اس پیشوا کا اصل مشن راویوں کی نفسانی خواہشات کے پردے میں چھپ کر رہ گیا۔ اور اس کا انقلاب آفریں پیغام چند رسومات کی چہار دیواری میں مقید ہو گیا۔ البتہ تاریخی تنقید و تنقیح کے مسلم اصولوں پر اس کائنات کی عظیم الشان تاریخ میں اگر کوئی شخصیت پوری اترتی ہے تو وہ صرف اور صرف ہادیٔ عالم حضرت محمد ﷺ کی ہی شخصیت ہے۔

آپ کی حیات طیبہ کا ایک ایک پہلو معلوم و معروف ہے اور انسانی زندگی کے ہر موڑ پر آپؐ کی رہنمائی موجود ہے کاروانِ انسانیت کی ایسی کوئی منزل ہے ہی نہیں جس کی آپؐ نے نشاندہی نہ فرمائی ہو۔

ایک حکمران اپنی حکومت کو کن خطوط پر چلائے گا۔ ایک سپہ سالار اپنی فوج کو کن جذبات کے تحت منظّم کرے گا۔ ایک جج اپنے فیصلوں میں کن آئین کو ملحوظ رکھے گا۔ ایک فیکٹری کا مالک اپنے ورکروں سے کن حدود میں رہتے ہوئے کام لے گا۔ اور ایک مزدور کن عزائم سے اپنے فرائض انجام دے گا۔ غرضیکہ زندگی کے جملہ شعبہ جات میں اگر کسی رہنما سے مستند طریقہ سے اکتسابِ فیض کیا جا سکتا ہے تو وہ ہادیٔ عالم حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

ہاں یہ بات الگ ہے کہ ہم جملہ پیشوایانِ مذاہب اور ہادیانِ امم میں سے ہر ایک پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں خواہ ان کے ناموں کی وضاحت قرآن و حدیث نے کی ہو یا نہ کی ہو۔

ولقدارسلنا رسلاً من قبلک منهم من قصصنا علیک ومنهم من لم نقصص علیک
(پ۲۴ المؤمن ۷۸)

اور ہم نے آپؐ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے بعضے تو وہ ہیں کہ ان کا قصہ ہم نے آپؐ سے بیان کیا ہے اور بعضے وہ ہیں جن کا ہم نے آپؐ سے قصہ بیان نہیں کیا۔

مگر اطاعت وفرماں برداری کے حق میں ہادیٔ عالم حضرت محمد ﷺ کے علاوہ اور کسی کو مرکزِ توجہ نہیں بناتے۔ اور یہ فیصلہ تمام تعصّبات سے بالاتر ہوکر اسنادِ روایات کی تنقیح وتنقید کے بعد کیا گیا ہے کیونکہ آپؐ کے علاوہ کسی ایک رہنما کی بھی تعلیمات تنقیدِ روایات اور تنقیح اسناد کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی ہیں۔

# حضرت محمدؐ ایک عالمی رہنما

ہادیٔ عالم ﷺ نے اپنی قوم کے سامنے جہاں ایک طرف وحدانیت کا پیغام پیش کیا تو وہیں اپنے نبی ہونے کا دعویٰ بھی کیا اور اس پر واضح اور بین دلائل بھی پیش فرمائے۔

انما انا لکم نذیر مبین .(پ۱۷ سورہ ۵۱ ۴۹)

میں تو تم کو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔

آپؐ سے پہلے جتنے بھی انبیاء کرام اور رسل عظام اس دنیا میں تشریف لائے تو ان سب کی دعوت کا حلقہ محدود اور مخصوص تھا۔ کوئی صرف ایک قوم کا نبی بن کر آیا۔ کوئی صرف ایک گاؤں کا رہبر بن کر آیا۔ کوئی صرف ایک ملک کا ہادی بن کر آیا۔ ان میں سے نہ تو کسی نے ہمہ گیری کا دعویٰ کیا اور نہ ہی کسی کو ہمہ گیری اور عالمگیری نصیب ہوئی۔ لیکن ہادیٔ عالم ﷺ نے ہمہ گیری اور عالمگیری کا دعویٰ بھی کیا اور الحمد اللہ آپؐ کی دعوت کو ہمہ گیری اور عالمگیری نصیب بھی ہوئی۔ آپ کی ہمہ گیری اور عالمگیری کو بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیراً (پ۱۸ الفرقان ۱)

بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے فیصلہ کی کتاب (قرآن) اپنے بندے محمد ﷺ پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہاں کو آگاہ کرنے والا ہوجائے۔

اسی طرح دنیا کے تمام انسانوں کوخطاب کرتے ہوئے۔ آپؐ کے عالمی رہنما ہونے کوقرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

**یاٰیھاالناس قد جاء کم الرسول بالحق من ربکم فاٰمنوا خیرً لکم وان تکفروا فان للہ ما فی السموٰتِ والارضِ** (پ۶ النساء ۱۷۰)

اے لوگو! تمہارے پاس رسول حق لے کر تمہارے رب کے پاس سے آچکا ہے تو ایمان لے آؤ یہ تمہارے حق میں بہت اچھا ہے۔ اور اگر تم انکار کرو تو یاد رکھو آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

اور خود ہادیٔ عالم ﷺ کی زبانی یہ اعلان کرایا گیا کہ آپ کہہ دیجئے۔ اے لوگو! میں تم تمام کی طرف اللہ کی جانب سے رسول بن کر آیا ہوں۔

**قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا الذی لہ ملک السمٰوٰتِ والْاَرْضِ ۚ لا الٰہَ الا ھُو یُحْیٖ ویمیت فاٰمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ وکلمتہٖ واتبعوہ لعلکم تھتدون** (پ۹ الاعراب ۱۵۸)

اے نبیؐ! آپؐ فرمادیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کی جانب سے قاصد بن کر آیا ہوں جس کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی حکومت ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے تو اے لوگو! اللہ پر اور اس کے اُس امی رسول پر ایمان لاؤ جو خود اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اسی کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔

اور آپ کے پیغام کو جو ہمہ گیری اور عالمگیری نصیب ہوئی وہ اظہر من الشمس ہے، دنیا کا وہ کون سا ملک ہے جہاں آپ کے روشن کئے ہوئے دیپ نہ جل رہے ہوں۔ قرآن کہتا ہے۔

**ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کُلِّہٖ** (پ۲۸ الصف ۹)

وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین (اسلام) دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام مذاہب پر غالب کردے۔

گویا کہ آپؐ کی بعثت کافۃً للناس ہے اور آپ کا پیغام ھدیً للناس ہے۔

اس لئے حقیقت کے متلاشی کارواں کو آج کے دور میں بھی ہادیٔ عالم ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں۔

# ایمان بالآخرت

ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کے بعد تحریکِ اسلامی کا تیسرا دستور اساسی ایمان بالآخرت ہے ہادیٔ عالم ﷺ کے اولین مخاطبین حیات اخروی کے قطعی منکر تھے، جب آپؐ نے ان کے سامنے حیات بعد الممات کا عقیدہ پیش کیا تو ان لوگوں نے آپ کا مذاق اڑایا اور آپؐ کو دیوانہ اور مجنوں کہنا شروع کر دیا، کیونکہ ان کی عقلوں میں یہ بات نہ سما سکی کہ آدمی کے مرجانے کے بعد اسے دوبارہ زندہ بھی کیا جا سکتا ہے اور صرف زندہ ہی نہیں بلکہ اس کے اعمال کی باز پرس کے لئے ایک عدالت بھی قائم ہوگی اور اس کے فیصلوں کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔

چنانچہ حیاتِ اُخروی کے منکرین جب آپس میں جمع ہو کر بیٹھتے اور ہادیٔ عالم ﷺ کی برپا کی ہوئی تحریک کے خدوخال پر نگاہ دوڑاتے تو ان کے لئے سب سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز یہی بات ثابت ہوتی کہ محمد بن عبداللہ نے حیات بعد الممات کا عقیدہ کیونکر پیش کر دیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ کی عظیم ذات پر یہ جھوٹا الزام لگا رہے ہوں یا پھر ان کو جنون کی کیفیت لاحق ہوگئی ہے جس کی وجہ سے یہ سر پھروں جیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آخر انسان اپنے مرنے کے بعد دوبارہ حیات کا جامہ کس طرح پہن سکتا ہے۔

**وقال الذین کفروا ھل ندلکم علی رجل ینبئکم اذا مزقتم کل ممزق انکم لفی خلقٍ جدید افتریٰ علی اللہ کذباً ام بہ جنۃٌ.**

(پ۳۲ سبا ۷۔۸)

اور کافروں نے کہا کیا تم کو ایک ایسا آدمی بتائیں جو تمہیں یہ عجیب وغریب خبر سناتا ہے کہ جب تم مر کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم کو از سر نو زندہ کیا جائے گا۔ معلوم نہیں اس شخص نے قصداً خدا پر بہتان باندھا ہے یا اس کو جنون لاحق ہوگیا ہے۔

کوئی شخص حیات بعد الممات کے فلسفہ پر غور کرتا اور اپنی عقل کے مطابق اس کو نہ پا کر چیخ اٹھتا۔

**اإذامتنا وکنا تراباًوعظاما ًاإنا لمدینون** (پ۲۳ الصّٰفّٰت ۵۳)

کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم کو بدلہ دیا جائے گا۔

کبھی حیات اخروی کے منکرین حشر ونشر کے عقیدہ پر اپنی عقلوں کے گھوڑے دوڑاتے اور حقیقت کو سمجھے بغیر کہہ اٹھتے۔

أ إذا کنا عظاماً ورفاتاًإنا لمبعوثون خلقاًجدیداً (پ۱۵بنی اسرائیل ۴۹)

جب گل سڑ کر صرف ہماری ہڈیاں رہ جائیں گی اور ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم کو نئے سرے سے اٹھایا جائے گا۔

کبھی وہ سوچتے کہ جب ہم زمین میں رل مل جائیں گے تو کیا ہم کو پھر نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا؟

وقالوا أإذا ضللنا فی الارض اائنا لفی خلق جدید (پ۲۱السجدہ ۱۰)

اورانہوں نے کہا کہ جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے تو کیا ہم کو پھر سے پیدا کیا جائے گا۔

عاص بن وائل کی کھوپڑی میں جب عقیدۂ آخرت نہ سما سکا تو اس کے بطلان کے لئے بطحاء مکہ سے ایک بالکل بوسیدہ ہڈی لے کر ہادیٔ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بوسیدہ ہڈی کو اپنی چٹکی سے مسل کر فضا میں بکھیرتا ہوا بولا من یحی العظام وھیَ رمیم۔ کہ اے محمد آپؐ جو یہ کہتے ہیں کہ انسان کو مرنے کے بعد دوسری زندگی ملے گی اور اس کے حساب کتاب کے لئے باقاعدہ عدالت قائم ہوگی تو آپ ہی انصاف سے بتائیے کہ یہ بوسیدہ ہڈی جس انسان کی ہے اسے آخر دوبارہ کس طرح زندہ کیا جائے گا؟ کس ذات میں اتنی صلاحیت اور قوت ہے کہ اس بوسیدہ ہڈی میں دوبارہ جان ڈال کر اسے چلتا پھرتا انسان بنادے۔

ہادیٔ عالم ﷺ کے یہ اولین مخاطبین بڑی شدومد کے ساتھ حیاتِ اخروی کے منکر تھے اور حیات بعد الممات کا اعلان ان کے نزدیک جنون اور پاگل پن کا مترادف تھا، اسی وجہ سے انھوں نے سب سے بڑھ چڑھ کر اسی عقیدہ کی مخالفت کی اور اس کا مذاق اڑایا۔

# حیات اخروی کا انکار۔ایک جائزہ

جب آپ دنیا کے مختلف مذاہب پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو اکثر مذاہب میں حیات بعد الممات یعنی آخرت کا عقیدہ کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ملے گا، یہ بات الگ ہے کہ مذہب سے بے اعتنائی اور لاپرواہی کی بنا پر ذہنوں سے اس کا احساس نکل گیا ہو۔ اور حیات بعد الممات کا عقیدہ ان کے لئے اقلیدس کے موہوم دائروں سے زیادہ وقیع نہ رہ گیا ہو۔

البتہ بعض مذاہب نے حیات اُخروی کا بالکل ہی انکار کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے سوا اور کوئی حیات نہیں۔ جو کچھ ہے بس یہی زندگی ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی عالم ہے نہ زندگی اور نہ شعور۔ انسان مرا اور فناء محض کی نذر ہو گیا۔

ان ھؤلآء لیقولون ان ھی الا موتتنا الا ولیٰ وما نحن بمنشرین. (پ۲۵ الدخان ۳۴.۳۵)

یہ لوگ کہتے کہ بس ہماری یہی ایک دنیوی موت ہے دوبارہ ہم کو زندہ نہیں کیا جائے گا۔

انسان اپنے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائے یہ تو عقل وقیاس سے بالکل بعید بات ہے۔

ااذا متنا و کنا ترابًا ذالک رجعٌ بعیدٌ (پ۲۶ ق ۳)

جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ یہ تو بعید از امکان ہے۔

کائنات کا یہ نظام جس طرح چل رہا ہے ٹھیک اسی طرح ہمیشہ ہمیش چلتا رہے گا نہ اس پر کبھی زوال آئے گا اور نہ ہی یہ معدوم ہوگا۔

وقالوا ماھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر (پ۲۵ الجاثیۃ ۲۴)

اور انھوں نے کہا کہ ہماری صرف یہی دنیاوی زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں ہم کو صرف زمانہ کی گردش سے موت آتی ہے۔

ہم اپنی زندگی میں بالکل آزاد اور بے مہار ہیں، ہم سے ہمارے اعمال کے بارے میں کوئی باز پرس نہ کی جائے گی۔ اور نہ ہی ہمارے اعمال وافعال کے تجزیہ کے لئے کوئی عدالت قائم ہوگی۔ ایک انسان مرنے کے بعد آخر دوبارہ کیسے زندہ ہو سکتا ہے؟ اور اس کی بوسیدہ ہڈیوں کو حیات کا جامہ آخر کس طرح پہنایا جا سکتا ہے۔

وقالوا إذا كنا عظاماً ورفاتاً إنا لمبعوثون خلقاً جديداً (پ۱۵ بنی اسرائیل ۴۹)

اورانھوں نے کہا کہ جب گل سڑ کر صرف ہماری ہڈیاں رہ جائیں گی اور ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم کو نئے سرے سے اٹھایا جائے گا۔

# حیاتِ اخروی کے انکار کا اثر

حیات بعد الممات کے عقیدہ کا انکار ہی دراصل وہ ناسور ہے جو انسانی معاشرہ کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے۔ کاروانِ انسانیت کو اخلاقی پستی اور کردار کی گندگی میں ملوث کر دیتا ہے۔ بنی آدم کو ظلم وستم اور درندگی کا سبق سکھاتا ہے۔ احسان اور حسنِ سلوک کے دروازوں کو مقفل کر دیتا ہے۔

گویا کہ حیاتِ اُخروی کا انکار ہی انسانوں کو انسانیت کے خانے سے نکال کر حیوانیت کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ کیونکہ اس عقیدہ کی انکار کی وجہ سے انسان کی طبیعت آزاد ہو جاتی ہے، وہ اپنے اعمال کی جوابدہی سے بالکل بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں یہ احساس ہی نہیں رہتا کہ ہم سے ہمارے اعمال کے بارے میں باز پرس بھی ہوگی۔

عقیدۂ آخرت کے انکار کی بنیاد پر جس معاشرہ کی تعمیر ہوگی وہ معاشرہ خود غرضی کے مرض میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس سوسائٹی کا پورا نظام اخلاق صرف ذاتی فوائد کے حصول پر منحصر ہو جائے گا۔ جس کام سے کسی دنیاوی نفع کی امید ہو وہ عین ثواب بن جائے گا خواہ دوسرے کو اس سے نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ اور جس کام سے کوئی ظاہری نقصان ہوتا ہوا دکھائی دے وہ عین گناہ بن جائے گا۔ خواہ دوسرے کا اس سے فائدہ ہی کیوں نہ وابستہ ہو۔

اس ذہنیت کے افراد کو کسی بھی صورت میں ملک کے آئین وقوانین کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔ جب تک آتشیں اسلحوں اور میزائیل بردار طیاروں کا سایہ ان کے سروں پر منڈلاتا رہے گا اس وقت تک وہ بظاہر قوانین کا احترام کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہوں گے۔ لیکن طاقت کے اس وقتی پہرہ کے ہٹ جانے کے بعد ارتکابِ جرم سے کوئی طاقت انھیں باز نہیں رکھ سکتی۔

# اسلام اور عقیدۂ آخرت

ان سب کے مقابلہ میں مذہبِ اسلام نے حیات بعد الممات کا ایک لافانی عقیدہ پیش کیا ہے، اس نے بتایا کہ اس کارخانۂ عالم کی کوئی بھی چیز ازلی اور ابدی نہیں ہے بلکہ اس کی ہر چیز حادث اور فنا ہو جانے والی ہے۔

یہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور اس وقت کے آتے ہی یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

**وما خلقنا السمٰوٰت والارض ومابینھما الا بالحق واجلٍ مسمّٰی** (پ۲۶ الاحقاف ۳)

ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام اشیاء کو حکمت کے ساتھ ایک مقررہ وقت تک کیلئے ہی پیدا کیا ہے۔

یہ چاند و سورج ہمیشہ کے لئے نہیں پیدا کئے گئے، بلکہ ان کے لئے ایک میعاد متعین ہے اور اس میعاد کے آتے ہی یہ سب ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

**وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی** (پ۱۳ الرعد ۲)

اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے ہر ایک وقت متعین تک کے لئے حرکت کر رہا ہے۔

یہ زمین اور پہاڑ دائمی طور پر اسی طرح نہیں رہیں گے، بلکہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان کو آپس میں ٹکرا دیا جائے گا اور ایک ہی ٹکر میں وہ پاش پاش اور ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گے۔ اور قیامت برپا ہو جائے گی۔

**وحُمِلت الارض والجبال فدکتا دکۃً واحدۃً فیومئذٍ وقعتِ الواقعۃ** (پ۲۹ الحاقۃ ۱۴،۱۵)

اور زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھا لئے جائیں گے۔ پھر ایک ہی دفعہ میں دونوں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ تو اس روز ہونے والی چیز ہو پڑے گی۔

اور جس طرح کائنات کی ہر شئی کے لئے ایک وقت مقرر ہے ٹھیک اسی طرح انسانی زندگی کے لئے بھی ایک حد متعین ہے، اس حد کے آتے ہی اس پر موت طاری ہو جاتی ہے اور اس کا پورا

متحرک بدن جمود کی نذر ہو جاتا ہے۔ ابھی تک جو آنکھیں دیکھنے کا کام انجام دے رہی تھیں اچانک ان کی بصارت زائل ہو جاتی ہے۔ جو کان سننے کے فرائض ادا کر رہے تھے یکا یک ان کی سماعت مفقود ہو جاتی ہے۔ جو دل پورے بدن کو خون سپلائی کرتا ہوا متحرک تھا آناً فاناً اس کی حرکت بند ہو جاتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی یہ چھوٹی سی کائنات اتھل پتھل ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس حد کے آنے کے بعد دنیا کی کوئی طاقت اس کو زندہ نہیں رکھ سکتی۔ تمام حکیموں اور ڈاکٹروں کے دماغ فیل ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے دوا ساز کارخانوں کی تیار کردہ دوائیں جواب دے جاتی ہیں۔ وہی لقمہ جو ابھی تک انسان کی زندگی کا ضامن تھا اچانک اس کے لئے موت کا پیغام بن جاتا ہے۔ پانی کا وہی گھونٹ جس کے بغیر انسانی زندگی محال نظر آ رہی تھی اس کو پیتے ہی انسان دم توڑ دیتا ہے۔ وہی دوائیں جو انسان کو صحت یاب کر رہی تھیں اور اس کی ضعیفی اور کمزوری کو توانائی اور قوت میں تبدیل کر رہی تھیں یکا یک اس کے لئے اجل کا سامان مہیا کر دیتی ہیں۔

غرضیکہ اس حد کے آنے کے بعد دنیا کی کوئی طاقت اسے موت کے چنگل سے چھڑا نہیں سکتی۔

اذا جاء اجلهم فلا يستاخرون ساعةً ولا يستقد مون. (پ۱۱ یونس ۴۹)

ہر جاندار کو اس مقرر حد سے سابقہ پڑتا ہے۔

کوئی نفس موت کا مزہ چکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔

كل نفسٍ ذائقة الموت (پ۴ ال عمران ۱۸۵)

ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے

جس طرح کائنات کی تمام اشیاء تغیر پذیر اور انقلاب پذیر ہیں ٹھیک اسی طرح انسان کو بھی ہر آن ایک نئے انقلاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ایک وقت جو اس کی زندگی کے لمحات کی آخری حد ہے اس کے آتے ہی وہ موت کی نذر ہو جاتا ہے۔

انسان اپنے مرنے کے بعد نہ تو فناء محض کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور نہ ہی اس کو اس دنیا میں دوبارہ کسی دوسرے قالب میں ڈھال کر لوٹایا جاتا ہے، بلکہ انسان کے مرنے کے بعد اس کی روح ایک ایسے عالم میں منتقل ہو جاتی ہے جو عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت کے درمیان کا عالم ہے، یعنی عالمِ برزخ۔

پھر اس پوری کائنات کی مقررہ حد آئے گی اور یہ سارا نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا، سورج اپنی روشنی کھو بیٹھے گا، ستارے اور سیارے ٹوٹ پھوٹ کر گر پڑیں گے۔ یہ دیو ہیکل پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے بکھرتے پھریں گے۔ گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی۔ وحشی جانور مارے گھبراہٹ کے اکٹھے ہو جائیں گے اور یہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر آگ کی شکل میں تبدیل ہو جائیں گے۔

**اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت واذا الجبال سیرت واذا العشار عطلت واذا الوحوش حشرت واذا البحار سجرت.** (پ۳۰ التکویر)

جب آفتاب بے نور ہو جائے گا۔ اور جب ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ اور جب گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور مارے گھبراہٹ کے جمع ہو جائیں گے۔ اور جب دریا بھڑکائے جاہیں گے۔

ایک ہیبت ناک آواز ہوگی جس سے تمام آسمان اور زمین والے لرز کر رہ جائیں گے۔

**ونفخ فی الصور فصعق من فی السمٰوٰت ومن فی الارض الامن شاء اللہ** (پ۲۴ الزمر ۶۸)

اور صور میں پھونک ماری جائے گی تو تمام آسمان والوں اور زمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔ مگر جس کو خدا چاہے۔

آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے منتشر ہو جائیں گے۔

**اذا السماء انفطرت واذا الکو کب انتثرت** (پ۳۰ الانفطار)

جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے ٹوٹ کر جھڑ جائیں گے۔

ستاروں کی روشنی ماند پڑ جائے گی۔ آسمان کو شق کر دیا جائے گا۔ اور پہاڑ اُڑے اُڑے پھریں گے۔

فاذ النجوم طمست واذاالسماء فرجت واذا الجبال نسفت. (پ۲۹ المرسلٰت ۸.۹.۱۰)

جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب پہاڑ اڑے پھریں گے۔

اس وقت آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ چاند کو گہن لگ جائے گا اور چاند وسورج کو ملا دیا جائے گا۔

فاذا برق البصر وخسف القمرُ وجمع الشمس والقمر. (پ۲۹ القیمة ۷.۸.۹)

سو جب آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی اور چاند بے نور ہو جائے گا۔ اور چاند وسورج کو ملا دیا جائے گا۔

غرضیکہ کائنات کا یہ پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ پھر بالکل نئے سرے سے ایک دوسرا عالم یعنی عالمِ آخرت برپا کیا جائے گا۔ جس میں تمام انسان اپنے اسی جسم کے ساتھ مبعوث ہوں گے۔

یوم تبدل الارض غیر الرض والسمٰوٰت وبرزوا للہ الواحد القھار. (پ۱۳ ابرھیم ۴۸)

جس دن کہ زمین کو دوسری زمین سے اور آسمانوں کو بدل دیا جائے گا اور سب لوگ ایک زبردست اللہ کے روبرو پیش ہوں گے۔

اور اس دنیا میں ان سے صادر ہونے والے اعمال وافعال کے مطابق وہاں کی عدالت میں ان کے فیصلے ہوں گے۔ جس نے اس دنیا میں رہتے ہوئے احکم الحاکمین کے متعین کردہ اصول و ضوابط کے مطابق اپنے کاروانِ حیات کو چلایا اور اس کے قائم کردہ نشانِ منزل کا احترام کیا۔ تو اس کے واسطے ہمیشہ کے لئے تمام خواہشات پوری کرنے کے ذرائع مہیا کر دیئے جائیں گے۔ اور جس نے خالقِ کائنات اور رب العالمین کے بنائے ہوئے اصول کو اس دنیا میں پامال کیا اور اس دنیا کی چندروزہ لذتوں میں مست ہو کر آخرت کی زندگی سے بالکل بے پرواہ ہو گیا، تو اس کو ہمیشہ کے ہولناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا جس کا کسی بھی طرح وہاں تدارک نہیں کیا جا سکتا۔

فاما من طغیٰ ۔ وآثر الحیوۃ الدنیا ۔ فان الجحیم ھی الماویٰ ۔ واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ ۔ فان الجنۃ ھی الماویٰ. (پ۳۰ النزعٰت)

بہر حال وہ شخص جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور بہر حال وہ شخص جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو حرام خواہشات سے روکا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

وہ دن ایسا ہولناک ہوگا کہ کوئی کسی کی ہمدردی اور مدد کرنے کو تیار نہ ہوگا۔ بھائی بھائی سے، بیٹا اپنے والدین سے، شوہر اپنی بیوی اور اولاد سے متنفر ہو جائے گا، نفسی نفسی کا عالم ہوگا، کسی کو کسی کی پرواہ نہ ہوگی اور کوئی کسی کا غم خوار نہ ہوگا۔

یوم یفر المرء من اخیہ ۰ وامہ وابیہ ۰ وصاحبتہٖ وبنیہٖ ۰ لکل امری منھم یؤمئذٍ شأن یغنیہ ۰ (پ۳۰ عبس)

اس دن آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص کو ایک ایسی پریشانی ہوگی جو اس کو دوسرے کی جانب متوجہ نہ ہونے دے گی۔

عالمِ آخرت میں منتقل ہونے کے بعد مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے اپنے جرموں کا اعتراف کر رہے ہوں گے، اور کہہ رہے ہوں گے کہ اے پروردگار! اب تو ہم نے سب دیکھ سن لیا۔ اب ہمیں پھر سے دنیا میں واپس کر دے۔ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اب وہاں جا کر نیک اور صالح اعمال ہی کریں گے اور آپ کی قائم کردہ حدود کا احترام کریں گے۔

ولو تری اذا لمجرمون ناکسوا رؤسھم عند ربھم ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحاً انا موقنون. (پ۲۱ السجدۃ ۱۲)

اور اگر آپ دیکھیں اس حال کو جب کہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار بس ہماری آنکھیں اور ہمارے کان کھل گئے۔ لہٰذا ہم کو پھر بھیج دے اب ہم نیک کام کیا کریں گے۔

انسان وہاں کے ہولناک عذابوں میں گھرا ہوا ہوگا اور چیخ چیخ کر کہہ رہا ہوگا اے پروردگار! ہم کو اس مصیبت سے نجات دیدے۔ اور ہم نے ابھی تک جو بھی سرکشی اور بغاوت کی ہے اس سے توجہ کرتے ہیں اور اب تیرے بتائے ہوئے قوانین کے مطابق زندگی گذاریں گے۔ تیرے احکام کی فرمانبرداری میں اپنے تمام اوقات کو صرف کر دیں گے۔

وھم یصطرخون فیھا ربنا اخرجنا نعمل صالحاً غیر الذی کنا نعمل. (پ۲۲ فاطر ۳۷)

اور وہ لوگ اس میں یعنی جہنم میں چیخیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو یہاں سے نکال لیجئے اب خوب اچھے اچھے کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے۔

مگر انسان اپنی ان آرزوؤں میں ہرگز کامیاب نہ ہوگا اور کسی بھی طرح کے عمل کرنے کی وہاں ذرہ برابر بھی مہلت نہ ملے گی۔

وما هم بخارجين من النار (پ۲ البقرة ۱۶۷)

اور وہ جہنم سے نکل نہیں سکتے۔

وہ دن ایسی بے کسی کا دن ہوگا کہ یہ دنیاوی مال ومتاع اور اولاد وخاندان قطعی طور پر کام نہیں آئیں گے۔

يوم لا ينفع مال ولا بنون٥ الامن اتى الله بقلب سليم. (پ۱۹ الشعرء ۸۸،۸۹)

اس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد، نجات تو صرف اس شخص کی ہوگی جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر حاضر ہوگا۔

اس کی آنکھ، کان، دل، غرضیکہ جسم کے ایک ایک عضو سے پوچھ تاچھ کی جائے گی۔

ان السمع والبصر والفواد كل اولئك كان عنه مسئولا (پ۱۵ بنی اسرائیل ۳۶)

کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ تاچھ ہوگی۔

اس دنیا میں رہتے ہوئے انسان نے جو ذرہ برابر بھی نیکی کی ہے اس کو وہاں اپنی نگاہوں سے دیکھ لے گا۔ اور جو اس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہے اس کا بھی وہاں مشاہدہ کر لے گا۔

فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره٥ ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره. (پ۳۰ الزلزال ۷،۸)

تو جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کو وہاں دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بھی بدی کرے گا وہ بھی اس کو وہاں دیکھ لے گا۔

یہ ہے مذہب اسلام کی عالمِ آخرت کے بارے میں وہ منظر کشی جس سے روز محشر کی ہولناکی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ انسانی دل وہاں کے محاسبہ کا نظام سن کر دہل جاتے ہیں۔ انسانی بدن جہنم کی وحشت ناک سزاؤں کو سن کر لرز اٹھتے ہیں۔

# حیاتِ اخروی کا اثبات

مذہب اسلام نے عقیدۂ آخرت کے تسلیم کرنے کی صرف دعوت ہی نہیں دی ہے بلکہ اس کو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت بھی کیا ہے۔ جس شدومد سے انسان کو حیات بعد الممات سے اختلاف تھا اس سے کئی درجہ قوت کے ساتھ اسلام نے اس کا اثبات کیا ہے۔

مذہب اسلام نے حیات بعد الممات کے اثبات کے سلسلے میں انسانوں کو کائنات کی اشیاء کے تغیرات اور انقلابات میں غور وخوض کرنے کی دعوت دی ہے۔ اس نے دنیا کے تمام انسانوں سے اپیل کی ہے کہ روئے زمین پر چل پھر کر اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو کہ وہ مردہ زمین کو کس طرح زندگی بخشتا ہے۔ جس جگہ کسی سبزہ کے اگنے کی امید تک نہ تھی، اسی جگہ پر پانی کے مشکیزے بادلوں کی شکل میں منڈلانے لگتے ہیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ہلکی پھوار موسلہ دھار بارش کی نوعیت اختیار کر لیتی ہے اور مردہ زمین میں زندگی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ چند دنوں کے بعد اسی زمین پر طرح طرح کے سبزے اور پھلواریاں اور مختلف انواع کی گھاسیں اگنے لگتی ہیں۔

قرآن کہتا ہے کہ جس طرح سبزوں کے بکھرے ہوئے ذرات پانی کی نمی پاتے ہی اُگ پڑتے ہیں ٹھیک اسی طرح زمین میں بکھرے ہوئے انسانی ذرات کو خالق کائنات زندہ کر کے میدانِ حشر میں جمع کر دے گا۔

**واللہ الذی ارسل الریاح فتثیر سحاباً فسقنٰہ الی بلدٍ میّت فاحیینا بہ الارض بعد موتھا کذالک النشور.** (پ۲۲ فاطر ۹)

اور اللہ ایسا ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم ان بادلوں کو خشک زمین کی طرف ہانک کر لے جاتے ہیں۔ پھر ہم اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں اسی طرح قیامت میں آدمیوں کو زندہ کر کے اٹھا دیا جائیگا۔

وہ خالقِ کائنات جو زمین میں سبزوں اور گھاسوں کے بکھرے ہوئے مردہ ذرات کو حیات، رویدگی، احساس اور شعور بخش سکتا ہے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ انسان کو اس کے مرنے کے

بعد دوبارہ زندہ کردے؟ یقیناً وہ اس پر قادر ہے اور وہی انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔

ومن اٰیاتہٖ انک تری الارض خاشعة فاذا انزلنا علیها الماء اهتزت وربت فان الذی احیاها لمحی الموتیٰ انه علی کل شئ قدیر (پ۲۴ حم السجدة ۳۹)

اور اس کی نشانیوں سے ایک یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ زمین دبی دبائی پڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے۔ تو جس نے اس زمین کو زندہ کردیا ہے وہی مردوں کو زندہ کردے گا کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن نے دعوت دی۔ کہ اے لوگو! مردہ زمین کی طرف نگاہ دوڑاؤ کہ وہ کس طرح زندہ ہوتی ہے اور کس نوعیت سے اس میں سبزہ اُگتا ہے۔ پس وہ صانع عالم جو مردہ زمین کو زندہ کرسکتا ہے کیا وہ مردہ انسانوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ یقیناً وہ اس پر قادر ہے۔

فانظر الی اٰثار رحمة الله کیف یحي الارض بعد موتهاان ذلک لمحی الموتیٰ وهوعلی کل شئٍ قدیر (پ۲۱ الروم ۵۰)

رحمت الٰہی کے آثار دیکھو کہ اللہ مردہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے تو وہی مردہ انسانوں کو بھی زندہ کردے گا اور وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

جب حیات اُخروی کے منکرین اس سلسلے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے ہوئے کہتے۔ کہ ایک انسان اپنے مرجانے کے بعد زمین میں رل مل جاتا ہے تو دوبارہ وہ آخر کس طرح زندہ ہوجائے گا؟ اس کے ان بکھرے ہوئے ذرات میں عقل وشعور اور احساس کی روح کون پھونک سکتا ہے؟ حیات بعد الممات کا عقیدہ تو بالکل بعید از قیاس ہے۔ اور حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

تو ان حالات میں ہادیٔ عالم ﷺ کو خالقِ کائنات کی جانب سے یہ اعلان کرنے کو کہا جاتا ہے کہ اے رسولؐ! آپ حیاتِ اخروی کے ان منکرین سے کہہ دیجئے کہ تم سب مرکر پتھر ہوجاؤ یا لوہا بن جاؤ یا کسی اور ایسی چیز میں تبدیل ہوجاؤ جس کا زندہ ہونا تمہارے نزدیک بالکل محال ہو، تب بھی تم کو وہی خالقِ کائنات دوبارہ پھر زندہ کردے گا جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔

قل کونوا حجارۃً او حدیداً او خلقاً مما یکبر فی صدورکم فسیقولون من یعیدنا قل الذی فطرکم اول مرۃً (پ۵ بنی اسرائیل ۵۰، ۵۱)

آپ فرمادیجئے کہ تم پتھر یا لوہا یا کوئی ایسی مخلوق بن جاؤ جس کی زندگی تمہارے دلوں میں بعید از امکان ہو اس پر وہ پوچھیں گے کہ وہ کون ہے جو ہم کو دوبارہ زندہ کرے گا تو آپ فرمادیجئے کہ وہ وہی ہے جس نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

عاص بن وائل بطحاء مکہ سے بوسیدہ ہڈی کو لے کر ہادی عالم ﷺ سے پوچھتا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ کون زندہ کرے گا۔

من یحي العظام وھی رمیم

تو آپؐ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ اس سے کہہ دیجئے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہی خالق زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار وجود بخشا تھا۔

قل یحییھا الذی انشاء ھا اول مرۃً (پ۲۳ یٰس ۷۹)

آپ فرمادیجئے کہ اس کو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا۔

جس ذاتِ عالی نے منی کے قطروں سے مرد و عورت کے جوڑے بنائے ہوں کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردہ انسانوں کو دوبارہ حیات کا جامہ پہنادے؟ یقیناً وہ اس پر قادر ہے۔

الم یک نطفۃ من منی یمنی ثم کان علقۃ فخلق فسویٰ فجعل منہ الزوجین الذکر والانثیٰ الیس ذالک بقٰدرٍ علی ان یحي الموتیٰ (پ۲۹ القیمہ)

کیا یہ شخص ابتدا میں ایک قطرۂ منی نہ تھا جو عورت کے رحم میں ٹپکایا گیا تھا۔ پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا۔ پھر اللہ نے اس کو انسان بنایا۔ پھر اعضاء درست کیے پھر اس کی دو قسمیں کر دیں مرد اور عورت تو کیا وہ خدا جس نے ابتدا میں یہ سب اپنی قدرت سے کیا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ قیامت میں مردوں کو زندہ کر دے۔

ایک چیز بالکل ناپید ہے اور ابھی تک وہ پردۂ وجود پر نہیں آئی ہے، تو اس کی ایجاد تو ایک مشکل امر ہو سکتا ہے۔ مگر جو چیز پردۂ عدم سے منشۂ وجود پر آچکی ہو البتہ اس کے اجزا بکھر جائیں اور منتشر ہو جائیں تو اس کو دوبارہ بنا دینا عقلی حیثیت سے کوئی مشکل ترین معاملہ نہیں ہے۔

یہ ایک ایسی عقلی دلیل ہے جس کے مسلم ہونے میں کسی ذی عقل انسان کا کوئی اختلاف نہیں، پس اسی عقلی دلیل کی روشنی میں قرآن نے حیات بعد الممات کے عقیدہ کا اثبات کیا ہے اس کا کہنا ہے کہ اے لوگو! کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے پہلی بار مخلوق کو کس طرح پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ اس نے بغیر کسی میٹریل اور مادہ کے تم کو محض اپنی قدرتِ کاملہ سے وجود بخشا ہے۔ تو وہی تم کو دوبارہ بھی اپنی قدرتِ کاملہ سے زندہ کر کے میدانِ حشر میں لا کھڑا کرے گا۔ یہ تو اللہ کے لئے بالکل سہل اور آسان ہے۔

**اولم یروا کیف یبدی اللہ الخلق ثم یعیدہ ان ذالک علی اللہ یسیر.** (پ۲ العنکبوت ۱۹)

کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ نے مخلوق کو پہلی بار کس طرح پیدا کیا پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کر دے گا۔ یہ تو اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔

# ایمان بالآخرت کے فوائد

مذہبِ اسلام نے جس عقیدۂ آخرت کو تسلیم کرنے کی دعوت دی ہے اس کو عقلی اور نقلی دلائل سے مستحکم بھی کیا ہے۔ اور ایمان بالآخرت کے فوائد اور حیاتِ اخروی کے انکار کے مضرات سے آگاہ بھی کیا ہے۔

ایمان بالیوم الآخر ہی وہ عقیدہ ہے جو انسان کو اپنے اعمال کی جوابدہی کا احساس دلاتا ہے، یہی وہ عقیدہ ہے جو انسانی معاشرہ کو ایک صحت تہذیب عنایت کرتا ہے، یہی وہ عقیدہ ہے جو انسان کو ظلم وستم اور ناانصافی سے باز رکھتا ہے، یہی وہ عقیدہ ہے جو حسن سلوک اور ہمدردی کی اسپرٹ پیدا کرتا ہے، یہی وہ عقیدہ ہے جو اعمالِ صالحہ کرنے اور افعالِ قبیحہ سے باز رہنے کی روح ودیعت کرتا ہے، یہی وہ عقیدہ ہے جو آئین وقوانین کا احترام سکھاتا ہے۔ خواہ سفر ہو یا حضر ہو، دن کا اجالا ہو یا رات کی ظلمت، حکومت کے پہرے دار سامنے ہوں یا نہ ہوں، بہر صورت یہی عقیدہ انسانوں کو ارتکاب جرم سے باز رکھ سکتا ہے اور اعمالِ صالحہ کرنے پر ابھار سکتا ہے۔

ہادیٔ عالم ﷺ نے اپنے اولین مخاطبین کے دلوں میں یہی عقیدہ بڑی مضبوطی کے ساتھ راسخ کر دیا تھا۔ جس کی بنا پر بڑے ہی قلیل عرصہ میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔ ظلم وستم اور قتل وغارتگری کے اڈے ختم ہو گئے۔ عدل وانصاف کے پرچم لہرانے لگے۔ نفرت وتشدد کے بجائے اخوت وبھائی چارگی کی ہوائیں چلنے لگیں۔ اور زندہ درگور کی جانے والی معصوم بچیوں کو رحمت کا سایہ سمجھا جانے لگا۔

چور اپنی چوریوں سے باز آئے تو اسی عقیدہ کی بنیاد پر۔ رہزن اپنی رہزنی سے رکے تو اسی عقیدہ کی بنیاد پر۔ قاتلوں نے قتل وغارتگری سے توبہ کی تو اسی عقیدہ کی بنیاد پر۔ شرابیوں نے شرابوں سے لبریز جاموں کو چکنا چور کیا تو اسی عقیدہ کی بنیاد پر، معصوم بچیوں کو درگور کرنے والے اس مذموم حرکت سے باز آئے تو اسی عقیدہ کی بنیاد پر، زانیوں نے زنا سے توبہ کی تو اسی عقیدہ کی بنیاد پر، طاقتور نے کمزور کا ساتھ دیا تو اسی عقیدہ کی بنیاد پر۔

غرضیکہ صرف یہی عقیدہ وہ عقیدہ ہے جس میں اعمال صالحہ پر ابھارنے کی روح اور افعالِ قبیحہ سے باز رکھنے کی اسپرٹ موجود ہے۔

# مخالفت

## طوفان سے پہلے کی خاموشی

سرورکائنات ﷺ کی ان تعلیمات سے لوگ متاثر ہورہے تھے اور دونوں جہاں کی کامیابی حاصل کرنے کے لئے خودکوحضرت محمد ﷺ کے حوالے کرتے جارہے تھے۔لیکن دولت کے پجاری،عزوجاہ کے بھوکے، اقتدار کے لالچی اور سماج کے ظالم لوگ امن وسلامتی کے اس پیغامبر کی مخالفت پرتل گئے۔

لیکن مخالفت کس طرح کریں؟ ان کے سامنے ایک اہم سوال تھا۔کیونکہ ان کے بالمقابل جوشخصیت ہے وہ اتنی پاکیزہ اورراست باز ہے کہ اس پرکوئی الزام لگانا نہ صرف یہ کہ مشکل تھا بلکہ الزام لگانے والے خودموردالزام ثابت ہوجاتے۔

اس نزاکت کی وجہ سے انھوں نے سرورکائنات ﷺ کی برپا کی ہوئی تحریک کوکچلنے کے لئے آپؐ کے چچا خواجہ ابوطالب سے رابطہ قائم کیا تاکہ آپسی گفت وشنید سے مسئلہ حل ہوجائے اورمحمدرسول اللہ ﷺ اپنے مشن سے بازآجائیں۔

قریش کے کچھ ذمے دارلوگ خواجہ ابوطالب کی خدمت میں حاضرہوئے اوران سے کہا۔

آپ کے بھتیجے محمد ﷺ ہمارے معبودوں کو باطل قراردیتے ہیں۔ہمارے دین میں کمیاں نکالتے ہیں،اس لئے یاتو آپ انہیں اس عمل سے روک دیں اوران سے کہہ دیں کہ انھیں جو کچھ کرنا ہے اسے نجی طورپرکریں۔اگرانہوں نے اسے تحریک کی شکل میں پیش کیا تو ہم لوگ اسے کبھی بھی برداشت نہیں کرسکتے۔یاپھرانھیں ہمارے حوالے کردیں۔ہم خودہی ان سے نمٹ لیں گے۔

قریش کے ان لوگوں کے سامنے خواجہ ابوطالب نے نرم لہجے میں گفتگو کی اوران کو سمجھا بجھا کرواپس کردیا۔ادھررسول اللہ ﷺ دین اسلام کی تبلیغ میں مسلسل مصروف رہے۔

# موسم حج کے لئے لائحۂ عمل

سرور کائنات ﷺ علی الاعلان دعوت کے کام میں مصروف تھے اور اسی دوران زمانۂ جاہلیت کی رسم ورواج کے مطابق موسم حج قریب آ گیا۔ اس موقع پر شہر مکہ میں باہر سے آنے والے حجاج کا جم غفیر ہو جاتا تھا۔ اس لئے ان منکرین اسلام کی تشویش مزید بڑھ گئی، ان کی سوچ یہ تھی کہ باہر کے ان حجاج کو اگر محمد ﷺ سے ملاقات کرنے کا موقع مل گیا تو محمد ﷺ اپنی بے مثال گفتگو اور اپنے عظیم اخلاق وکردار سے ان کو اپنا ہم مذہب بنالیں گے۔ اسی خدشے کے پیش نظر ان اعیان قریش نے ایک میٹنگ طلب کی اور اس کے سدباب کے لئے ایک لائحۂ عمل تیار کیا جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

## ولید بن مغیرہ کا مشورہ

قریش کے اہم ذمے دار لوگ ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے تاکہ موسم حج کی آمد کے پیش نظر محمد ﷺ کی تحریک پر نہایت باریک بینی سے غور وخوض کیا جائے اور باہر سے آنے والے حجاج کی محمد ﷺ سے ملاقات پر پابندی لگانے کے لئے کوئی طریقہ اختیار کیا جائے؟۔

ولید بن مغیرہ اپنی قوم کا نہایت زیرک اور سمجھدار لیڈر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس نے ان لوگوں سے کہا کہ پہلے آپ لوگ کوئی رائے پیش کریں، پھر اس پر غور وخوض کر کے فیصلہ لے لیا جائے گا۔ لیکن جو بھی فیصلہ ہو اسی پر سب لوگ عمل کریں اور سب کی زبانوں پر محمد ﷺ کے خلاف ایک ہی نعرہ ہو۔ تاکہ باہر سے آنے والے حجاج تمام اہل مکہ سے محمد ﷺ کے خلاف ایک ہی طرح کی بات سن کر ان سے متنفر ہو جائیں۔

چنانچہ کچھ لوگوں نے کہا۔ آنے والے حجاج کے سامنے محمد ﷺ کے بارے میں یہ بات بتائی جائے کہ محمد ﷺ کاہن ہیں۔

ولید بن مغیرہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ محمد ﷺ کو کوئی بھی کاہن تصور نہیں کر سکتا کیونکہ کاہنوں جیسی چال ڈھال اور ان جیسی حرکتیں محمد ﷺ کے قریب تک نہیں پھٹکیں۔ تو انھیں کاہن کون تسلیم کرے گا؟۔ اگر تم لوگوں نے ان کے بارے میں یہ جملہ کہا تو شاید تم لوگوں کو ہی کو ہی جھوٹا قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کوئی اور راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

کچھ لوگوں نے کہا۔ آنے والے حجاج کے سامنے ہم یہ بات رکھیں گے کہ محمد ﷺ کی کوئی بات نہ سننا اور نہ ماننا، کیونکہ وہ پاگل ہیں۔

اس رائے پر ولید بن مغیرہ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ رب کعبہ کی قسم! اگر آپ حضرات نے محمد ﷺ کے بارے میں لوگوں کو یہ بتایا کہ وہ پاگل ہیں تو محمد ﷺ کو تو کوئی پاگل تسلیم نہیں کرے گا، البتہ انھیں پاگل کہنے والے ہی پاگل بتائے جائیں گے۔ کیونکہ محمد ﷺ کی جاذب نظر شخصیت پر پاگل پن کی مہر نہیں لگائی جاسکتی۔

لوگوں نے ولید بن مغیرہ کے اس تبصرہ کو بھی جائز قرار دیا۔

کچھ لوگوں نے کہا۔ آنے والے حجاج کے سامنے محمد ﷺ کا تعارف ایک شاعر کی حیثیت سے کرایا جائے۔ تو لوگ ان کی مذہبی حیثیت کو قبول نہیں کریں گے۔

ولید بن مغیرہ نے اس مشورہ کو بھی یہ کہتے ہوئے رد کر دیا۔ رب کعبہ کی قسم! ہم بخوبی واقف ہیں کہ محمد ﷺ شاعر نہیں ہیں۔ اور شاعری کے عنوان سے ان کا تعارف کرا کے ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ولید بن مغیرہ کے ان تبصروں کو لوگ جائز تو ٹھہرا رہے تھے مگر اب ان کے سامنے سب سے اہم سوال یہ تھا آخر آنے والے حجاج کے سامنے محمد ﷺ کا تعارف کن الفاظ میں کرایا جائے کہ لوگ ان سے دور رہیں۔

مجبور ہو کر ان لوگوں نے ولید بن مغیرہ سے درخواست کی۔

اب آپ ہی فرمائیے!۔ ہم لوگ محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہیں؟۔

ولید بن مغیرہ نے کہا۔تم سب پر لازم ہے کہ آنے والے تمام حجاج کے سامنے محمد ﷺ کا یہ تعارف کراؤ کہ وہ بہت بڑے جادوگر ہیں۔ان کے جادو کی تاثیر یہ ہے کہ جوان کے کلام کو سن لے، یا ان کی نظر سے اس کی نظر مل جائے تو اس پر ان کے جادو کا ایسا اثر ہو جاتا ہے کہ وہ شخص ان کے پیچھے پیچھے گھومتا پھرتا ہے۔ وہ اپنے جادو سے کنبوں اور قبیلوں میں پھوٹ ڈال دیتے ہیں۔ وہ اپنے جادو سے ماں باپ میں جدائی پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے جادو سے بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیتے ہیں۔

قرآن نے ولید بن مغیرہ کے تکبر بھرے انداز میں دیئے گئے اس مشورہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ. فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ. ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ. ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَبَصَرَ، ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ.

اس نے غور کیا اور اندازہ لگایا، وہ غارت ہو اس نے کیسا اندازہ لگایا، پھر وہ غارت ہو اس نے کیسا اندازہ لگایا، پھر اِدھر اُدھر دیکھا، پھر پیشانی کو سکوڑا، پھر پلٹا اور تکبر کیا، پھر کہا یہ جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، یہ محض انسان کا کلام ہے۔

ولید بن مغیرہ کی اس رائے کو ان تمام لوگوں نے بہت سراہا اور اس کی ذہانت کی بھرپور داد دیتے ہوئے اس کے اس مشورہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مکہ مکرمہ کے باہر راستہ کی ناکہ بندی شروع کر دی۔اور ہر اس راستے پر جس سے شہر مکہ میں کوئی داخل ہو ان لوگوں نے اپنے نمائندے مقرر کر دئے۔اور سب کو یہی ہدایت دی کہ باہر سے آنے والے ہر شخص کو محمد ﷺ کے بارے میں یہ یقین دہانی کرا دو کہ وہ جادوگر ہیں، لہٰذا ان سے ملاقات نہ کریں اور نہ ان کی گفتگو سنیں، بلکہ انہیں دیکھیں بھی نہیں، ورنہ ان کے جادو سے وہ متاثر ہو جائیں گے اور اپنے گھر، خاندان، آل اولاد سب سے بچھڑ کر محمد ﷺ کے پیچھے پیچھے دیوانوں کی طرح مارے مارے پھریں گے۔

ان معاندین اسلام کی اس قرارداد پر عمل کرنے سے اولین مرحلے میں یہ فائدہ ہوا کہ باہر کے وہ لوگ جو ابھی تک سرور کائنات ﷺ کی ذات گرامی سے ناواقف تھے کم از کم ان کو آپؐ

کا تعارف حاصل ہوا۔ اور انہیں یہ معلوم ہوگیا کہ سرزمین مکہ کسی پر صاحب نے نبوت ورسالت کا دعویٰ کیا ہے۔

ولید بن مغیرہ کی پیش کردہ اس قرارداد پر عمل کرنے والوں میں ابولہب سب سے زیادہ پیش پیش تھا۔ اس کی ہر ممکن کوشش یہی تھی کہ کوئی بھی شخص حضرت محمد ﷺ سے ملاقات نہ کر سکے۔ اور اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ فلاں شخص آپؐ سے ملاقات کر چکا ہے تو ابولہب اسے بہکانے میں کوئی کسر نہ چھوڑتا۔

## طفیل بن عمرو دوسی

اسی سال یمن کے ایک قبیلے کے سردار طفیل بن عمرو دوسی حج کے لئے آئے تھے۔ مکہ میں داخلہ سے قبل ہی معاندین اسلام کے پرجوش مبلغین نے اس سردار کی خوب خاطر تواضع کی اور پھر اسے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بھرپور طریقے سے ورغلایا۔ اس کے ذہن میں ان لوگوں نے یہ بات اتار دی کہ اگر محمد ﷺ کی نظر سے تمہاری نظر مل گئی، یا تم نے ان کا کوئی کلام سن لیا تو بس سمجھ لینا کہ ان کے جادو کے چکر میں پھنس جاؤ گے اور تمہارے بیوی بچے، گھر خاندان کے سبھی لوگ تم سے چھوٹ جائیں گے اور تم اکیلے ان محمد ﷺ کے پیچھے دیوانوں کی طرح پھرو گے۔

طفیل بن عمرو دوسی سرور کائنات ﷺ کے بارے میں ایسی باتیں سن کر گھبرا گیا، چنانچہ اس نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد اس قدر احتیاط برتی کہ جب کبھی مکہ کی گلیوں یا حرم میں وہ جاتا تو اپنے کانوں میں روئی لگا لیتا، تاکہ حضرت محمد ﷺ کا کوئی کلام اس کے کانوں کے پردوں سے نہ ٹکرانے پائے، جب وہ چلتا تو نظروں کو جھکا کر رکھتا، تاکہ حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی پر نظر نہ پڑ سکے۔

طفیل بن عمرو دوسی اس احتیاط کے ساتھ مکہ میں قیام پذیر رہے۔ ایک دن ان کے دل میں

خیال آیا کہ احتیاط سے رہتے ہوئے اتنے دن گذر چکے ہیں کبھی کوئی خطرہ تو سامنے آیا نہیں۔ آخر ان کانوں میں روئی کب تک ٹھونسے رہوں گا۔ طفیل نے فیصلہ لیا کہ آج روئی لگائے بغیر ہی حرم میں جاؤں گا۔

شاید آج ہی کی وہ تاریخ تھی جس میں کاتب تقدیر نے طفیل کے لئے ہدایت لکھ دی تھی، اور ظلمتوں کے سایہ میں زندگی گذار رہے طفیل کے لئے آج ہدایت کی شمع فروزاں روشنی بکھیر دے گی۔

طفیل کانوں میں روئی لگائے بغیر حرم میں آئے، انھوں نے دیکھا کہ کوئی شخص ہے جو قیام کی حالت میں بے مثال کلام پڑھ رہا ہے۔ اس کلام کی مترنم آواز نے طفیل کے پیروں کو وہیں جام کر دیا۔ طفیل اس کلام کو سن کر بہت متاثر ہو رہے تھے۔ طفیل کے ضمیر نے آواز دی۔ طفیل! جس کا کلام تمہیں متاثر کر رہا ہے اس سے ملاقت ضرور کرنا۔ طفیل کھڑے کھڑے اس شخص کی زبان سے نہایت رقت آمیز آواز میں کلام سنتے رہے، کچھ دیر کے بعد اس شخص نے نماز سے فراغت پائی تو طفیل اس کی جانب متوجہ ہوئے اور پوچھا۔

آپ کون ہیں اور کونسا کلام پڑھ رہے تھے؟

اس شخص نے جواب دیا۔

میں محمد ﷺ ہوں، اللہ کا رسول ہوں، اور یہ کلام اللہ کا کلام ہے جو تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے مجھ پر نازل کیا گیا۔

اتنا سننا تھا کہ طفیل دوسی سرور کائنات ﷺ کے قدموں میں گر گئے اور فوراً اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

موسم حج میں سرور کائنات ﷺ کی ملاقات سے حجاج کو روکنے کی جتنی تدابیر اختیار کی گئیں وہ سب اسلام کی اشاعت کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئیں۔ انہیں معاندین اسلام کے اس پروپیگنڈے سے باہر سے آنے والے حجاج کو سرور کائنات ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔

سرورِ کائنات ﷺ کے پیغام کی جاذبیت معاندین اسلام کی ہر بساط تدبیر کو اُلٹتی چلی جارہی تھی اور آپ ﷺ کا کردار ان کی ہر منصوبہ بند کوشش کو ناکام بناتا جارہا تھا۔ اس لئے انہوں نے مزید طریقوں سے اسلام کے خلاف نئے نئے محاذ قائم کئے۔

## استہزاء

انہوں نے اہل اسلام کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے ان کے ساتھ استہزاء اور ٹھٹھے بازی کا راستہ اختیار کیا، صحابہ جدھر سے گذرتے وہیں ان کے ساتھ یہ لوگ بے ہودہ مذاق کرتے، انگشت نمائی کرتے، قرآن حکیم میں ان کے اس بے ہودہ رویہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا کَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَکُوْنَ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ وَاِذَ انْقَلَبُوْا اِلٰی اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَکِهِیْنَ، وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْا اِنَّ هٰؤُلَاءِ لَضَالُّوْنَ.

بیشک وہ لوگ جنہوں نے جرم کیا وہ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور جب ان کے پاس سے گذرتے ہیں تو وہ آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں اور جب وہ (یہ حرکتیں کرکے) اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو لطف اندوز ہوتے ہوئے لوٹتے ہیں اور جب وہ ان (صحابہ) کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہی لوگ گمراہ ہیں۔

کبھی وہ صحابہ کو دیکھ کر کہا کرتے اَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنْ بَیْنِنَا کیا یہی ہیں ہمارے درمیان کے وہ لوگ جن کے ساتھ اللہ نے انعام واحسان کا معاملہ فرمایا ہے۔

اس طرح کے تکلیف دہ جملوں کے استعمال کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان اہل اسلام کی اسقدر تضحیک کی جائے کہ یہ اسلام سے برگشتہ ہوجائیں۔

مگر سرورِ کائنات ﷺ کی ذات گرامی سے وابستہ لوگ آپ ﷺ سے جدا ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وہ سب اسلام کی تعلیمات سے اسقدر متأثر ہوچکے تھے کہ ان معاندین اسلام کی یہ زہر افشانیاں ہر زاویئے سے بیکار ثابت ہورہی تھیں۔

# اسلامی تعلیمات میں شبہات پیدا کرنا

جب ان کفار ومشرکین نے یہ محسوس کرلیا کہ ہنسی، مذاق، استہزاء اور ٹھٹھے بازی سے یہ لوگ متأثر نہیں ہورہے ہیں تو انہوں نے اسلامی تعلیمات میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کا راستہ اپنایا۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ جن تعلیمات سے یہ صحابہ متأثر ہورہے ہیں ان تعلیمات کے بارے میں اتنے شکوک وشبہات پیدا کردیئے جائیں کہ اس سلسلے میں ان کا ایمان متزلزل ہوجائے۔

چنانچہ انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ جو تعلیمات قرآن کے نام پر محمد ﷺ پیش کررہے ہیں یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ کسی انسان سے محمد سیکھ لیتے ہیں۔ اور پھر اسے کلام الٰہی کے عنوان سے پیش کردیتے ہیں۔ قرآن نے ان کی اس ہرزہ سرائی کو اس طرح بیان کیا ہے۔

اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ

یہ قرآن تو ان (محمد ﷺ) کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ یہ قرآن کلام الٰہی نہیں بلکہ محمد ﷺ نے اسے اپنی جانب سے بنالیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے بھی اس سلسلے میں ان کی مدد کی ہے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ

یہ محض اختراپردازی ہے جس کو محمد نے گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس پر ان کی مدد کی ہے۔

انہوں نے ان صحابہ کو اس عنوان سے بھی ورغلانے کی کوشش کی کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ رسول کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ کھانا کھاتا ہو، نہ پانی پیتا ہو، نہ بازاروں میں جاکر خرید وفروخت کرتا ہو، نہ دیگر انسانی ضروریات اس کے ساتھ وابستہ ہوں۔ جب کہ یہ محمد کھانا بھی کھاتے ہیں، پانی بھی پیتے ہیں، اور بازاروں میں بھی جاتے ہیں۔

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ

یہ رسول کیسا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

لیکن ان بدطینت اور مردہ ضمیر انسانوں کی یہ حرکت بھی کارگر ثابت نہ ہوسکی اور کوئی ایک بھی صاحب ایمان ان کے ان شکوک وشبہات کے جال میں نہیں پھنسا۔

# افسانوں سے قرآنی واقعات کا مقابلہ

انہوں نے اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے اور قرآن کے پیغام کو بے اثر کرنے کے لئے ایک راستہ یہ بھی اپنایا کہ قرآنی واقعات کا مقابلہ کرنے کے لئے کچھ عجمی شہنشاہوں اور دیگر لوگوں کے واقعات نہایت فصیح و بلیغ زبان میں لوگوں کے سامنے سنانے شروع کئے تاکہ جو لوگ قرآنی قصوں سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر رہے ہیں انہیں معلوم ہو جائے کہ صرف محمد ﷺ ہی قصہ سنانا نہیں جانتے بلکہ ہم بھی قصہ گوئی جانتے ہیں۔

اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے نضر بن حارث حیرہ گیا اور وہاں اس نے شہنشاہوں اور رستم و اسفندیار کے قصے یاد کئے اور پھر مکہ میں آ کر لوگوں کو ان کے قصے سناتا اور یہ کہتا کہ محمد ﷺ مجھ سے بہتر قصہ نہیں سنا سکتے۔ لیکن نضر بن حارث کا مقفّٰی اور مسجع کلام قرآنی اعجاز کا آخر کس طرح مقابلہ کر سکتا تھا؟۔

# سودے بازی

جب اسلام دشمن لوگ اپنے اس منصوبے میں بھی ناکام ہو گئے تو انہوں نے سرور کائنات ﷺ سے سودے بازی شروع کر دی۔

ابن اسحٰق کے بیان کے مطابق سرور کائنات ﷺ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے کہ اتنے میں اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور عاص بن وائل آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ آیئے ہم یہ طے کر لیں کہ جس کی عبادت تم کرتے ہو اس کی عبادت ہم بھی کریں اور جن کی پوجا ہم کرتے ہیں ان کی پوجا تم بھی کرو۔

ان کے اس مطالبے پر پوری سورت قل یایھا الکفرون نازل ہوئی۔ اس میں نہایت واضح طور پر یہ ثابت کر دیا گیا کہ جو شخص اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اس ایمان کی

حالت میں ہرگز ہرگز غیر اللہ کی پرستش نہیں کرسکتا۔ اور جو شخص اللہ کے علاوہ دیگر معبودوں کا پجاری ہے تو ان معبودوں کی معبودیت کو تسلیم کرنے کے ساتھ وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت نہیں کرسکتا۔

اور اخیر میں لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْن کہہ کر سودے بازی کے تمام راستوں کو بند کر دیا گیا۔ کہ تمہارے لئے تمہارا راستہ ہے اور ہمارے لئے ہمارا راستہ ہے۔ اس لئے تمہاری منزل ہماری منزل سے جدا ہے۔ اور الگ الگ منزلوں کی طرف جانے والے راستے متحد نہیں ہوسکتے اس لئے عبادت کے عنوان سے ہمارا تمہارا اتحاد نہیں ہوسکتا۔

# ظلم وستم

جب یہ طاغوتی طاقتیں اپنے ان تمام منصوبوں میں ناکام ہوگئیں، خواجہ ابوطالب سے ان کی خیر سگالی ملاقات بھی سرور کائنات ﷺ کے مشن کو روکنے میں کامیاب ثابت نہ ہوئی، موسم حج میں حجاج کو حضرت محمد ﷺ سے ملاقات کرنے پر کڑی پابندیوں کے باوجود مقصد حاصل نہ ہوسکا، مذاق واستہزاء سے بھی بات بنتی نظر نہ آئی، اسلامی تعلیمات میں شکوک وشبہات پیدا کرنے میں بھی کامیابی نہ مل سکی۔ قرآنی قصوں کی مقابلہ آرائی بھی بے سود ثابت ہوئی اور اخیر میں سودے بازی کی مہم بھی ناکام ہوگئی تو ان معاندین اسلام نے اہل ایمان کو ظلم وستم اور جبر واستبداد کا تختۂ مشق بنانا شروع کردیا۔ ظلم وستم کا یہ سلسلہ نبوت کے چوتھے سال کے آخر میں شروع ہوا۔ اور نبوت کے پانچویں سال کے درمیان تک اپنے شباب کو پہونچ گیا۔

جہاں کسی اہل ایمان کو دیکھا بس اسی پر برس پڑے، ان پر ظلم وستم ڈھانے کے لئے ممکنہ تدابیر میں سے کوئی تدبیر نہ چھوڑی۔ ابوجہل جب کسی طاقتور اور مضبوط آدمی کے قبول اسلام کی خبر سنتا تو اسے گالیاں بکتا اور اس کے مال ودولت اور عزت آبرو کو نقصان پہونچانے کی دھمکیاں دیتا اور اگر کسی کمزور شخص کے قبول اسلام کے بارے میں اسے اطلاع ملتی تو وہ اسے اذیتیں دیتا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس عمل پر اُکساتا۔

اہل اسلام پر ظلم کی داستان نہایت دردانگیز ہے۔ ان معاندین اسلام نے ابولہب کی سربراہی میں سرور کائنات ﷺ کو اذیتیں پہونچانے کا منصوبہ بنایا اور اس پر عمل شروع کردیا۔ ابولہب تو روز اول سے ہی آپؐ کا مخالف ہوگیا تھا اور کوہ صفا پر اس کی گستاخی منظر عام پر آگئی تھی۔ اسی ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں کو سرور کائنات ﷺ کی دو بیٹیوں کو جو ان کے نکاح میں تھیں طلاق دینے پر اُکسایا۔ یہی ابولہب ہے جو ہر اس جگہ پہونچ جاتا جہاں سرور کائنات ﷺ کے بارے میں اسے معلوم ہوتا کہ آپ نے وہاں اسلام کی بات کہی ہے۔ وہ وہاں جاکر آپؐ کی شان

میں گستاخیاں کرتا آپؐ کو برا بھلا کہتا۔ بلکہ طارق بن عبداللہ محاربی کی روایت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپؐ کو پتھروں سے مارتا بھی تھا جس کی وجہ سے آپؐ کی ایڑیاں خون سے تر بتر ہو جاتی تھیں۔ (جامع الترمذی)

اسی طرح ابولہب کی بیوی ام جمیل جس کا اصل نام اروی تھا اس نے بھی سرور کائنات ﷺ کو تکلیف پہونچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

یہ ظالم عورت سرور کائنات ﷺ کے دروازے کے سامنے اور آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھا دیا کرتی تھی۔ اور آپؐ کے بارے میں بہت زیادہ بدکلامی کیا کرتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ شریف کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم میں سے کون شخص ہے جو فلاں اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد ﷺ سجدے میں جائیں تو ان کے اوپر ڈال دے۔ اس کام کے لئے قوم کا ایک بدترین آدمی اٹھا اور وہ اوجھڑی لے آیا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ حضرت محمد ﷺ سجدے میں چلے گئے تو اس نے وہ اوجھڑی آپؐ کی پیٹھ پر دونوں کندھوں کے درمیان ڈال دی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ میں دیکھ رہا تھا مگر میں کچھ نہیں کر سکا۔ کاش میرے اندر آپؐ کو بچانے کی قوت ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ پھر وہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے اور حضور ﷺ سجدہ کی حالت ہی میں رہے۔ آپؐ نے سر نہیں اٹھایا یہاں تک آپؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ آئیں اور انھوں نے آپؐ کے اوپر سے وہ اوجھڑی ہٹائی پھر آپؐ نے سر اٹھایا۔

سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کے ساتھ یہ ناروا سلوک اور ظلم وستم کا یہ سلسلہ جاری تھا اور آپؐ کے ساتھ ساتھ آپؐ پر ایمان لانے والے صحابہ بھی ان ظالموں کے جبر واستبداد کا نشانہ بن رہے تھے۔

حضرت بلال حبشیؓ امیہ بن حلف کے غلام تھے، جب حضرت بلال حبشی نے ایمان قبول کرلیا اور امیہ کو آپ کے ایمان کی خبر ملی تو اس نے آپ پر ظلم کی انتہا کردی۔ امیہ آپ کی گردن میں رسی ڈال کر مکہ کے اوباش لڑکوں کے حوالہ کر دیتا۔ وہ لڑکے آپ کو مکہ کی پہاڑیوں کے بیچ گھماتے پھرتے۔ پھر امیہ آپ کو باندھ کر ڈنڈوں اور زنجیروں سے مارتا اور جب اس زدوکوب سے آپ کا بدن زخمی ہو جاتا تو دن میں ٹھیک دوپہر کے وقت چلچلاتی دھوپ میں سنگریزوں پر آپ کو ڈال دیا جاتا، پھر ایک بھاری بھرکم پتھر آپ کے سینے پر رکھ دیا جاتا، تاکہ آپ حرکت نہ کرنے پائیں اور پھر آپ سے کہا جاتا بلال! یا تو اسی حال میں مرجاؤ یا پھر محمد ﷺ کا دامن چھوڑ دو۔

اس پر بلال حبشیؓ فرمایا کرتے احد احد یعنی معبود تو ایک ہی ہے ہم اس کے علاوہ کسی اور کی معبودیت تسلیم نہیں کر سکتے۔

حضرت خباب بن الارت ام انمار کے غلام تھے، یہ عورت قبیلہ بنوخزاعہ سے تعلق رکھتی تھی۔ حضرت خبابؓ نے جب ایمان قبول کیا تو اس کی پاداش میں ان کو دہکتے ہوئے انگاروں پر ڈال دیا جاتا، کبھی ان کے بال نوچے جاتے اور کبھی ان کی گردن کو مروڑا جاتا۔ اور مطالبہ صرف اتنا تھا کہ وہ اسلام کو چھوڑ دیں۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ جو نہایت ناز ونعمت میں پلے تھے جب ان کی ماں کو معلوم ہوا کہ مصعبؓ نے ایمان قبول کرلیا ہے تو ان کا کھانا پانی تک بند کر دیا اور انھیں گھر سے نکال دیا۔

حضرت عثمان بن عفانؓ کا چچا آپ کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیتا، تاکہ آپ کا دم گھٹ جائے۔

حضرت یاسر اور ان کی بیوی حضرت سمیہ اور ان کے بیٹے حضرت عمار۔ ان حضرات نے جب اسلام قبول کیا تو قیامت خیز سزاؤں سے انہیں دوچار ہونا پڑا۔ ابوجہل نے حضرت سمیہؓ کی شرمگاہ پر برچھا مار کر شہید کر دیا۔ یہ اسلام میں پہلی شہادت تھی جو حضرت سمیہ کو نصیب ہوئی، پھر ان ظالموں نے مکہ کے قبرستان جنت المعلاہ کے دروازے سمیہؓ کے لئے بند کر دیئے اور اعلان کر

دیا کہ سمیہ کو اپنے اس قبرستان میں دفن بھی نہیں ہونے دیں گے۔ تا کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے کا انجام معلوم ہو جائے۔ جب حضرت خدیجہؓ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے اپنی ایک ذاتی جگہ میں حضرت سمیہ کی تدفین کروائی۔

حضرت یاسرؓ بوڑھے ہو چکے تھے مگر ان ظالموں کو اس بڑھاپے کی حالت میں بھی ان پر ترس نہ آیا اور ان کو اتنا مارا کہ وہ تاب نہ لا سکے اور اسی حال میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت یاسرؓ کے بیٹے عمار کو ایمان لانے کی پاداش میں پانی میں غوطے دیئے گئے۔ انہیں دھوپ کی تپش میں ڈال کر سرخ پتھر ان کے سینے پر رکھ دیا جاتا۔

کفار و مشرکین اہل اسلام کو سزائیں دینے کیلئے نت نئے طریقے ایجاد کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ بعض صحابہ کو اونٹ کی کچی کھال میں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے۔ کسی کو لوہے کی زرہ پہنا کر سلگتے ہوئے پتھروں پر لٹا دیتے تھے۔

حضرت ابو فکیہہؓ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ ان کو اسلام لانے کی پاداش میں گھسیٹ گھسیٹ کر تپتے ہوئے ریت پر ڈال دیا جاتا اور سینے پر پتھر رکھ دیا جاتا۔ اور ایک بار تو ان کے سینے پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیا گیا کہ آپ کی زبان باہر نکل آئی۔

حضرت خدیجہ کے بیٹے حارث بن ابی ہالہ جو حضور اکرم ﷺ کے پروردہ تھے، انھوں نے ایک موقع پر دیکھا کہ سرور کائنات ﷺ کے ساتھ کچھ لوگ زیادتیاں کر رہے ہیں۔ تو حارث بن ابی ہالہ آپؐ کو چھڑانے کے لئے وہاں پہونچ گئے اور آپؐ کو ان ظالموں کے ہاتھوں سے چھڑا لیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو تو چھوڑ دیا۔ لیکن حارث بن ابی ہالہ کو اتنا مارا کہ وہیں حرم میں رکن یمانی کے نیچے گر کر شہید ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام صحابہ و صحابیات کو پوری امت مسلمہ کی جانب سے جزائے خیر عطاء فرمائے جنھوں نے جبر و استبداد کے ان تمام تھپیڑوں کو برداشت کرتے ہوئے خود کو زندگی کے آخری سانس تک اسلام سے وابستہ رکھا۔

کفار و مشرکین کی جانب سے ظلم و ستم کا یہ سلسلہ نبوت کے چوتھے سال کے آخری حصہ میں شروع ہوا تھا اور نبوت کے پانچویں سال کے درمیان تک اپنی انتہا کو پہونچ گیا۔ حالت زار یہ ہوگئی کہ مکہ کی سرزمین پر اسلام کے ساتھ زندہ رہنا ایک مشکل ترین مسئلہ بن گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ ملنا جلنا بھی خطرناک ثابت ہونے لگا۔

## ابوذر غفاری

حضرت ابوذرؓ قبیلہ غفار کے نہایت نمایاں شخص تھے۔ انھیں سچائی کی تلاش تھی۔ انھیں معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں کوئی صاحب ہیں جنھوں نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت ابوذر نے اپنے چھوٹے بھائی کو حالات کی تحقیق کے لئے مکہ مکرمہ بھیجا۔ ابوذرؓ کے بھائی مکہ میں آئے اور سرور کائنات ﷺ کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کر کے اپنے بڑے بھائی ابوذر کو حالات سے آگاہ کیا۔ اور یہ بتایا کہ وہ صاحب واقعی بہت اچھے ہیں، وہ نیک باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری کے لئے یہ اطلاع ناکافی ثابت ہوئی اور انھوں نے خود مکہ مکرمہ آنے کا ارادہ کیا، جب وہ مکہ مکرمہ پہونچے تو وہاں کے حالات کا جائزہ لیا۔ انھیں محسوس یہ ہوا کہ اگر یہاں لوگوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ میں محمد ﷺ سے ملنے آیا ہوں تو میری خیر نہیں۔

اب حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ابوذر پوچھیں تو کس سے پوچھیں؟ کئی دن اسی تگ ودو میں گذر گئے مگر حضرت محمد ﷺ کا تعارف نہ مل سکا۔

حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوذر غفاری کو ایک اجنبی شخص محسوس کر کے ان کو اپنے یہاں ٹھہرایا۔ تیسرے دن جب حضرت علی نے ابوذر سے ان کا مقصد پوچھا تو ابوذرؓ نے اپنا مقصد بتایا کہ میں حضرت محمد ﷺ سے ملنے آیا ہوں مگر ابھی تک یہ سعادت حاصل نہیں ہوسکی۔

حضرت علیؓ نے حضرت ابوذر غفاری کو اپنے ساتھ لیا اور انھیں ہدایت کی کہ آپ میرے ساتھ اس طرح چلیں گویا کہ آپ میرے ساتھ نہیں ہیں۔ اگر کہیں کوئی خدشہ محسوس ہوگا تو میں چپل ٹھیک کرنے کے بہانے سے رک جاؤں گا اور تم چلتے رہنا۔ نہایت رازداری کے ساتھ حضرت ابوذرؓ بارگاہ رسالت مآبؐ میں پہونچے۔ اور جیسے ہی ابوذر کی نگاہ روئے انور پر پڑی تو جمال مصطفیٰؐ کی ایک ہی کرن نے ابوذر کے دل و دماغ کو روشن کر دیا۔ اور اسی وقت حضرت ابوذر غفاریؓ نے اسلام قبول کر لیا۔

یہ آپ کی ایمانی جرأت تھی کہ فوراً حرم میں آئے اور طاغوت کے پرستاروں کو للکار کر کہا۔

یَامَعْشَرَ قُرَیْش اِنِّیْ اَشْهَدُاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اتنا سننا تھا کہ قریش نے آواز دی قُوْمُوْا اِلٰی هٰذَ الصَّابِیْ، مارو اس بددین کو۔

چنانچہ وہ سب لوگ حضرت ابوذر غفاریؓ پر ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ آپ جاں بلب ہو گئے۔

حضرت عباسؓ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انھیں محسوس ہوا کہ شاید اب ابوذر مر جائیں گے۔ تو فوراً حضرت عباسؓ ان کو بچانے کے لئے ان کے اوپر اوندھے لیٹ گئے اور پکار کر کہا۔

یہ شخص قبیلہ غفار کا آدمی ہے اگر یہ مر گیا تو اس قبیلے کے لوگ تمہارا تجارتی راستہ بند کر دیں گے اور پھر غلہ کا ایک دانہ بھی تم کو نہ مل سکے گا۔

یہ بات سن کر ان لوگوں نے حضرت ابوذر غفاری کو چھوڑ دیا۔

پھر اگلے روز بھی حضرت ابوذر غفاریؓ نے اسی طرح اسلام کا نعرہ بلند کیا اور قریش کے لوگوں نے پھر انھیں زدوکوب کیا۔ حضرت عباس نے پھر یہی کہہ کر ان کو بچایا۔

# ہجرت کا اشارہ

ان نا مساعد حالات اور سنگین مصائب میں صحابہ گھرے ہوئے تھے۔ اسلام کے ساتھ مکہ مکرمہ کی سرزمین پر زندگی گذارنا مشکل ترین مسئلہ بن چکا تھا، تو ان حالات میں سورۂ کہف نازل ہوئی۔ جس میں اصحاب کہف کا واقعہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا، اس سورت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب ایمان کو خطرہ لاحق ہو جائے تو بستی چھوڑ کر کسی دوسرے مقام میں منتقل ہو جانا چاہئے اور جو لوگ ایمان کی حفاظت کے لئے ہجرت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت ان کو مل کر رہتی ہے۔ اس سورت میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی ملاقات کا بھی تذکرہ ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ حالات ہمیشہ ظاہر ہی کے تابع نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطنی حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔

نیز اسی سورت میں ذوالقرنین کا واقعہ بھی مذکور ہے جس میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ تمام زمین کا مالک صرف اللہ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اس زمین کا وارث بنا دیتا ہے اور کامیابی ایمان میں ہے نہ کہ کفر میں۔ نیز اللہ تعالیٰ اپنے مظلوم بندوں کی حفاظت وحمایت کے لئے بادشاہوں کو بھی خدمت پر مامور کر دیتا ہے۔ گویا سورۂ کہف کے نزول نے صحابہ کو مکہ مکرمہ چھوڑنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کر دیا تھا۔

سورۂ کہف کے بعد سورۃ زمر کا نزول ہوا اور اس میں ہجرت کے لئے اللہ کی بنائی ہوئی وسیع زمین کا تذکرہ ہے اور اسلام پر قائم رہتے ہوئے مصائب کو برداشت کرنے والوں کے لئے بہترین بدلے کا وعدہ ہے۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَّاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ.

جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھے کام کئے تو ان کے لئے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے اور صبر کرنے والوں کو ان کا بدلہ بے حساب دیا جائے گا۔

# ہجرت حبشہ

اب اسلام کے تحفظ اور دوسرے مقامات پر اس کی تبلیغ کے لئے ہجرت ناگزیر ہو چکی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کا پہلا قافلہ تیار کیا جس میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ سرو کائنات ﷺ کے داماد حضرت عثمان بن عفانؓ اولین مہاجرین کی اس جماعت کے سربراہ تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کی اہلیہ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ بھی تھیں۔

انہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت ابراہیم و حضرت لوط کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی۔

سرور کائنات ﷺ نے ان مہاجرین کو حبشہ جانے کا حکم دیا۔ کیونکہ آپؐ کو معلوم تھا کہ حبشہ کا بادشاہ اصحمہ نجاشی نہایت عادل بادشاہ ہے۔ وہ اپنی سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اولین مہاجرین کا یہ مختصر سا قافلہ رات کی تاریکی میں مکہ مکرمہ سے نکلا اور بحر احمر کی بندرگاہ شعیب یہ تک پہونچ گیا۔ یہ غیبی نصرت ہی تھی کہ وہاں دو تجارتی کشتیاں روانہ ہونے کے لئے تیار کھڑی تھیں۔ صحابہ ان کشتیوں پر بیٹھ کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

کفار و مشرکین کو جیسے ہی ان صحابہ کی ہجرت کا علم ہوا تو انھوں نے ان کا تعاقب کیا مگر نامراد واپس لوٹے۔ کیونکہ مہاجرین کا قافلہ اول مرحلے میں ہی حبشہ روانہ ہو چکا تھا۔ حبشہ پہونچنے کے بعد ان صحابہ کو سکون و قرار حاصل ہوا۔

# دوسری ہجرت حبشہ

مکہ مکرمہ میں اہل ایمان پر ظلم و ستم کا سلسلہ برابر جاری تھا اور آئے دن ایذا رسانی کے نت نئے طریقے ایجاد کئے جا رہے تھے۔ ادھر جب رسول اللہ ﷺ کو اپنے صحابہ کے ساتھ نجاشی بادشاہ کے اچھے سلوک کی اطلاع ملی تو آپؐ نے صحابہ کی دوسری جماعت کو حبشہ کی طرف ہجرت کی

خفیہ تیاری کا حکم دے دیا۔ اور اس دوسری ہجرت میں بیاسی مردوں اور اٹھارہ عورتوں نے ہجرت فرمائی۔

# قریش کی بوکھلاہٹ

حبشہ کی جانب صحابہ کرام کی ان دو کامیاب ہجرتوں سے قریش آگ بگولہ ہو گئے۔ اہل ایمان کی اس کامیابی پر وہ انگشت بدنداں تھے، اب ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان کا تعاقب کس طرح کیا جائے، اسی بوکھلاہٹ میں انھوں نے طئے کیا کہ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو تحفے ہدیے دے کر نجاشی بادشاہ کی خدمت میں بھیجا جائے اور وہاں کے درباری علماء کے لئے بھی تحفے بھیجے جائیں اور ان سے کہا جائے کہ ہمارے وطن کے کچھ لوگ اپنے دین سے پھر گئے ہیں اور وہاں سے بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں کے ہی عزیز و اقارب نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے، لہٰذا آپ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم ان کو ان کے اہل خانہ تک پہونچا دیں۔

چنانچہ یہ دونوں لوگ نہایت قیمتی تحفے لے کر حبشہ پہونچے اور پہلے وہاں کے درباری علماء کو تحفے پیش کر کے ان کو اپنی سفارش کے لئے تیار کیا پھر شاہ حبشہ نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحائف پیش کر کے بادشاہ سے کہا۔

بادشاہ سلامت!

ہمارے یہاں کے کچھ ناسمجھ لوگ بھاگ کر آپ کے ملک میں آبسے ہیں، انھوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر ایک نیا دین ایجاد کیا ہے۔ ہمیں ان کے گھر والوں نے ہی بھیجا ہے۔ آپ سے التجا ہے کہ آپ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم ان کو ان کے گھروں تک پہونچا دیں۔

نجاشی بادشاہ نے ان مہاجرین صحابہ کے بارے میں کوئی فیصلہ لینے سے قبل ان کو اپنے دربار میں طلب کیا اور حقیقت جاننے کے لئے ان سے پوچھا۔

وہ کونسا دین ہے جس کو تم لوگوں نے اپنایا ہے؟

ان مہاجرین صحابہ کی طرف سے ترجمانی کے لئے حضرت جعفر بن ابی طالب کو پہلے سے ہی مقرر کرلیا گیا تھا، حضرت جعفر بن ابی طالب نے نہایت پر اعتماد لہجے میں اس سوال کا جواب دیا۔ آپ نے فرمایا۔

اے بادشاہ! پہلے ہم جاہلیت میں گھرے ہوئے تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردہ جانور کھاتے تھے، بدکاری ہمارا شیوہ تھا، قرابتداری کے تعلقات منقطع کرتے تھے، پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے، ہمارا طاقتور کمزوروں پر ظلم کرتا تھا، ہمارے یہاں لڑکیوں کو زندہ دفن کردیا جاتا تھا، اس ماحول میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا اور اللہ نے ہم میں سے ہی ایک رسول مبعوث فرمایا، پہلے چالیس سال انھوں نے ہمارے درمیان اس طرح گذارے کہ پوری قوم ان کی سچائی، امانتداری اور پاکدامنی کی قائل ہوگئی۔ اس رسولؐ نے ہمیں بتایا کہ صرف اللہ ہی عبادت کے لائق ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس رسولؐ نے ہمیں بت پرستی سے منع کیا، اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت داری کے حقوق پورا کرنے، پڑوسی سے حسن سلوک کرنے کا حکم دیا اور حرام کاری اور برے کاموں سے بچنے کا حکم دیا۔

ہم لوگوں کو اس رسول کی یہ باتیں اچھی معلوم ہوئیں تو ہم نے اس پر ایمان قبول کرلیا۔ اس بنا پر ہماری قوم ہم سے ناراض ہوگئی اور ہمارے اوپر ظلم وستم ڈھانے لگی۔ اس لئے ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لی ہے۔

جب قریش کے فرستادہ وفد نے محسوس کرلیا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی اس پر اثر تقریر سے نجاشی بادشاہ بے حد متأثر ہورہا ہے تو اس نے فوراً نفسیاتی حملہ کرتے ہوئے بادشاہ سے کہا۔

بادشاہ سلامت! آپ ان لوگوں سے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے بارے میں بھی تو معلوم کرلیں کہ ان کے بارے میں ان لوگوں کا کیا عقیدہ ہے۔

اس سلسلے میں بادشاہ کے سوال کے جواب میں حضرت جعفر بن ابی طالب نے سورۂ مریم

کا وہ پورا رکوع پڑھ کر سنا دیا جس میں حضرت مریم کی پاکدامنی بیان کی گئی ہے اور حضرت عیسیٰ کو اللہ کی ایک نشانی قرار دیتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں اور اس کے نبی ہیں۔

اس قرآنی پیغام کو سن کر نجاشی اور زیادہ متاثر ہوا، پھر اس نے مسلمانوں سے کہا تم سب لوگ اطمینان اور سکون کے ساتھ ہمارے ملک میں رہو۔ تم پر کوئی گرفت نہیں، اگر تمہیں کوئی گالی دے گا تو سزا کے طور پر اس سے تاوان لیا جائے گا اور میں نہیں چاہتا کہ تم میں سے کسی کو ستاؤں اگرچہ اس کے بدلے مجھے سونے کے پہاڑ مل جائیں۔

نجاشی بادشاہ نے حکم دیا کہ اس وفد کے لائے ہوئے ہدیے، تحفے سب واپس کر دیئے جائیں اور ان کو اسی حال میں ان کے وطن بھیج دو۔

چنانچہ عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن عاص دونوں بے آبرو ہو کر نامراد واپس ہو گئے، جب قریش نے اپنی یہ ناکامی اور رسوائی دیکھی تو ان کے غیظ و غضب کے شعلے اور بھڑک اٹھے۔ انھوں نے اب مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام پر مزید مظالم ڈھانے شروع کر دیے۔

## قریش دوسری بار ابو طالب کی خدمت میں

اہل اسلام پر ظلم و ستم کا ہر حربہ استعمال کیا جا رہا تھا۔ مگر ظلم و ستم کی یہ کارستانیاں اہل اسلام کو اسلام سے منحرف کرنے میں مکمل طور پر ناکام ثابت ہو رہی تھیں۔ اس لئے مجبور ہو کر قریش نے ایک بار پھر خواجہ ابو طالب سے رابطہ قائم کیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دھمکی بھرے انداز میں یہ مطالبہ کیا کہ آپ محمد ﷺ کو ان سرگرمیوں سے روک دیں۔ ورنہ آپ کے خلاف اور محمد ﷺ کے خلاف ایک خوں ریز جنگ چھیڑ دی جائے گی جس سے ایک نہ ایک فریق کا خاتمہ یقینی ہے۔

خواجہ ابو طالب مسلمانوں کے ساتھ ہو رہے مظالم کو برابر دیکھ رہے تھے۔ اب وہ ظالم

قریش دھمکی بھرے انداز میں بھتیجے محمد ﷺ کو دعوت اسلام سے روکنے کا مطالبہ کررہے ہیں، اور بصورت دیگر خوں ریز جنگ کا اعلان کررہے ہیں۔ اب ابوطالب بھی چراغ سحری تھے۔ عمر کے آخری حصے میں پہونچ چکے تھے۔ قویٰ مضمحل ہو چکے تھے۔ ان اعیان قریش کے اس مطالبہ کو خواجہ ابوطالب نے سنجیدگی سے لیا۔ اور بھتیجے محمد ﷺ کو بلا کر کہا۔

بھتیجے محمد! قریش کے لوگ ہمارے پاس آئے تھے اور انھوں نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ لہٰذا اب آپ خود اپنے اوپر اور میرے اوپر رحم کرو اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میری سکت سے باہر ہو۔

سرور کائنات ﷺ نے اپنے شفیق چچا کی زبانی جب یہ سنا تو آپؐ نے نہایت پر اعتماد لہجے میں فرمایا۔ چچا جان! رب کعبہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں جب بھی میں اپنے اس عمل کو نہیں چھوڑ سکتا۔

یہ کہتے کہتے رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور آپؐ اپنے چچا سے ایک حد تک مایوس ہو کر چل دیئے۔

خواجہ ابوطالب کو اپنے بھتیجے کی یہ حالت دیکھ کر بہت احساس ہوا۔ انھوں نے آپؐ کو بلایا اور آپؐ سے کہا، رب کعبہ کی قسم! میں تمہیں کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتا، آپ جو کچھ کررہے ہیں اسے کرتے رہئے۔ اس موقع پر خواجہ ابوطالب نے یہ اشعار کہے۔

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْکَ بِجَمْعِهِمْ حَتّٰى اُوَسَّدَفِى التُّرَابِ دَفِيْنَا

اللہ کی قسم یہ لوگ اپنی جمعیت کے ساتھ کبھی بھی آپ تک نہیں پہونچ سکتے۔ یہاں تک کہ مجھے مٹی میں دفن کردیا جائے۔

فَاصْدَعْ بِاَمْرِکَ مَا عَلَيْکَ غَضَاضَةٌ وَابْشِرْ وَقَرَّ بِذَاکَ مِنْکَ عُيُوْنَا

آپ اپنی بات علی الاعلان کہیں آپ پر کوئی گرفت نہیں! آپؐ خوش رہیں اور اس سے آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچتی رہے۔

# حضرت حمزہؓ ایمان لے آئے

سرور کائنات ﷺ اور صحابہ کرام مکہ مکرمہ کی سرزمین پر مسلسل ایذا رسانیوں سے دوچار ہو رہے تھے۔ ایمان قبول کرنے والوں میں عمومی طور پر کمزور طبقے کے لوگ شامل تھے جس کی بنا پر کفار و مشرکین بہت آسانی سے ان کو ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنا لیتے تھے یہ مصیبتیں سہتے سہتے ۶ نبوی کا آخری حصہ آ گیا۔ اسی زمانے میں ابوجہل نے کوہ صفا کے قریب سرور کائنات ﷺ کو برا بھلا کہا اور ایک پتھر آپؐ کے سر پر مارا جس سے آپؐ کے سر مبارک سے خون بہہ نکلا، ابوجہل کی یہ تمام حرکتیں عبداللہ بن جدعان کی باندی دیکھ رہی تھی۔ اتفاق سے کچھ دیر کے بعد رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب شکار کھیل کر واپس آ رہے تھے تو عبداللہ بن جدعان کی باندی نے حضرت حمزہؓ کو روک کر ابوجہل کی نازیبا حرکت اور ایذا رسانی کا سارا قصہ سنا دیا۔

حضرت حمزہؓ یہ سن کر غصہ سے بے قابو ہو گئے اور ابوجہل کو تلاش کرتے ہوئے حرم میں پہونچے، وہاں ابوجہل کو دیکھ کر آپ کے غصہ کی آگ اور بھڑک اٹھی اور سیدھے ابوجہل کے پاس پہونچ کر اسے بہت سخت سست کہا اور پھر ابوجہل کے سر پر اپنی کمان اس قدر زور سے ماری کہ اس بدبخت کا سر پھٹ گیا۔

حضرت حمزہؓ نے ابوجہل سے کہا تو نے میرے بھتیجے محمدؐ کو گالی دی ہے اور انھیں مارا بھی ہے، اب تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ میں بھی انہی کے دین پر ہوں اب تجھ سے جو ہو سکے وہ کر گذر۔

حضرت حمزہؓ کے ایمان قبول کرنے سے صحابہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انھوں نے قدرے اطمینان کا سانس لیا۔

# حضرت عمرؓ ایمان لے آئے

حضرت حمزہؓ کو ایمان لائے ہوئے ابھی صرف تین دن ہی گذرے تھے کہ مکہ کی سرزمین پر ایک اور انقلاب رونما ہوا۔ اور وہ انقلاب دراصل دعاء نبوی کا ثمرہ تھا، یعنی حضرت عمرؓ نے ایمان قبول کرلیا۔ سرور کائنات ﷺ نے دعاء فرمائی تھی اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ الرَّجُلَیْنِ اِلَیْکَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِاَبِیْ جَھْلِ بْنِ ھِشَامٍ۔

اے اللہ دو آدمیوں عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام میں سے تجھے جو زیادہ پسند ہو اس کے ذریعہ اسلام کو تقویت عطاء فرما۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا یہ ذریعہ بنایا کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے اسلام دشمن ذہنیت کی بنا پر یہ فیصلہ لیا کہ آج محمد ﷺ کو اپنے ہاتھ سے قتل کردوں گا تاکہ آئے دن کے یہ جھگڑے ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائیں۔

حضرت عمرؓ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ننگی تلوار لے کر چل دیئے۔ راستے میں نعیم بن عبداللہ مل گئے۔

نعیم نے پوچھا۔ عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ آج تو میں محمد ﷺ کو قتل کرنے جارہا ہوں تاکہ ان کا برپا کیا ہوا فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔

نعیم بن عبداللہ نے کہا عمر! اگر تم نے ان کو قتل کردیا تو پھر بنو ہاشم اور ان کے حلیف بنو زہرہ سے کیسے مقابلہ کروگے؟ بنو ہاشم اور بنو زہرہ قتل محمد کا انتقام لینے کے لئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا۔ مجھے محسوس ہورہا ہے کہ تو بھی بددین ہوگیا ہے۔

نعیم نے کہا۔ ہماری فکر تو بعد میں کرنا پہلے اپنے بہن و بہنوئی کی خبر لو۔ وہ بھی اپنا سابقہ دین چھوڑ کر محمد ﷺ کا دین قبول چکے ہیں۔

اتنا سننا تھا کہ حضرت عمرؓ غصے سے تلملا گئے اور سیدھے اپنی بہن کے گھر پہونچے۔ وہاں حضرت خبابؓ حضرت عمر کی بہن فاطمہ اور ان کے بہنوئی کو قرآن حکیم کی تعلیم دے رہے تھے۔ اور اس درس قرآن کی آواز حضرت عمر نے سن بھی لی تھی۔

دروازہ پر دستک دی اور جب ان کے بہن بہنوئی کو معلوم ہوا کہ عمر آئے ہیں تو جلدی سے صحیفۂ قرآن کو آڑ میں رکھ دیا اور خباب کو بھی چھپا دیا۔

اندر آکر حضرت عمرؓ نے اپنے بہنوئی سے پوچھا کہ کیا تم نے کوئی نیا دین اختیار کرلیا ہے؟ بہنوئی نے نہایت پر اعتماد لہجے میں کہا، اگر حق اسی دین میں ہو تو؟ اتنا سننا تھا کہ عمر اپنے بہنوئی پر پل پڑے اور اتنا مارا کہ وہ بے ہوش گئے۔ شوہر کی یہ حالت زار دیکھ کر حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ چیخ پڑیں اور شوہر کو بچانے کے لئے جیسے ہی آگے بڑھیں تو حضرت عمرؓ نے ان کے چہرہ پر اس قدر سخت ضرب لگائی کہ خون بہنے لگا۔

حضرت فاطمہ نے اپنے بھائی عمرؓ سے کہا۔ عمر! تم سے جو ہوسکتا ہے وہ کر گذرو۔ ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ چھوڑنا۔ مگر سن لو۔ ہم دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔

بہنوئی کی حالت زار اور بہن کے خون آلود چہرہ نے عمر کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اب عمر مجبور ہو چکے ہیں حقیقت جاننے کے لئے۔

انھوں نے کہا اچھا مجھے وہ کتاب دکھاؤ جو تم دونوں پڑھ رہے تھے۔

بہن نے کہا۔ اس کتاب کو صرف پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اگر واقعی تم اس کتاب کو پڑھنا چاہتے ہو تو پہلے غسل کرو پھر وہ کتاب تمہارے ہاتھ میں دی جائے گی۔

حضرت عمرؓ اٹھے اور غسل کرنے کے بعد جب قرآن پڑھنا چاہا تو ان کے سامنے سورۂ طٰہٰ کا ابتدائی حصہ تھا۔ انھوں نے اسے پڑھا، قرآن کی اس تلاوت نے عمر کے دل کی دنیا بدل ڈالی۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لئے بے چین ہو گئے۔

اتنے میں پردہ کے پیچھے چھپے خباب باہر نکل آئے۔ اور حضرت عمرؓ کو مبارک باد دیتے

ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دعاء مانگی تھی شاید تم ہی اس کے مصداق ہو۔

حضرت عمرؓ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپؐ کوہ صفا کے قریب دار ارقم میں تشریف فرما تھے۔ وہیں حضرت حمزہ اور دیگر کچھ صحابہ بھی موجود تھے۔ حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ نے عمرؓ کا دامن پکڑ کر جھٹکا اور فرمایا۔

کیا عمر! اب بھی باز نہیں آؤ گے؟ کیا کسی قہر الٰہی کا تمہیں انتظار ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

جی ہاں میں باز آچکا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه'

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے سرور کائنات ﷺ کو اتنی مسرت ہوئی کہ آپؐ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور آپ کے ساتھ موجود صحابہ نے بھی زور سے تکبیر کہی۔ اور کوہ صفا کا دامن پہلی بار نعرۂ تکبیر کی حیات آفریں آواز سے گونج اٹھا۔

حضرت عمر ایمان لائے تو مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے سورماؤں کے گھر جا جا کر ان سے بتایا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ پھر صحابہ کو لے کر حرم میں پہونچے اور کھلم کھلا حرم میں نماز ادا کی۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بہت راحت ملی اور سرزمین مکہ پر ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا۔

مکہ میں دشمنان اسلام کی تعداد چونکہ ابھی بھی بہت زیادہ تھی جس کی بنا پر حضرت عمرؓ کو بھی کافی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

## سودے بازی کی ایک اور مذموم کوشش

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے نڈر اور بہادر لوگ جب دامن اسلام کے سایے میں آ گئے تو کفار و مشرکین کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اب ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تحریک اسلامی کے اس سیل رواں پر کس طرح قابو پایا جائے۔ ظلم و ستم اور جبر و استبداد اپنی آخری حد کو

پہونچ گیا مگر محمد ﷺ کے اصحاب کی تعداد میں کمی ہونے کے بجائے ہر لمحہ اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھانے والے ان بدمستوں کو احساس ہوگیا کہ شاید اب ظلم وجبر سے لبریز ہماری ان تدبیروں سے کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا تو انھوں نے ایک بار پھر رسول اللہ ﷺ سے سودے بازی کرنے کی مذموم کوشش کی۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں اکیلے تشریف فرما تھے۔ عتبہ بن ربیعہ نے قریش سے کہا۔ کیوں نہ ایک بار پھر محمد ﷺ کو سمجھانے کی کوشش کی جائے اور اس افہام وتفہیم کے دوران ان کے جائز مطالبے پورے کرنے کی یقین دہانی بھی انہیں کرائی جائے۔

لوگوں نے اس سودے بازی کے لئے عتبہ بن ربیعہ کو مقرر کیا۔

عتبہ بن ربیعہ بارگاہ رسالتماب میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔

اے بھتیجے! اگر تم اپنی اس تحریک کے ذریعہ مال کے طلب گار ہو تو ہم تمہارے پاس اتنا مال جمع کردیں گے کہ پھر تم سے بڑا کوئی مالدار نہ ہوگا۔

اور اگر کسی عہدے کے طلب گار ہو تو پھر تم کو ہی اپنا سردار منتخب کرلیں گے اور ہر فیصلہ تمہاری مرضی سے ہوا کرے گا۔ اور اگر تم پر کسی جن یا بھوت کا اثر ہے تو ہم اس کے علاج کے لئے بے دریغ پیسہ خرچ کرنے کے لئے تیار ہیں، اور اگر کسی خوبصورت دوشیزہ سے نکاح کے خواہاں ہیں تو اس کا بھی انتظام کردیا جائے گا۔ بہر حال آپؐ جو چاہیں گے ہم وہی کریں گے۔ مگر آپؐ اپنے اس نئے دین کی اشاعت سے باز آجائیں۔

سرور کائنات ﷺ نے عتبہ بن ربیعہ کی ان تمام باتوں کو سن کر اس کے جواب میں سورۂ حم سجدہ کی آیات تلاوت کیں۔ اور گویا ان آیات کے حوالوں سے آپؐ نے عتبہ کی ہر پیشکش کو ٹھکرادیا۔

# بنو ہاشم اور بنو مطلب کا اجتماع

خواجہ ابو طالب اپنے بھتیجے حضرت محمد ﷺ کے تحفظ کے سلسلے میں نہایت فکر مند تھے کیونکہ آئے دن ایسے حادثات رونما ہوتے رہتے تھے جن کی وجہ سے خواجہ ابو طالب کی نظر میں حضرت محمد ﷺ کی جان کو خطرہ لاحق رہتا تھا۔ کیونکہ کفار قریش نے حضرت محمد ﷺ کے قتل کرنے کے منظم منصوبے تیار کرنے شروع کر دیئے تھے۔ خواجہ ابو طالب کے یہ خدشات برحق بھی تھے کیونکہ ایک موقع پر وہ لوگ ولید بن مغیرہ کے بیٹے عمارہ کو لے کر خواجہ ابو طالب کے پاس آئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ اس بانکے جوان عمارہ کو لے لو اور اس کے بدلے اپنے بھتیجے محمد کو ہمارے حوالے کر دو۔ تم عمارہ کو اپنا بیٹا بنا کر رکھو اور ہم محمد کو قتل کر دیں۔ تا کہ دین کے نام پر جو فتنہ پھیل رہا ہے وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ اس پر خواجہ ابو طالب نے کہا۔

رب کعبہ کی قسم یہ کتنا برا سودا ہے۔ تم اپنا بیٹا ہمارے حوالے کر رہے ہو تا کہ میں اسے پالوں پوسوں اور اس کی خدمت کروں اور تم میرے بیٹے محمد کو لے جا کر قتل کر دو۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ان حالات نے خواجہ ابو طالب کو حضرت محمد ﷺ کے تحفظ کے سلسلے میں کچھ زیادہ ہی فکر مند بنا دیا تھا۔ اس بنا پر ابو طالب نے اپنے جد اعلیٰ عبد مناف کے دو بیٹوں ہاشم اور مطلب کی اولاد کو جمع کیا۔ اور بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سامنے بھتیجے محمد کی زندگی کو لاحق خطرہ سے ان لوگوں کو آگاہ کیا۔ اور ان سے مطالبہ کیا کہ اپنے خاندان کے چشم و چراغ محمد ﷺ کی حفاظت میں بھرپور تعاون کریں۔

بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام لوگوں نے خواجہ ابو طالب کی اس قرار داد کی تائید کی، اور بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سب لوگ دین و مذہب کے اختلاف کو بالائے طاق رکھ کر حضرت محمد ﷺ کی حفاظت کی یقین دہانی کرائی، خواجہ ابو طالب نے نسبی حمیت کے تحت ان کو بلایا اور سب نے اس حمیت کے پیش نظر اس پر عمل بھی کیا۔

ان دونوں خاندانوں کے سبھی مسلم کافر حضرت محمد ﷺ کے تحفظ کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔
البتہ خواجہ ابو طالب کا ایک بھائی ابولہب بن عبدالمطلب نے اس قرارداد کو نامنظور کر دیا اور وہ دیگر قریش کی ٹولی میں جا کر اپنے ہی بھتیجے محمد ﷺ کے قتل کی سازشوں میں شریک ہو گیا۔
غالباً ابولہب کی یہی وہ بے راہ روی ہے جس کی بنا پر پورے قرآن پاک میں صرف ابولہب کا نام لے کر اس کی بربادی کا اعلان کیا گیا۔

## سوشل بائیکاٹ

جب مشرکین مکہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو سرور کائنات ﷺ کی حفاظت کے لئے ایک پلیٹ فارم پر دیکھا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور اب ان کے سامنے سب سے اہم سوال یہ تھا کہ اس نئے اتحاد کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟ کیونکہ اب اگر حضرت محمد ﷺ کو کوئی قتل کرے گا تو اس کے انتقام کیلئے بنو ہاشم اور بنو مطلب جمع ہو جائیں گے اور پھر مکہ کی سرزمین انسانی خون سے لالہ زار ہو جائے گی اور چاروں طرف لاشوں کے ڈھیر لگ جائیں گے جنھیں چیل اور کتے بھی نہ کھا سکیں گے۔

اس لئے اب کفار و مشرکین نے ایک نیا حربہ یہ اختیار کیا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کا سوشل بائیکاٹ کر دیا جائے، نہ ان سے خرید و فرخت کی جائے، نہ ان کے یہاں سے شادی بیاہ ہو، نہ ان کے ساتھ میل جول رکھا جائے، نہ ان سے کسی طرح کی بات کی جائے، البتہ جب وہ محمد ﷺ کو قتل کرنے کے لئے ہمارے حوالے کر دیں گے تو یہ بائیکاٹ ختم کر دیا جائے گا۔

اس سوشل بائیکاٹ کی ایک تحریری دستاویز تیار کی گئی اور اسے اتفاق رائے سے منظور کر کے بیت اللہ شریف کے اندرونی حصہ میں ٹانگ دیا گیا۔ تاکہ اس کی اہمیت کے پیش نظر ہر شخص اس بائیکاٹ پر عمل کرے۔

محرم ۷ نبوی کا یہ واقعہ ہے کہ اس بائیکاٹ کی وجہ سے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام لوگ

خواہ مسلم ہوں یا کافر سب کے سب شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے، البتہ بنو ہاشم میں سے اکیلا ابولہب ایک ایسا شخص تھا جس نے نسبی حمیت اور خاندانی غیرت میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔

یہ بائیکاٹ مسلسل تین سال تک جاری رہا۔ اس تین سالہ دور میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کو نہایت سنگین حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ انھیں اس شعب ابی طالب میں پتے چبانے اور چمڑوں کو بھون بھون کر کھانے پر مجبور ہونا پڑا۔ بھوک کی وجہ سے معصوم بچوں کی دلسوز آہوں سے ایک کہرام مچ جاتا مگر ان ظالم مشرکوں کو ان پر کوئی رحم نہ آتا۔

شعب ابی طالب میں سوشل بائیکاٹ کے شکنجے میں پھنسی اس کربناک زندگی پر تین سال گذر گئے کہ اچانک سرور کائنات ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا۔

چچا جان! آپ بائیکاٹ کرنے والوں کو اطلاع کر دیں کہ جو عہد نامہ لکھ کر انھوں نے بیت اللہ شریف میں لٹکایا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے کیڑے مقرر کر دیے ہیں اور ان کیڑوں نے اس عہد نامے کے سارے مضمون کو چاٹ چاٹ کر صاف کر دیا ہے البتہ جہاں جہاں اللہ کا نام ہے اسے نہیں چاٹا ہے۔

خواجہ ابو طالب کو اپنے بھتیجے حضرت محمد ﷺ پر پورا یقین تھا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہی ہوتا ہے، ابو طالب نے نہایت پر اعتماد لہجے میں ان بائیکاٹ کرنے والوں سے کہا۔

ہمارے بھتیجے محمد ﷺ نے ایسی ایسی خبر دی ہے، اس لئے آپ اپنے اس عہد نامے کو دیکھیں، اگر ہمارے بھتیجے کی بات سچ ثابت نہ ہوئی تو ہم اس کو تمہارے حوالے کر دیں گے اور اگر یہ خبر سچ ہے تو تمہیں یہ بائیکاٹ ختم کر دینا چاہئے اور اس ظلم سے باز آجانا چاہئے۔

یہ سن کر قریش نے کہا۔ آپ انصاف کی بات کہہ رہے ہیں۔

بیت اللہ شریف میں جا کر دیکھا گیا تو سرور کائنات ﷺ کی خبر صداقت پر مبنی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے کہ واقعی اس بائیکاٹ کے تمام مضمون کو کیڑوں نے چاٹ کر صاف کر دیا ہے البتہ جہاں جہاں اللہ کا نام لکھا تھا وہ اسی طرح محفوظ ہے۔ یہ دیکھ کر وعدہ کے مطابق وہ صحیفہ چاک

کر دیا گیا اور اس سوشل بائیکاٹ کا خاتمہ ہو گیا حضرت محمد ﷺ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ شعب ابی طالب سے باہر آ گئے۔ سوشل بائیکاٹ کا یہ خاتمہ محرم ۱۰ نبوی میں ہوا۔

اس سوشل بائیکاٹ کا صحیفہ بغیض بن عامر نے لکھا تھا اللہ نے اس کا ہاتھ شل کر دیا۔

## خواجہ ابو طالب دار فانی سے کوچ کر گئے

بوڑھے ابو طالب اس تین سالہ مشقت بھرے سوشل بائیکاٹ کے دوران بیمار ہو گئے تھے۔ قویٰ مضمحل، اعصاب کمزور، طرح طرح کی ذہنی پریشانیوں نے ابو طالب کو نڈھال کر دیا تھا۔ اس بائیکاٹ کو ختم ہوئے تقریباً چھ ماہ کا ہی عرصہ گذرا تھا کہ خواجہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور پھر کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کا بھی وصال ہو گیا۔

خواجہ ابو طالب کے انتقال کے بعد کفار و مشرکین کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ اور اب انھوں نے سرور کائنات ﷺ کو ستانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اور انھوں نے آپؐ پر بے پناہ ظلم ڈھانے شروع کر دیے۔

## سفر طائف

مکہ کی سرزمین اب اسلام کے لئے بہت تنگ ہو چکی ہے، دعوت اسلام کے لئے اللہ کے رسول ﷺ رات دن محنت کر رہے ہیں اور اسی سوز غم میں آپؐ نڈھال ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مگر کوئی ثمرہ برآمد ہوتا نظر نہیں آ رہا ہے، بے پناہ کوشش کے باوجود لوگ اس دین حق کی طرف مائل نہیں ہو رہے ہیں، بلکہ ہر روز ظلم و زیادتی کی نت نئی داستانیں منظر وجود پر آ رہی تھیں، ان نامساعد حالات کے پیش نظر سرور کائنات ﷺ نے مکہ سے باہر اسلام کی دعوت پہونچانے کا ارادہ کیا۔

مکہ مکرمہ سے تقریباً سو کیلو میٹر کے فاصلے پر ایک سرسبز و شاداب علاقہ ہے جو طائف کے نام سے مشہور ہے۔

شوال ۱۰ نبوی میں سرور کائنات ﷺ اپنے منھ بولے بیٹے زید بن حارثہ کو لے کر طائف کے لئے پیدل چل دیئے، راستہ میں جو قبیلہ آپؐ کو ملتا آپؐ اسے اسلام کی دعوت دیتے جاتے۔ جب آپؐ طائف پہونچے تو وہاں بنوثقیف کے تین سرداروں سے آپؐ نے ملاقات کی، جن کے نام یہ ہیں عبد یالیل، مسعود، حبیب،

لیکن ان تینوں نے دعوت اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ طائف کے دیگر سرداروں سے ملے اور ان سب کو اسلام کی دعوت دی مگر کسی نے بھی آپ کا پیغام قبول نہیں کیا۔ طائف میں آپؐ نے دس روز قیام فرمایا اور جب آپ وہاں سے چلنے لگے تو وہاں کے بڑے لوگوں نے اوباش لڑکوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپ کو گالیاں دیتے، تالیاں بجاتے، فقرے کستے ہوئے آپؐ کو پتھروں سے مارنا شروع کر دیا۔ حضرت زید بن حارثہ نے آپؐ کو بچانے کے لئے اپنی جیسی ہر ممکن کوشش کی لیکن اس کے باوجود آپؐ اس قدر زخمی ہو گئے کہ بدن لہولہان ہو گیا، گھٹنے چور ہو گئے اور پنڈلیاں مجروح ہو گئیں۔

## عداس فریفتہ ہو گیا

آپؐ طائف سے واپس ہو رہے تھے، بدن چور چور تھا۔ راستہ میں عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں آپؐ نے پناہ لی اور باغ کی دیوار سے ٹیک لگا کر آپ نے ایک دعاء فرمائی، جو دعاء مستضعفین کے نام سے معروف و مشہور ہے۔

عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ نے جب سرور کائنات ﷺ کی یہ حالت زار دیکھی تو قرابتداری کا جذبہ بیدار ہوا اور انھوں نے اپنے ایک عیسائی غلام عداس کو انگوروں کا ایک گچھا دے کر آپؐ کے پاس بھیجا۔ اور حکم دیا کہ یہ انگور ان صاحب کو دے آؤ۔

جب عداس وہ انگور لے کر آپؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر وہ انگور کھائے۔ عداس نے بسم اللہ کا جملہ پہلی بار سنا تھا۔ وہ محو حیرت ہو گیا اس نے سوال کیا۔ یہ جملہ تو

یہاں کے لوگ استعمال نہیں کرتے آپ نے اسے کیوں استعمال کیا؟

سرورِ کائنات ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟ عداس نے اپنا نام بتایا اور یہ کہا کہ میں نینویٰ کا رہنے والا ہوں اور نصرانی یعنی عیسائی ہوں۔ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تم مردِ صالح یونس بن متیٰ کی بستی کے رہنے والے ہو۔ عداس یہ سن کر دنگ رہ گیا۔ اس نے پوچھا کہ آپ یونس کو کس طرح جانتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا وہ میرے بھائی ہیں وہ بھی اللہ کے نبی تھے اور میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔

یہ سن کر عداس نے اپنا سر آپؐ کے سامنے خم کر دیا اور پھر اس نے آپؐ کے سر مبارک اور آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو چوما۔

یہ منظر عتبہ اور شیبہ دیکھ رہے تھے انھوں نے کہا لو اب تو محمد ﷺ نے ہمارے غلام کو بھی اپنے قبضہ میں کر لیا۔ جب عداس عتبہ اور شیبہ کے پاس پہونچا تو ان دونوں نے اس سے پوچھا کہ وہاں تم کیا کر رہے تھے؟ عداس نے جواب دیا۔ میرے آقا! رب کعبہ کی قسم! اس روئے زمین پر اس شخص سے بہتر کوئی نہیں۔ اس نے مجھے ایک ایسی خبر دی ہے جو نبی کے علاوہ کوئی اور نہیں بتا سکتا ہے۔

## ظلم کے بدلے دعاء

اس باغ میں قدرے سکون پا کر سرورِ کائنات ﷺ مکہ کی راہ پر چل پڑے، پھر آپؐ آگے بڑھے، دل غمگین تھا۔ آپؐ نے سامنے کی جانب ایک پہاڑی دیکھی جسے قرن المنازل یا قرن الثعالب کہتے ہیں۔ آپؐ کی نظر اٹھی تو آپؐ نے دیکھا کہ ابر چھایا ہوا ہے اور اس ابر کے جلو میں جبریل امین جلوہ افروز ہیں۔ اور وہ آپؐ سے کہہ رہے ہیں۔

جو کچھ آپؐ نے کہا اللہ نے اسے دیکھ لیا ہے اور سن لیا ہے اور آپ کو طائف کے لوگوں نے جو جوابات دیئے اور آپؐ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اللہ نے وہ بھی دیکھا۔ اب آپؐ کے سامنے

یہ ملک الجبال (پہاڑوں کا فرشتہ) موجود ہے۔ اللہ نے اسے آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے آپ اسے جو بھی حکم کریں گے یہ فرشتہ اس کی تعمیل کرے گا۔

اب ملک الجبال آپؐ کے سامنے آیا اور اس نے سلام کر کے عرض کیا۔ اگر آپؐ حکم دیں تو ان دو پہاڑوں کو آپس میں ملادوں اور ان کے درمیان یہ تمام ظالم و گستاخ لوگ پس کر ختم ہو جائیں اس کے جواب میں رحمۃ اللہ للعالمین ﷺ نے فرمایا۔

**ارجو ان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ ولا یشرک بہ شیئاً**

مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کرے گا، جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

# جنات ایمان لائے

پھر آپؐ نے وادی نخلہ میں قیام فرمایا۔ آپؐ کو اپنے اس دعوتی سفر میں ناکامی کا احساس تھا ،اتنا طویل پیدل سفر، اور اتنی مصیبتوں اور مشقتوں کو جھیلنے کے بعد بھی طائف کا ایک شخص بھی مسلمان نہیں ہوا۔ اس احساس سے آپؐ کے دل و دماغ پر غم کے بادل چھا گئے۔ لیکن رب کائنات نے اپنے حبیب کی یہ مایوسی جنات کی ایک جماعت بھیج کر ختم کر دی۔

آپؐ وادیٔ نخلہ میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ کی خدمت میں جنوں کی جماعت حاضر ہوئی اور اس نے آپ کے دست حق پرست پر ایمان قبول کیا اور اپنی قوم میں جا کر دعوت اسلام کا کام انجام دینا شروع کر دیا۔

قرآن نے اس پورے منظر نامے کو اس طرح بیان کیا ہے

وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ. قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ط یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ط

جس کا ترجمہ یہ ہے:-

اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ ہم نے آپؐ کے پاس جنوں کی ایک جماعت کو بھیجا تا کہ وہ قرآن سنیں۔ تو جب وہ تلاوت قرآن کی جگہ پہونچے تو انھوں نے آپس میں کہا کہ خاموش ہو جاؤ۔ پھر جب قرآن کی تلاوت پوری ہو چکی تو جنوں کی وہ جماعت عذاب الٰہی سے ڈرانے والی بن کر اپنی قوم کے پاس پہونچی۔ ان جنون نے کہا اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد نازل ہوئی ہے وہ کتاب اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتی ہے اور سچائی اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہمارے قوم! اللہ کے داعی کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ! اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔

سرور کائنات ﷺ کی بارگاہ میں ان جنوں کا حاضر ہونا اور اسلام قبول کرنا اور اس کی دعوت کے لئے اپنی قوم میں سرگرم ہو جانا یہ سب اللہ کی طرف سے خصوصی مدد تھی اور آپؐ کے اس غم کا ازالہ تھا جو سفر طائف کے دوران ایک بھی شخص کے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے آپؐ پر طاری ہوا تھا۔

## مطعم بن عدی کی پناہ میں

پھر اس وادیٔ نخلہ سے رسول اللہ ﷺ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب پہونچ کر جبل نور کے دامن میں ٹھہر گئے اور پھر وہاں سے آپؐ نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کے ذریعہ اخنس بن شریق کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ آپؐ کو پناہ دے دے۔ مگر اخنس نے یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ میں ان کا حلیف ہوں اور حلیف کو پناہ دینے کا اختیار نہیں۔ تو آپؐ نے سہیل بن عمرو کے پاس یہی خبر بھیجی مگر اس نے بھی معذرت چاہی، بالآخر آپؐ نے مطعم بن عدی کے پاس اطلاع بھیجی، تو مطعم بن عدی آپؐ کو پناہ دینے کے لئے فوراً راضی ہو گئے اور خود ہتھیار پہن کر اپنے بیٹوں اور اپنی قوم کے لوگوں کو بلایا اور انھیں بھی حکم دیا کہ تم سب ہتھیار لگالو اور بیت اللہ کے ارد گرد جمع ہو جاؤ۔ کیونکہ میں نے حضرت محمد ﷺ کو پناہ دیدی ہے۔ پھر مطعم بن عدی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس خبر بھیجی کہ آپؐ مکہ میں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ زید بن حارثہ

کو لے کر مکہ میں داخل ہوئے اور حرم میں تشریف لائے۔ مطعم بن عدی نے اپنی سواری پر کھڑے ہو کر اعلان کر دیا۔

اے قریش! سن لو! ہم نے محمد ﷺ کو پناہ دے دی ہے اب ان کے ساتھ کوئی بھی شخص دست درازی کا ارادہ تک نہ کرے۔

مطعم بن عدی اور ان کے بیٹے ہتھیار لگائے ہوئے سرور کائنات ﷺ کے ارد گرد رہے یہاں تک کہ آپؐ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔

مطعم بن عدی کے اس احسان کی بنا پر سرور کائنات ﷺ نے غزوۂ بدر کے قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر بن مطعم کی سفارش کو قبول کیا تھا اور ساتھ ان کے باپ مطعم کے بارے میں فرمایا۔

لو کان المطعم ابن عدی حیاثم کلمنی فی ھٰولاء النتنیٰ لترکتھم له.

اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے پھر وہ مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں شفارش کرتے تو میں ان کی وجہ سے ان کو چھوڑ دیتا۔

# معراج

سفر طائف کے بعد اور ہجرت مدینہ سے قبل سرور کائنات ﷺ کی زندگی میں جو سب سے اہم واقعہ پیش آیا وہ معراج کا واقعہ ہے۔

رب کائنات نے اپنے محبوب رسول ﷺ کو ان حالات میں جب کہ طائف میں سنگ باری کر کے آپؐ کو لہولہان کیا جا چکا تھا اور مکہ کی سرزمین ہر لمحہ آپؐ کے لئے تنگ ہوتی جا رہی تھی شب معراج میں وہ عروج عطاء فرمایا جہاں تک کسی نبی، رسول یا مقرب فرشتے کی بھی رسائی نہ ہو سکی۔

رب کائنات اپنے بندوں میں سے جن بندوں کو نبوت و رسالت کے مقام پر فائز کرتا ہے ان کو وہ کچھ ایسی نشانیاں دکھا دیتا ہے جن کی وجہ سے ان نبیوں اور رسولوں کو عزم و استقلال کی بے پناہ صلاحتیں میسر ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ دنیا کی کسی بھی طاغوتی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لئے کمر کس لیتے ہیں اور نا مساعد حالات کا کوئی بھی طوفان ان کے ارادوں کا رخ نہیں بدل سکتا۔

معراج مصطفیٰ ﷺ کے دیگر مقاصد میں ایک مقصد ربانی نشانات کا دیکھنا بھی تھا لِنُرِيَهٗ مِنْ آيٰتِنَا. تا کہ ان کو ہم اپنی نشانیاں دکھائیں۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں قرآن نے بتایا۔ وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموٰت والارض اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمان و زمین کا نظام سلطنت دکھایا۔

حضرت موسیٰؑ کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے لِنُرِيَكَ مِنْ آيٰتِنَا الْكُبْرٰى. تا کہ ہم تم کو اپنی بڑی نشانیاں دکھائیں۔

قرآن مجید میں سرور کائنات ﷺ کے اس مقدس سفر کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى الَّذِيْ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ آيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ.

پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے محمد ﷺ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے تا کہ ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بیشک اللہ بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے۔

# معراج مصطفیٰ ؐ زمام اقتدار کی تبدیلی کا اشارہ

جب کسی کارخانے کا مالک اپنے قدیم ملازموں اور پرانے ذمہ داروں کے سامنے کسی نئے ذمہ دار کی تعریف کرے اور نئے ذمہ دار کی تعریف کرتے کرتے فوراً وہ مالک پرانے ذمہ داروں کی خامیوں کو، ان کی کوتاہیوں کو ان کی خیانتوں کو، اور ان کی سیہ کاریوں کو گنوانا شروع کردے تو اس طرزِ گفتگو سے ہر ذی شعور انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اب اس کا خارنہ کا مالک اپنے نظام میں کوئی نہ کوئی تبدیلی ضرور لانے والا ہے۔ پرانے ذمہ داروں کے نکمے پن کا بیان اور نئے ذمہ دار کی تعریف وتوثیق اس بات کی علامت ہے کہ اب پرانے ذمہ داروں سے خارخانہ کی دیکھ بھال اور نگرانی کا عمل چھین کر اس نئے ذمہ دار کو سونپ دیا جائے گا۔

اس فطری اور نفسیاتی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے جب آپ سورۃ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیات کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اس کارخانہ حیات کا مالک ایک نئے ذمہ دار کا نہایت بلیغ انداز میں تعارف کرارہا ہے۔ اس کی ان رفعتوں اور عظمتوں کا تذکرہ کررہا ہے جہاں تک کسی عام انسان کی رسائی تو کیا ہوتی کسی نبی اور رسول بلکہ کسی فرشتے کی رسائی کا تصور تک محال ہے۔ اسراء ومعراج کا یہ طولانی سفر راتوں رات بلکہ رات کے ایک نہایت مختصر سے وقفے میں مکمل ہوگیا۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر، پھر وہاں تمام نبیوں اور رسولوں کی امامت، اس کے بعد فرش سے عرش معلّٰی تک رسائی، متعدد آسمانوں پر متعدد نبیوں اور رسولوں سے ملاقات، جنت ودوزخ کا معائنہ، نیک صالح لوگوں کے مستقر اور بدکردار لوگوں کی حالتِ زار کا مشاہدہ، یہ تمام امور نہایت قلیل عرصے میں طے ہوگئے اور آن کی آن میں اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ اسی مقام پر واپس تشریف لے آئے جہاں سے اس طویل سفر کا آغاز ہوا تھا۔

فرش سے عرش تک کی یہ رسائی سرور عالم حضرت محمد ﷺ کا وہ خصوصی وصف ہے جو بنی نوع انسانی کے کسی بھی فرد کو نہ تو میسر ہوا ہے اور نہ ہی قیامت تک میسر ہوسکتا ہے۔ ستاروں، سیاروں

اور چاند و مریخ پر کمندیں ڈالنے والے انسان جتنی پرواز کر سکتے ہیں کریں، وہ اپنے جدید آلات کے ذریعہ جتنی بلندیاں طے کر سکتے ہیں کریں۔ خدا کی قسم سرور کائنات ﷺ کی خاک پا کے برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ سلطان کہاں سے لائیں گے جو آسمان و زمین کے اقطار کو پار کر سکے، انھیں وہ تیز رفتار براق کہاں سے میسر ہوگی جو برقِ آسمانی سے زیادہ تیز تھی۔

ایک ایسے دور میں جب کہ مذہبی اور سیاسی حیثیت سے بنی اسرائیل کا غلبہ تھا، کہیں یہود کی بالادستی تھی تو کہیں نصاریٰ کا عروج۔ یہ یہود و نصاریٰ اس کارخانۂ حیات کے پرانے ذمہ داروں میں شمار ہوتے تھے، مگر ذمہ دار ہونے کے باجود انھوں نے غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ احکامِ الٰہی کے نام پر اپنے خود تراشیدہ خیالات کی پیروی کرنا ان کی زندگی کا محبوب مشغلہ بن چکا تھا۔ من مانے انداز میں جو چاہا اسے آسمانی کتاب میں اپنے ہاتھ سے لکھ دیا اور عوام کو بتایا کہ یہ اللہ کا حکم ہے اسے تسلیم کرو، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے حالانکہ وہ اللہ کا حکم نہیں ہوتا تھا۔

يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

ترجمہ یہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے

اور جب لوگوں کے سامنے زبانی طور پر وعظ و نصیحت کرنے کے لئے وہ نمودار ہوتے تو وہ اپنا چہرہ مہرہ ایسا بنانے کی کوشش کرتے کہ غیر کتاب الٰہی کسی طرح کتاب الٰہی ثابت ہو جائے۔ زبان توڑ مروڑ کر غیر حقائق کو حقائق کے نام پر، اندھیرے کو اجالے کے عنوان سے، دھوپ کو سایہ کی تعبیر سے، موت کو زندگی کے الفاظ سے لوگوں کے سامنے پیش کرتے۔ اور یہ تمام غیر ذمہ دارانہ حرکتیں وہ انجانے میں نہیں بلکہ جان بوجھ کر، سوچے سمجھے منصوبوں کے تحت کیا کرتے تھے۔ قرآن نے ان کے بارے میں یہ نشاندہی کی ہے

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ .

(پ۳ آل عمران آیت نمبر ۷۸)

اور بے شک بعضے ان میں سے ایسے ہیں کہ کتاب الٰہی میں اپنی زبانوں کو ٹیڑھا کرتے ہیں تا کہ ان کی تحریفات کو تم کتابِ الٰہی کا ایک حصہ سمجھو حالانکہ وہ کتاب الٰہی سے نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں، اور اللہ کے بارے میں یہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی ان ناشائستہ حرکتوں بلکہ غیر قانونی اور غیر فطری کارکردگی کی وجہ سے اللہ نے اپنے کارخانہ کی ذمہ داری سے انھیں سبکدوش کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیات میں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی عظمتوں اور رفعتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کا تعارف کرایا اور اس کے فوراً بعد کلام کا رخ بنی اسرائیل کی سیہ کاریوں کی طرف پھیر دیا۔ ان کی بداعمالیوں اور ان کی مفسدانہ ذہنیت کو اور غیر ذمہ دارانہ بلکہ ظالمانہ کردار کو بیان کیا۔ کارخانہ حیات کے مالک نے اپنے اندازِ بیان سے یہ اشارہ دے دیا کہ اب بنی نوع انسانی کی قیادت ان لوگوں سے چھین لی جائے گی جن کی تاریخ سیہ کاریوں، غداریوں اور خیانتوں سے لبریز ہے اور اب یہ قیادت حضرت محمد ﷺ کے توسط سے ایسی قوم کو دے دی جائے گی جس سے صلاح وفلاح کا ظہور ہوگا، نیکیاں پھیلیں گی اور بھلائیاں عام ہوں گی، عدل وانصاف کو فروغ ملے گا، انسانوں کو ان کے پورے حقوق ملیں گے، وہ امت خیر امت ہوگی۔

چنانچہ ہجرت سے صرف ایک سال قبل آپؐ کو معراج ہوئی اور معراج کے ایک سال بعد آپؐ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپؐ نے وہاں ایک اسلامی سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔

ابتداءً یہ اسلامی سلطنت مدینے کے صرف چند محلوں پر ہی مشتمل تھی مگر اس کا دائرہ جس تیز رفتاری سے وسیع ہوا اس کی مثال پورے عالم میں نہیں ملتی۔ یعنی مدینے کے صرف دس سالہ دورِ نبوی میں اسلامی سلطنت دس لاکھ مربع میل میں پھیل گئی۔ اگر اس کی یومیہ توسیع کا حساب لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی سلطنت کی توسیع کی یومیہ رفتار ۲۷۸ میل تھی یعنی روزانہ ۲۷۸ میل کی رفتار سے اسلامی سلطنت وسعت پذیر ہوئی۔ اللہ اکبر! کیا شان ہے سرور کائنات ﷺ کی۔

بنی اسرائیل سے زمام قیادت جن امراض اور جن سیہ کاریوں کی بناء پر چھینی گئی تھی وہی

کمیاں، وہی کوتاہیاں، وہی سیہ کاریاں، اور قوانین الٰہی میں تحریف و تنسیخ وغیرہ کی وہی بیماریاں اگر اس قوم میں پیدا ہو جائیں جسے خیرِ امت کا لقب دے کر کارخانۂ حیات کی ذمہ داری سونپی گئی تھی تو پھر وہ امت اس قیادت کی حقدار کس طرح رہ سکتی ہے، اور اگر ان حالات میں اس امت سے قیادت چھن جائے تو پھر اس کا شکوہ کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

کسی قوم یا خاندان سے اللہ کا کوئی رشتہ نہیں، جو قوم اس کے اصولوں کو پامال کرے گی اس پر نوشتۂ تقدیر کے مطابق حالات کا ظہور ہو کر رہے گا۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْا اَمْثَالَکُمْ (پ۲۶ سورۃ محمد آیت نمبر ۳۸)

اور اگر تم نے روگردانی کی تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کرے گا پھر وہ تم جیسی نہ ہوگی۔

اس لئے آج کے وقت کا نہایت اہم تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کا از سرِ نو جائزہ لیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان امراض کی تشخیص کریں جن کی بناء پر زمام قیادت ہمارے ہاتھوں سے نکل چکی ہے، امراض کی تشخیص کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کا عمل بھی شروع کریں، تو قرآن کا یہ وعدہ اپنی ہمہ گیری کے ساتھ انشاء اللہ پورا ہو کر رہے گا۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ، اگر تم ایمان والے رہے تو تم ہی سربلند رہو گے۔

اور اصلاح کے اس عمل کا آغاز کانفرنسوں سے نہیں، احتجاجات اور مظاہروں سے نہیں، پارلیمنٹ کے ایوانوں سے نہیں، بلکہ اس کا آغاز اپنی انفرادی اور شخصی زندگی سے کریں۔ اور جس دن ہم نے اپنی انفرادی زندگی سے اصلاح کا عمل شروع کر دیا تو بس سمجھ لیجئے کہ ایک اصلاح پسند تحریک کا آغاز ہو گیا اور ایک اصلاحی انجمن کی بنیاد پڑ گئی، اور زمام قیادت کے حصول کے لئے ایک قدم بڑھا، پھر وہ دن دور نہیں جب اسلامی فکر ایک پیغام بن کر پورے عالم پر چھا جائے گی۔

# اسراء، معراج

سرورکائنات ﷺ کا یہ عظیم ترین مقدس سفر دو مرحلوں پر مشتمل ہے۔

پہلا مرحلہ- مکہ مکرمہ میں واقع مسجد حرام سے بیت المقدس میں واقع مسجد اقصیٰ تک۔

دوسرا مرحلہ- مسجد اقصیٰ سے عرش الٰہی تک۔

مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کو اسراء کہتے ہیں۔اور مسجد اقصیٰ سے عرش الٰہی تک کے سفر کو معراج کہتے ہیں لیکن اصطلاحی طور پر اس پورے سفر کو معراج کہتے ہیں۔

آپؐ کا یہ سفر بیداری کی حالت میں جسم وروح دونوں کے ساتھ ہوا، یعنی معراج صرف خواب یا صرف روحانی عروج کا نام نہیں، بلکہ آپؐ کا یہ تمام سفر بیداری کی حالت میں جسم وروح دونوں کے ساتھ ہوا ہے۔

## آغاز سفر

سرورکائنات ﷺ ایک رات حضرت ام ہانی کے گھر آرام فرما رہے تھے، نہ تو آپؐ مکمل طور پر سو ہی رہے تھے اور نہ ہی پوری طرح بیدار تھے بلکہ سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت آپؐ پر طاری تھی کہ اتنے میں آپؐ کو محسوس ہوا کہ کسی نے چھت کھولی ہے اور اس میں سے تین لوگ نمودار ہوئے، ان تینوں میں سے ایک نے دوسرے دو سے سوال کیا کہ ان سوئے ہوئے لوگوں میں نبیؐ کون ہیں؟ تو ان دو میں سے ایک نے جواب دیا کہ ان میں جو سب سے اچھے ہیں وہی نبیؐ ہیں تو تیسرے شخص نے کہا کہ جو سب سے اچھے ہیں انہی کو لے چلو۔

یہ تین شخص تین فرشتے تھے جو شب معراج میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے اور ام ہانی کے مکان میں اس رات کو رسول اللہ ﷺ کی دائیں جانب حضرت حمزہؓ اور بائیں جانب حضرت جعفرؓ آرام فرما رہے تھے۔

یہ فرشتے رسول اللہ ﷺ کو لے کر حطیم میں آئے اور آپؐ نے وہاں بھی کچھ دیر آرام فرمایا۔

پھر آپؐ کا شق صدر ہوا۔ یعنی جبریلؑ نے آپؐ کا سینہ چاک کیا اور آپؐ کا قلب مبارک نکال کر ایک زریں طشت میں رکھا اور آب زمزم سے آپؐ کے قلب کو دھویا۔ پھر ایمان وحکمت سے پھر پور ایک اور طشت آیا اور اس ایمان وحکمت سے آپؐ کے قلب کو لبریز کر دیا گیا پھر آپؐ کے قلب کو اس کے مقام پر رکھ کر آپ کا سینہ بند کر دیا گیا۔ یہ شق صدر کا چوتھا اور آخری واقعہ تھا۔ اس سے قبل تین مرتبہ شق صدر اور ہو چکا تھا۔

اس کے بعد آپؐ کے سامنے براق پیش کیا گیا۔ اس کی رفتار یہ تھی کہ اس کا ایک قدم منتہائے نظر پر پڑتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس پر سوار ہونے کا ارادہ کیا تو وہ اپنی خوش بختی پر ناز کرتے ہوئے شوخی کرنے لگا۔ جبریل امینؑ نے یہ منظر دیکھا تو انھوں نے براق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اے براق! تو کیوں بدک رہا ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ آج تجھ پر وہ شخص بیٹھے گا جو اللہ کی ساری مخلوق میں سب سے زیادہ مکرم ہے۔ یہ سن کر وہ براق پسینے پسینے ہو گیا۔

## درمیانی منزلیں

جب رسول اللہ ﷺ اس براق پر سوار ہو کر چلے تو آپؐ کا گزر ایک ایسے علاقہ سے ہوا جہاں کھجور کے درخت بہت کثرت سے تھے۔ جبریل امینؑ نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ آپ یہاں اتر کر دو رکعت نماز ادا کر لیجئے۔ چنانچہ آپؐ نے وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ آپؐ نے جبریل امینؑ سے پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے تو جبریل امین نے کہا یہ یثرب (مدینہ) ہے

پھر یہاں سے روانہ ہوئے اور آپؐ کا گزر ایک سفید زمین پر ہوا، جبریل امینؑ نے پھر آپؐ سے گزارش کی کہ آپ یہاں بھی اتر کر دو رکعت نماز ادا کر لیجئے۔ آپؐ نے وہاں بھی دو رکعت نماز ادا فرمائی، آپؐ نے پوچھا یہ کونسی جگہ ہے تو جبریل امین نے کہا یہ مدین ہے، پھر آپؐ روانہ ہوئے تو آپؐ کا گزر بیت اللحم پر ہوا، وہاں بھی جبریل امینؑ نے آپؐ سے دو رکعت نماز

پڑنے کی گزارش کی اور آپؐ نے وہاں دو رکعت نماز ادا کی، آپؐ نے پوچھا یہ کونسی جگہ ہے تو جبریل امین نے کہا یہ بیت اللحم ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

## مسجد اقصیٰ

پھر آپؐ یہاں سے روانہ ہوئے اور بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے پاس پہونچے وہاں آپؐ براق سے اترے اور مسجد اقصیٰ سے باہر ایک پتھر تھا اس میں ایک سوراخ تھا۔ ماقبل کے انبیاء کرام اپنی سواری اسی سے باندھ دیا کرتے تھے۔ مگر ایک طویل عرصہ سے پڑے رہنے کی وجہ سے وہ سوراخ بند ہو گیا تھا تو جبریل امینؑ نے وہ سوراخ صاف کیا اور رسول اللہ ﷺ نے براق کو اس سے باندھ دیا۔

پھر جبریل امین اور رسول اللہ ﷺ مسجد اقصیٰ میں اس دوازے سے داخل ہوئے جس کا نام باب محمدؐ ہے۔

اس باب محمدؐ کے بارے میں تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ دلائل النبوۃ میں حافظ ابونعیم اصبہانی نے یہ نقل کیا ہے کہ جب قیصر روم ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھنے کے بعد ابوسفیانؓ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اسلام کے بدترین دشمن تھے) سے کچھ سوالات کئے تھے جن کی تفصیل بخاری شریف میں موجود ہے تو ابوسفیان کی دلی خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ دیں جس سے ہرقل کی نظر میں رسول اللہ ﷺ بے حیثیت ثابت ہو جائیں مگر ابوسفیان کو خود یہ خطرہ تھا کہ اگر میں نے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کوئی جھوٹی بات کہہ دی اور اس کا جھوٹ ہونا ثابت ہو گیا تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ میں قیصر روم کے سامنے معراج کا تذکرہ کروں جس سے بادشاہ خود یہ فیصلہ کرلے گا کہ محمدؐ جھوٹے ہیں۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے ہرقل بادشاہ کو بتایا کہ نبوت کے دعویدار محمدؐ یہ کہتے ہیں کہ وہ

ایک رات مکہ مکرمہ سے نکلے اور آپ کی اس مسجد بیت المقدس میں پہونچے پھر اسی رات میں صبح ہونے سے پہلے پہلے مکہ مکرمہ واپس پہونچ گئے۔

ابوسفیان جس وقت یہ ذکر کر رہے تھے تو اس وقت ایلیا (بیت المقدس) کا سب سے بڑا عالم ہرقل بادشاہ کے سرہانے کھڑا ہوا تھا اس نے کہا جی ہاں! میں اس رات سے واقف ہوں۔ یہ سن کر ہرقل بادشاہ اس عالم کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ تم کو اس رات کا علم کیسے ہوا؟

اس عالم نے جواب دیا کہ میرا معمول یہ تھا کہ میں جب تک بیت المقدس کے تمام دروازے بند نہیں کر دیتا تھا اس وقت تک میں سوتا نہیں تھا۔ اس رات بھی میں نے اپنے معمول کے مطابق تمام دروازے بند کر دیئے مگر ایک دروازہ بہت کوشش کے باوجود بند نہیں کر سکا۔ اس کے کواڑ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں رہے تھے اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم کسی پہاڑ کو ہلا رہے ہیں۔ جب میں اس کو بند کرنے سے عاجز آ گیا تو میں نے دیگر مزدوروں اور نجاروں (بڑھیوں) کو بلایا تا کہ ان کی مدد سے یہ دروازہ بند ہو جائے۔ انھوں نے وہ دوازہ دیکھ کر کہا کہ دیوار کا بوجھ اس کے اوپر آ گیا ہے جس کی وجہ سے یہ بند نہیں ہو سکتا اب کل صبح دیکھیں گے کہ اس کا حل کیا ہے۔

اس عالم نے کہا کہ مجبوراً وہ دروازہ یوں ہی کھلا ہوا چھوڑ کر میں واپس چلا آیا اور صبح ہوتے ہی میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ دروازے کے سامنے جو پتھر پڑا ہوا تھا اس میں سوراخ تھا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آج رات اس سے کوئی جانور باندھا گیا ہے۔ اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شاید یہ دروازہ اس وجہ سے بند ہونے سے روک دیا کہ آج یہاں کوئی نبی آنے والے ہیں۔ پھر اس عالم نے کہا کہ اسی رات حضرت محمد ﷺ نے ہماری اس مسجد میں نماز پڑھی۔

یہ واقعہ جہاں ایک طرف یہ بتا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد اقصیٰ میں کس دروازے سے داخل ہوئے وہیں آپؐ کی معراج کی صداقت بھی ایک ایسے شخص کی زبانی مل رہی ہے جو ہرقل

کے دربار میں اس وقت موجود تھا جب ابوسفیان ہرقل کے سامنے معراج کے عنوان سے حضرت محمد ﷺ کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

# امام الانبیاء کی امامت اور نبیوں کا خطاب

جب سرور کائنات ﷺ اس دروازے سے مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے تو ایک مؤذن نے اذان دی اور تکبیر پڑھی۔ وہاں بہت سے لوگوں کا مجمع تھا اور سب کو انتظار تھا کہ آج امامت کے لئے کون آگے آتا ہے؟

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جبریل امین نے میرا ہاتھ پکڑ کر امامت کرنے کے لئے آگے بڑھا دیا اور میں نے ان تمام لوگوں کی امامت کی اور دو رکعت نماز پڑھائی۔ اور جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبریل امین نے مجھے بتایا کہ اب تک جتنے بھی نبی و رسول اس دنیا میں آچکے ہیں ان سب نے ابھی آپؐ کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔

پھر انبیاء و رسل سے آپؐ کی ملاقات ہوئی۔ اور نبیوں کے اس اجتماع میں نبیوں اور رسولوں نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور اللہ کے ان خصوصی انعامات کا تذکرہ کیا جو اللہ نے ان پر کئے تھے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو اپنا خلیل بنایا اور مجھ کو ملک عظیم عطاء فرمایا اور مجھ کو مقتدا بنایا اور مجھے آتشِ نمرود میں محفوظ رکھا اور وہ آگ میرے حق میں سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی کر دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے خصوصی کلام فرمایا اور مجھ کو برگزیدہ بنایا اور مجھے توراۃ عطاء فرمائی اور فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا۔

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو ملک عظیم عطاء فرمایا، مجھ کو زبور عنایت کی، لوہے کو میرے لئے نرم کیا، اور پہاڑوں اور چڑیوں کو میرے لئے اس طرح مسخر کر دیا کہ وہ میرے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے اور مجھ کو حکمت اور واضح بیان عطاء کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے میرے لئے ہوا کو مسخر کیا اور جناتوں کو بھی میرے لئے مسخر کیا کہ میرے حکم کے مطابق وہ عالیشان عمارتیں اور مجسمے بنایا کرتے تھے اور اس نے مجھے پرندوں کی بولی کا علم عطا کیا اور اپنے فضل سے اس نے مجھے ہر چیز عطاء کی اور اس نے انسانوں، جنوں اور پرندوں کے لشکر میرے لئے مسخر کر دیئے اور اس نے مجھ کو بے مثال سلطنت عطاء کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا اور مجھ کو آدم علیہ السلام کے مشابہ بنایا کہ ان کو مٹی سے بنا کر حکم دیا کہ ذی روح ہو جا تو ان میں روح آ گئی اور اس نے مجھ کو لکھنا سکھایا اور حکمت عطاء کی اور توراۃ وانجیل کا علم عطاء کیا اور مجھ کو یہ نعمت عطا ہوئی کہ میں مٹی سے پرندوں کے قالب بناتا اور اس میں پھونک مارتا تو وہ اللہ کے حکم سے پرواز کرنے لگتے، مادر زاد اندھے کی آنکھوں پر اگر ہاتھ پھیرتا تو وہ بینا ہو جاتا اور کوڑھی کے بدن پر ہاتھ پھیرتا تو وہ صحیح ہو جاتا اور مردوں کو میرے ذریعہ زندگی مل جاتی اور اللہ نے مجھ کو اور میری ماں کو مردود شیطان سے محفوظ رکھا۔

آخر میں سرور انبیاء حضرت محمد ﷺ نے فرمایا۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ثابت ہیں جس نے مجھ کو رحمۃ للعالمین بنایا اور تمام لوگوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر مبعوث کیا اور فرقان یعنی قرآن مجید مجھ پر نازل فرمایا اور میری امت کو بہترین امت بنایا کہ لوگوں کے نفع کے لئے پیدا کی گئی ہے اور میری امت کو عادلہ بنایا۔ اور میری امت کو

ایسا بنایا کہ وہ اول بھی ہے اور آخر بھی ہے (یعنی ابتداء کے اعتبار سے اول اور زمانہ کے اعتبار سے آخر) اور میرے سینہ کو کشادہ بنایا اور میرا بوجھ مجھ سے ہلکا کیا اور میرے ذکر کو بلند فرمایا اور مجھ کو سب کا شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا بنایا (یعنی نور میں اول اور ظہور میں آخر)

یہ سن کر اللہ کے خلیل ابراہیمؑ نے مام نبیوں اور رسولوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کمالات کی وجہ سے حضرت محمد ﷺ تم سب پر فوقیت لے گئے۔

اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مسجد اقصیٰ سے باہر تشریف لائے تو آپ کو پیاس محسوس ہوئی۔ آپؐ کے سامنے چار گلاس پیش کئے گئے۔ ایک گلاس میں دودھ تھا، دوسرے گلاس میں پانی تھا اور تیسرے گلاس میں شہد تھا اور چوتھے گلاس میں شراب تھی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے دودھ کا گلاس اختیار فرمایا۔ تو ایک صاحب نے جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے تھے انھوں نے جبریل امین سے کہا، تمہارے دوست نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔

## آسمانوں کی طرف

پھر آپؐ کے سامنے نہایت خوبصورت زینہ ظاہر ہوا اور جبریل امین نے اس زینہ پر رسول اللہ ﷺ کو چڑھایا یہاں تک کہ آپؐ پہلے آسمان تک پہونچے اور جبریل امین نے پہلے آسمان کا دروازہ کھلوایا۔

رسول اللہ ﷺ جب پہلے آسمان پر پہونچے تو جبریل امین نے آپؐ سے کہا یہ آپؐ کے باپ آدم علیہ السلامؑ ہیں آپ ان کو سلام کیجئے۔ تو آپؐ نے ان کو سلام کیا اور انھوں نے آپؐ کے سلام کا جواب دیا اور آپؐ کو فرزند صالح اور نبی صالح کہتے ہوئے اس تشریف آوری پر مبارکباد پیش کی اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔

یہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک منظر یہ دیکھا کہ آدم علیہ السلام کی دائیں جانب بہت سے لوگ ہیں اور آپ کی بائیں جانب بہت سے لوگ ہیں۔ اور آدم علیہ السلام جب اپنی داہنی جانب

دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب آپ بائیں جانب دیکھتے ہیں تو غمزدہ ہوجاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں پوچھا تو جبریل امینؑ نے فرمایا یہ آدم علیہ السلام ہیں اور ان کے دائیں بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ ان کی داہنی طرف کی روحیں جنتی ہیں اور بائیں طرف کی روحیں دوزخی ہیں اس لئے یہ داہنی جانب دیکھ کر خوش ہوتے اور بائیں جانب دیکھ کر غمزدہ ہوجاتے ہیں۔

اس کے بعد جبریل امینؑ رسول اللہ ﷺ کو لے کر دوسرے آسمان تک پہونچے اور دروازہ کھلوایا۔ اس دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو آپؐ نے دیکھا۔ جبریل امین نے کہا یہ عیسیٰؑ اور یحییٰؑ ہیں۔ آپؐ ان کو سلام کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے آپؐ کو برادر صالح اور نبی صالح کہتے ہوئے اس تشریف آوری پر آپ کو مبارکباد پیش کی اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ جبریل امینؑ کی معیت میں تیسرے آسمان تک پہونچے، جبریل امینؑ نے تیسرے آسمان کا دروازہ کھلوایا۔ وہاں رسول اللہ ﷺ نے حضرت یوسف کو دیکھا۔ جبریل امین نے کہا۔ یہ یوسفؑ ہیں آپؐ ان کو سلام کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو سلام کیا۔ حضرت یوسفؑ نے آپؐ کے سلام کا جواب دیا اور آپؐ کو برادر صالح اور نبی صالح کہتے ہوئے اس تشریف آوری پر آپؐ کو مبارکباد پیش کی اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ چوتھے آسمان تک پہونچے۔ جبریل امین نے دورازہ کھلوایا۔ وہاں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ادریسؑ کو دیکھا۔ جبریل امینؑ نے کہا۔ یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں آپؐ ان کو سلام کرلیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو سلام کیا۔ حضرت ادریس نے آپؐ کے سلام کا جواب دیا اور آپ کو برادر صالح اور نبی صالح کہتے ہوئے اس تشریف آوری پر مبارکباد پیش کی اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ پانچویں آسمان تک پہونچے جبریل امینؑ نے دروازہ کھلوایا وہاں آپؐ نے حضرت ہارون کو دیکھا۔ جبریل امین آپؐ سے کہا۔ یہ حضرت ہارون ہیں آپ انھیں سلام کرلیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں سلام کیا۔ حضرت ہارونؑ نے آپؐ کے سلام کا جواب دیا اور آپ کو برادر صالح اور نبی صالح کہتے ہوئے اس تشریف آوری پر آپؐ کو مبارکباد پیش کی۔ اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپؐ چھٹے آسمان تک پہونچے۔ جبریل امین نے دروازہ کھلوایا۔ وہاں آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ جبریل امین نے آپ سے کہا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں آپ ان کو سلام کرلیں۔ آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سلام کیا اور انھوں نے آپؐ کے سلام کا جواب دیا اور برادر صالح اور نبی صالح کہتے ہوئے اس تشریف آوری پر آپؐ کو مبارکباد پیش کی اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپؐ ساتویں آسمان تک پہونچے۔ جبریل امین نے دروازہ کھلوایا۔ وہاں آپؐ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ جبریل امین نے کہا یہ آپ کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں آپ ان کو سلام کرلیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سلام پیش کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپؐ کے سلام کے جواب دیا اور آپ کو فرزند صالح اور نبی صالح کہتے ہوئے اس تشریف آوری پر آپؐ کو مبارکباد پیش کی۔ اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔

بیت المعمور ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ ہے۔ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ اور جب وہ نکل آتے ہیں تو پھر ان کی باری کبھی نہیں آتی۔

رسول اللہ ﷺ بیت المعمور میں داخل ہوئے اور وہاں آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی۔

پھر آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچے۔ وہاں بیری کا بہت بڑا درخت دیکھا جس کے بیر اتنے بڑے بڑے تھے جیسے کہ مقام ہجر کے مٹکے۔ اور اس کے پتے ایسے تھے جیسے کہ ہاتھی کے کان۔ آپؐ نے وہاں چار نہریں بھی دیکھیں۔ ان میں سے دو نہریں اندر کی طرف بہہ رہی تھیں

اور دوسری دو نہروں کا پانی باہر کی طرف بہہ رہا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان نہروں کے بارے میں جبریل امین سے پوچھا تو جبریل امینؑ نے بتایا کہ جو دو نہریں اندر کی طرف بہہ رہیں ہیں یہ جنت کی نہریں ہیں اور جو دو نہریں باہر کی طرف بہہ رہی ہیں یہ دریائے نیل و فرات ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ کو جنت میں داخل کیا گیا اس میں آپؐ نے موتیوں کے گنبد دیکھے اور اس کی مٹی مشک کی تھی اور بھی بے شمار نعمتوں کا آپؐ نے مشاہدہ فرمایا پھر آپؐ کے سامنے جہنم کو ظاہر کیا گیا آپؐ نے اس میں اللہ کے غضب اور عذاب کو دیکھا۔

پھر جبریل امین نے آپؐ کی رفاقت سے معذرت چاہی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اب میں اس سے اوپر جانے سے قاصر ہوں۔ آپؐ نے جبریل امین سے کہا کیا۔ کوئی دوست راستے میں اپنے دوست کو چھوڑ دیتا ہے؟

تو جبریل امین نے کہا کہ اگر میں ذرہ برابر بھی اس سے آگے بڑھوں گا تو تجلیات ربانی سے جل کر خاکستر ہو جاؤں گا۔

## انتہائے عروج

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر مجھے نور میں پیوست کر دیا گیا اور مجھے ستر ہزار حجابات طئے کرائے گئے کہ ان میں سے ایک حجاب دوسرے حجاب کے مشابہ نہیں تھا۔ پھر مجھ سے تمام آوازیں اور فرشتوں کی آہٹیں منقطع ہو گئیں۔ اس وقت مجھے اکیلے پن کا احساس ہوا تو کسی نے مجھے ابو بکر کے لہجے میں پکارا۔

یہ ایک فرشتے کی آواز تھی جس نے ابو بکرؓ کے لہجے میں آپؐ کو اس لئے پکارا تھا تا کہ اپنے دوست کی آواز سن کر آپؐ کو تسلی مل جائے۔

# عرش اعظم پر

پھر جب حجابات منقطع ہوگئے تو آپؐ کے لئے رفرف یعنی سبز مسند اتاری گئی اور آپ اس پر جلوہ افروز ہوئے۔ پھر آپؐ کو اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ آپؐ عرش پر رب العالمین کی بارگاہ میں پہونچ گئے اور آپؐ اللہ سے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ نے اپنے حبیب سے راز و نیاز کی باتیں کی۔ فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَااَوْحیٰ ان میں سے پانچ اہم باتیں یہ ہیں۔

۱: نماز کی فرضیت

۲: سورہ بقرہ کی آخری آیتیں

۳: جو شرک نہ کرے اس کے گناہ معاف کر دیئے گئے

۴: جو شخص نیکی کا ارادہ کرے گا تو صرف ارادہ پر ہی اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور جب وہ اس نیکی کو کر لے گا تو پھر کم از کم دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

۵: جو شخص برائی کا ارادہ کرے تو ارادہ کی وجہ سے اس کے نامۂ اعمال میں گناہ نہیں لکھا جائے گا اور اگر وہ اس برائی کو کرے گا تو صرف ایک ہی گناہ لکھا جائے گا۔

# پچاس نمازوں میں تخفیف

اللہ تعالیٰ نے ابتداءً پچاس نمازوں کا تحفہ آپؐ کو دیا تھا۔ مگر واپسی میں جب چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپؐ کی ملاقات ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے آپؐ کو اس میں تخفیف کرانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں جا کر نمازوں کی تعداد میں کمی کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں اور اب چالیس نمازوں کا مطالبہ رہ گیا۔ پھر واپسی میں جب موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے اس میں بھی کمی کروانے کا مشورہ دیا۔ تو

آپؐ پھر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوئے اور نمازوں کی تعداد میں تخفیف کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر دس نمازیں کم کر دیں اور اب صرف تیس نمازوں کا مطالبہ رہ گیا۔ غرضیکہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے اللہ کی بارگاہ میں تخفیف نماز کے لئے آپؐ کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ پانچ نمازیں باقی رہ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر آپؐ سے گزارش کی کہ اس میں بھی کمی کروالیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپؐ کی امت ان پانچ نمازوں کو بھی ادا نہ کر سکے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب جاتے ہوئے مجھے شرم آرہی ہے۔ میں اسی تعداد پر راضی ہوں۔

جب آپؐ یہ کہہ کر موسیٰ علیہ السلام سے رخصت ہوئے تو کسی پکارنے والے نے آواز دی اور اللہ کا یہ فرمان سنایا۔

تعداد میں یہ پانچ ہیں مگر ثواب پچاس نمازوں کا ہی عطاء کروں گا۔ میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی۔

## سفر معراج سے واپسی

آپؐ کا یہ طویل ترین سفر نہایت سرعت کے ساتھ مکمل ہوا اور آپؐ اپنے اسی بستر پر آکر آرام فرما ہو گئے جہاں سے آپؐ کا یہ مقدس سفر شروع ہوا تھا۔ اور کسی کو بھی آپؐ کے آنے جانے کی خبر نہ ہوئی۔ جب سب لوگ صبح بیدار ہوئے تو آپؐ نے سفر کا یہ واقعہ سب سے پہلے اپنی چچا زاد بہن ام ہانی بنت ابی طالب کو سنایا۔ انہی کے گھر میں اس رات آپؐ آرام فرما تھے۔ پھر آپؐ نے ارادہ کیا کہ اس سفر کا تذکرہ اہل مکہ کے سامنے کریں تو ام ہانی نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور کہا اللہ کے واسطے آپ یہ قصہ دیگر لوگوں کو نہ سنائیں ورنہ وہ آپ کو جھٹلائیں گے اور آپ کو ستائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا واللہ! میں تو ضرور سناؤں گا۔ ام ہانی نے اپنی ایک حبشن باندی کو آپ کے پیچھے لگا دیا تا کہ وہ اس کا ردعمل ان کو بتائے۔

رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور لوگوں کو اپنے اس سفر معراج کے بارے میں

وضاحت سے بتایا کہ کتنے مختصر سے وقفے میں کتنا طولانی سفر طئے کیا ہے۔ معاندنی اسلام نے حقیقت پر مبنی اس واقعہ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں پھیلانی شروع کر دیں۔

## ابوبکر اب صدیق ہو گئے

انھوں نے سوچا کہ ابوبکرؓ کو اس بارے میں آسانی سے بہکایا جاسکتا ہے چنانچہ وہ لوگ ابوبکر کو بہکانے کے لئے ان کے گھر پہونچ گئے کیونکہ معراج سے واپسی کے بعد ابھی تک حضرت ابوبکرؓ کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے نہیں ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اگر کوئی شخص آپ سے یہ کہے کہ میں راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ گیا اور وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کی اور پھر اسی رات فوراً مکہ واپس آ گیا تو کیا آپ اس کو سچا تسلیم کریں گے۔ حضرت ابوبکر نے کہا میں تو اسے سچا نہیں کہہ سکتا۔ اس پر ان کفار و مشرکین نے کہا۔ یہی بات تو تمہارے صاحب محمد ﷺ کہہ رہے ہیں تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ اگر وہ کہتے ہیں تو بالکل سچ ہے۔ میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔

تصدیق کا یہی وہ اعلیٰ مقام ہے جس کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کو صدیق کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

## نشانیاں طلب کی گئیں

پھر لوگوں نے آپؐ سے اس سفر کی نشانیاں طلب کیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب میں یہاں سے جا رہا تھا تو فلاں فلاں وادی میں فلاں فلاں قبیلے کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا تو میں نے ان کو ان کے اونٹ کے بارے میں خبر دی کہ فلاں مقام پر ہے۔

مقام ضجنان میں فلاں قافلے کے لوگ سو رہے تھے ایک برتن میں ان کا پانی رکھا تھا جو ڈھکا

ہوا تھا۔ میں نے اس برتن کا پانی پیا پھر اسی طرح ڈھانک کر رکھ دیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ قافلہ اب ثنیۃ التنعیم میں پہونچنے والا ہے اس قافلے میں سب سے آگے ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ہے جس پر دو بورے لدے ہوئے ہیں۔ ایک کا رنگ کالا ہے اور دوسرا دھاری دار ہے۔

یہ سن کر لوگ ثنیۃ التنعیم کی طرف دوڑے۔ وہاں اس قافلہ کو اسی طرح پایا جیسا کہ آپؐ نے خبر دی تھی پھر ان لوگوں نے ان قافلہ والوں سے پانی کا قصہ معلوم کیا تو انھوں نے اسے صحیح بتایا۔

اور جس قافلہ کا اونٹ غائب ہو گیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے بتانے سے وہ مل گیا تھا وہ قافلہ جب مکہ مکرمہ پہونچا اور ان لوگوں نے ان سے اونٹ کے غائب ہونے کا قصہ معلوم کیا تو ان قافلہ والوں نے اسے صحیح قرار دیا۔

سفر معراج کے بعد کا واقعہ ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ حطیم میں تشریف فرما تھے۔ کفار و مشرکین نے آپؐ سے مسجد اقصیٰ کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میرے لئے اللہ نے مسجد اقصیٰ کو ظاہر کر دیا اور بیت عقیل کے پاس اس کا ظہور ہوا اور مسجد اقصیٰ کے بارے میں انھوں نے جو کچھ بھی مجھ سے پوچھا میں اسے دیکھ دیکھ کر ان کو بتاتا رہا۔

اس کے باجود وہ انکار پر تلے رہے اور سرور کائنات ﷺ کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

## احوال برزخ

اس سفر معراج میں سرور کائنات ﷺ نے جن احوال برزخیہ کا مشاہدہ فرمایا ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) آپ کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جو ایک ہی دن میں کھیتوں کو بوتی ہے اور اسی دن کاٹ بھی لیتی ہے۔ اور کاٹنے کے بعد وہ کھیتی ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا پہلے تھا۔

آپؐ نے جبریلؑ سے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں؟

جبریل امینؑ نے کہا۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ ان کی نیکیاں سات سو گنا تک بڑھادی جاتی ہیں۔

(۲) آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کی شرمگاہوں پر آگے پیچھے چیتھڑے لپیٹے ہوئے ہیں اور وہ جانوروں کی طرح چر رہے ہیں اور زخموں کا لہو، پیپ پی رہے ہیں اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں۔

آپؐ نے جبریلؑ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟

جبریل امینؑ نے کہا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔

(۳) آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے پاس ایک ہانڈی میں پکا ہوا عمدہ پاکیزہ گوشت رکھا ہے اور دوسری ہانڈی میں کچا، سڑا ہوا بدبودار گوشت رکھا ہے۔ تو وہ لوگ سڑے ہوئے بدبودار گوشت کو تو کھا رہے ہیں اور پکا ہوا عمدہ گوشت نہیں کھاتے۔

آپؐ نے جبریلؑ سے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں؟

جبریل امینؑ نے کہا۔ یہ وہ شادی شدہ مرد ہیں جن کی حلال بیوی تھی مگر پھر بھی زنا کاری کرتے تھے اور یہ وہ شادی شدہ عورتیں ہیں جن کا حلال شوہر تھا پھر بھی وہ زنا کاری کرتی تھیں۔

(۴) آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں پر فرشتے مسلط ہیں اور پتھروں سے ان کے سروں کو کچل رہے ہیں، جب ان کے سروں پر وہ فرشتے پتھر مارتے ہیں تو ان کے سر چکنا چور ہو جاتے ہیں اور وہ پتھر دور جا گرتے ہیں، جب وہ فرشتے وہ پتھر اٹھانے جاتے ہیں تو ان کے سر ویسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے پہلے تھے۔

آپؐ نے جبریلؑ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟

جبریل امینؑ نے کہا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نمازوں کو چھوڑنے والے ہیں۔

(۵) آپؐ نے کچھ لوگوں کو اس حال میں دیکھا کہ آگ کی قینچیوں سے ان کے ہونٹوں اور ان کی زبانوں کو کاٹا جا رہا ہے۔

آپؐ نے جبریلؑ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟

جبریل امینؑ نے جواب دیا کہ یہ گمراہی میں مبتلا کرنے والے واعظ ہیں۔

(۶) آپؐ نے دیکھا ایک چھوٹا پتھر ہے جس سے بہت بڑا بیل پیدا ہوا۔ پھر وہ بیل اس پتھر میں داخل ہونا چاہتا ہے مگر داخل نہیں ہو پا رہا ہے۔

آپؐ نے جبریلؑ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟

جبریل امینؑ نے جواب دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے منہ سے کوئی برائی کی بات نکالتے ہیں پھر اسے واپس لینا چاہتے ہیں مگر وہ واپس نہیں ہو سکتی۔

(۷) آپ نے کچھ ایسی عورتوں کو دیکھا جن کے سینوں میں آڑے ترچھے کانٹے چبھے ہوئے ہیں اور وہ آسمان و زمین کے درمیان میں لٹکی ہوئی ہیں۔

آپؐ نے جبریلؑ سے پوچھا یہ کون ہیں؟

جبریل امینؑ نے بتایا۔ یہ زنا کار عورتیں ہیں۔

# مدینہ کے چھ سعادت مند

سنہ ۱۱ نبوی کے موسم حج میں رسول اللہ ﷺ نے باہر سے آنے والے حجاج کو اسلام سے روشناس کرانے اور اسے قبول کرنے کی دعوت دینے کے لئے ان سے خفیہ طریقوں سے رابطہ قائم کرنا شروع کر دیا۔ اسی موسم حج کی بات ہے کہ ایک شب آپؐ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ لے کر منیٰ کی گھاٹی میں پہونچے، وہاں کچھ لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ آپؐ نے ان کی آواز سنی تو رات کی تاریکی میں ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اور ان سے پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں؟۔

انھوں نے جواب دیا کہ ہمارا تعلق یثرب (مدینہ) کے قبیلۂ خزرج سے ہے۔ آپؐ نے پوچھا وہی قبیلۂ خزرج جو یہودیوں کا حلیف ہے؟ انھوں نے جواب دیا جی ہاں!۔

آپؐ نے فرمایا۔ تو آؤ کچھ بات چیت کر لی جائے۔ وہ سب حضور اکرم ﷺ کے روبرو بیٹھ گئے اور آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور انھیں قرآن مقدس کی کچھ آیتیں بھی پڑھ کر سنائیں۔

یثرب (مدینہ) کے یہودی آسمانی کتابوں کے حوالوں سے نبی آخر الزماں کا تذکرہ کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ وہ آخری نبی بہت غلبے والے ہوں گے۔ ہم ان کے ساتھ مل کر اپنے دشمنوں پر غالب آجائیں گے۔ ان تذکروں سے یثرب کے لوگ کم از کم ایک نبی کے بارے میں پہلے ہی سے متعارف ہو چکے تھے۔ منیٰ کی گھاٹی میں موجود یثرب کے ان باشندوں کو بھی نبی آخر الزماں کے بارے میں کچھ معلومات تھیں۔ چنانچہ اس مختصر سے تعارف کے تناظر میں جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی گفتگو سنی تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو وہی نبی معلوم ہو رہے ہیں جن کا حوالہ دیکر یہود ہم لوگوں کو دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ یہود سے پہلے ہی ہم لوگ ان پر ایمان لے آئیں۔

چنانچہ ان چھ کے چھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول کر لی۔ اور آپؐ کی ذات اقدس پر ایمان لے آئے۔ اور آپؐ سے وعدہ کیا کہ ہم یثرب (مدینہ) پہونچ کر آپؐ کے اس پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ جب یہ چھ لوگ ارکان حج سے فارغ ہو کر یثرب (مدینہ) پہونچے تو ان کی کوششوں سے وہاں گھر گھر سرور کائنات ﷺ کا تذکرہ ہونے لگا۔

# پہلی بیعت عقبہ

سنہ ۱۱ نبوی کے موسم حج میں یثرب (مدینہ) کے جن چھ لوگوں نے منیٰ میں اسلام قبول کیا تھا انھوں نے یثرب جا کر وہاں کے لوگوں کو اسلام سے متعارف کرایا، جس کے نتیجے میں اگلے سال یعنی سنہ ۱۲ نبوی کے موسم حج میں مدینہ کے مزید سات لوگ بارگاہ رسالتمآب میں حاضر ہوئے۔ جو چھ لوگ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے ان میں سے حارث بن عبداللہ کے علاوہ پانچ لوگ بھی ان نئے سات لوگوں کیساتھ تھے۔

یہ بارہ لوگ نہایت رازدارانہ انداز میں وادیٔ منیٰ میں عقبہ کے پاس رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپؐ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے کہا آؤ! میرے ہاتھ پر یہ بیعت کرو۔

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروگے۔

چوری نہیں کروگے۔

زنا نہیں کروگے۔

اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگے۔

کوئی بہتان نہیں لگاؤ گے۔

خیر کی بات میں میری نافرمانی نہیں کروگے۔

جو شخص یہ باتیں پوری کرے گا اس کا بدلہ اسے اللہ دے گا۔ اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے گا تو پھر اسے اسی دنیا میں اس کی سزا دی جائے گی اور یہ سزا اس کی غلطی کا کفارہ بنے گی۔ اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے اور اللہ اس کی پردہ پوشی فرمائے تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، وہ چاہے تو اسے سزا دے گا اور چاہے تو معاف کردے گا۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے ان امور پر بیعت کی تھی۔ (بخاری)

اس بیعت کو کو بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں اور اس بیعت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہمراہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو معلم بنا کر بھیجا۔ تاکہ وہ یثرب (مدینہ) میں لوگوں کو قرآن سکھائیں اور انھیں اسلامی احکام کی تعلیم دیں۔ اسی بنا پر حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مقری یعنی استاذ کہا جاتا تھا۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ یثرب (مدینہ) میں حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مکان میں ٹھہرے اور اسلام کی پُرزور تبلیغ اور پُراثر تعلیم کا سلسلہ جاری فرمادیا۔

## دوسری بیعت عقبہ

نبوت کے تیرہویں سال میں جب موسم حج آیا تو یثرب (مدینہ) کے بہتر ۷۲ مسلمان حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ آرہے تھے۔ راستے میں ان کی گفتگو اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں ہوئی اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ہم لوگ آخر کب تک اللہ کے رسول کو مکے کی پہاڑیوں کے درمیان ٹھوکریں کھاتے ہوئے چھوڑے رکھیں گے؟

اس سوال نے ان لوگوں میں یہ داعیہ پیدا کیا کہ اب مکہ مکرمہ پہونچ کر رسول اللہ ﷺ کو یثرب (مدینہ) میں قیام پذیر ہونے کے لئے باقاعدہ دعوت دی جائے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے خفیہ رابطہ قائم کر کے منیٰ کی گھاٹی عقبہ میں رات کی تنہائی میں ملاقات طئے ہوگئی، حسب وعدہ یہ سب لوگ منیٰ میں اپنے اپنے ڈیروں سے نکل کر عقبہ میں پہونچ گئے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ بھی ان کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؐ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب بھی تھے۔ حضرت عباس اگر چہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر بھتیجے محمدؐ کے تحفظ میں پوری طرح مستعدی سے کام لے رہے تھے۔

حضرت عباسؓ ان لوگوں سے اپنے بھتیجے حضرت محمد ﷺ کی حفاظت کے لئے مضبوط عہد و پیمان لینا چاہتے تھے۔ اس لئے حضرت عباس نے اس سلسلے میں ان لوگوں سے گفتگو کی اور انھوں نے حضرت محمد ﷺ کے تحفظ کا مکمل یقین دلایا، ان کی یقین دہانی پر رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی مکمل رفاقت کا وعدہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

تم لوگوں کا خون میرا خون ہے اور تم لوگوں کی ناکامی میری ناکامی ہے اور میں تم لوگوں کا ہوں اور تم لوگ میرے ہو، جن لوگوں سے تمہاری جنگ ہوگی ان سے میری جنگ ہوگی اور جن لوگوں سے تمہاری صلح ہوگی ان سے میری بھی صلح ہوگی۔

اس عہد و پیمان کے بعد بیعت کا سلسلہ شروع ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے ان امور پر بیعت لی۔

۱۔ چستی اور سستی ہر حال میں میری بات سنو گے اور اس پر عمل بھی کرو گے۔

۲۔ تنگی اور خوشحالی ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔

۳۔ بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔

۴۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کرو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرو گے۔

۵۔ اور جب میں ہجرت کر کے تمہارے پاس آجاؤں تو تم میری مدد کرو گے اور جس چیز سے تم اپنی اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری بھی حفاظت کرو گے۔

ان لوگوں نے اس عہد و پیمان کے بارے میں سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم نے ان سب باتوں پر عمل کیا تو ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا۔

آپؐ نے جواب دیا۔

اس کے بدلے جنت ملے گی۔

# ہجرت

بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ تمہارا مقام ہجرت مجھے دکھادیا گیا اور وہ لاوے کی دو پہاڑیوں کے درمیان ایک نخلستانی علاقہ ہے۔ پھر لوگوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنی شروع کردی۔ اور حبشہ کے مہاجرین بھی مدینہ آگئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی مدینہ جانے کی تیاری کرلی مگر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ابھی آپ ٹھہریئے! کیونکہ مجھے توقع ہے کہ ہجرت کی اجازت مجھے بھی مل جائے گی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، کیا آپؐ کو اس کی امید ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں! پھر حضرت ابوبکرؓ رک گئے تاکہ وہ آپؐ کے ساتھ سفر کریں۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس دو اونٹنیاں تھیں ان کو چار مہینے تک انھوں نے ببول کے پتوں کا چارہ خوب اچھی طرح کھلایا۔ (بخاری)

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد صرف دو مہینوں اور چند دنوں کے اندر اندر مکہ مکرمہ کے اکثر مسلمان مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ اب سرزمین مکہ پر رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ بن ابی طالب باقی رہ گئے یا چند وہ مسلمان جنھیں کفار و مشرکین نے زبردستی روک رکھا تھا اور بظاہر ان کے نکلنے کا کوئی سبب نہیں تھا۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ بھی تھیں۔

مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے جانے والے صحابہ مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو رہے تھے اور جو صحابہ حبشہ میں تھے وہ بھی مدینہ منورہ آگئے، مدینہ منورہ میں صحابہ کے اس قیام سے اہل مکہ نئی الجھنوں کے شکار ہوگئے۔ کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ یمن سے ملک شام تک بحر احمر کے ساحل سے جو تجارتی راستہ ہے وہ مدینہ منورہ کے قریب سے گذرتا ہے، اس لئے مدینہ منورہ فوجی لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل شہر ہے۔ اور مکہ والوں کے تجارتی قافلوں کا اس راستہ سے خیر و عافیت کے

ساتھ گذرنا اس بات پر موقوف تھا کہ مدینہ منورہ کے باشندوں سے ان کی مصالحت رہے۔ اگر فوجی اعتبار سے مدینہ ان کے مخالف ہوگیا تو ان کے تجارتی قافلوں کی آمدورفت مخدوش ہوجائے گی۔ اس احساس کے تناظر میں جب انھوں نے یہ دیکھا کہ مسلمان مدینہ میں جاجا کر مقیم ہورہے ہیں اور وہاں کے دو اہم قبیلے اوس وخزرج ان کی حمایت کررہے ہیں۔ تو مکہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ اور حقیقی خطرہ ان کے سروں پر منڈلانے لگا۔

## دارالندوہ میں قتل محمدؐ کی سازش

انھوں نے اپنی اس تجارتی شاہراہ کو مامون ومحفوظ رکھنے اور مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کو ختم کرنے کے لئے دارالندوہ میں تاریخ کا سب سے اہم اجلاس طلب کیا۔ جس میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب مسلمانوں کی ہجرت اور مدینہ کی فوجی اہمیت موضوع بحث رہی۔ اور اس کا حل تلاش کرنے کے لئے سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی کو بنیاد قرار دیا گیا۔ اس لئے انھوں نے اپنی تمام تر توجہ حضرت محمد ﷺ کی جانب مبذول کرکے اپنی اپنی تجویزات پیش کرنی شروع کردیں۔

اس اجلاس میں ابوالبختری نے کہا کہ محمد ﷺ کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر انھیں قید کردو پھر ان کی موت کا انتظار کرو۔ اس طرح یہ سارا فتنہ اپنی موت آپ مرجائے گا۔

دارالندوہ میں اس موقع پر نجد کا شیطان ایک شیخ کامل کی شکل میں موجود تھا، اس شیخ نجدی نے کہا۔ یہ تجویز مفید ثابت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ آپ لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ محمد ﷺ کے ماننے والے ان کے لئے کس طرح اپنی جانوں کو نچھاور کرتے ہیں لہٰذا جب ان کو یہ معلوم ہوگا کہ ان کا نبی فلاں جگہ پر قید ہے تو وہ ہر حال میں وہاں سے اپنے نبیؐ کو نکال لے جائیں گے اور پھر اپنی تعداد بڑھا کر تمہارے اوپر حملہ کردیں گے اور تمہارے اوپر انھیں غلبہ حاصل ہوجائے گا۔ لہٰذا اس کے علاوہ کوئی اور حل تلاش کرو۔

پھر ابوالاسود نے یہ تجویز پیش کی کہ محمد ﷺ کو شہر بدر کر دیا جائے۔ وہ مکہ سے باہر کسی دوسرے مقام پر جا کر کچھ بھی کریں۔ ہمیں اس سے کچھ لینا دینا نہیں۔ اور اس سے ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔

شیخ نجدی نے کہا کہ یہ تجویز مناسب معلوم نہیں ہوتی کیونکہ محمد ﷺ کے بول بہت میٹھے ہیں، ان کی باتیں بہت دلکش ہیں، اس لئے اگر ان کو تم لوگوں نے مکہ سے باہر نکال دیا تو وہ کسی اور جگہ جا کر اپنا میدان بنالیں گے اور پھر اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر تمہارے اوپر حملہ کر دیں گے۔ اس لئے اس کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

دارالندوہ میں جب ان دونوں تجویزوں کو شیخ نجدی نے مسترد کر دیا تو ابوجہل نے یہ قرار داد پیش کی کہ ہم ہر قبیلے سے ایک مستعد نوجوان کا انتخاب کریں اور ایک ایک تلوار ہر ایک کے حوالہ کر دیں۔ پھر رات کی تاریکی میں یکبارگی سب مل کر ان پر حملہ کر دیں اور ان کو قتل کر ڈالیں۔ اس طرح کے حملے میں قتل کی ذمے داری کسی ایک کے ذمے عائد نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ سارے ہی قبیلے اس میں شریک ہوں گے۔ اور اس صورت میں بنوعبد مناف میں ان تمام قبیلوں سے خونِ محمد کا بدلہ لینے کی ہمت نہ ہوگی۔ یقیناً دیت (خوں بہا) پر وہ راضی ہو جائیں گے۔ پھر ان کی منہ مانگی دیت ان کو دے دی جائے گی اس طرح اس فتنہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔

شیخ نجدی نے ابوجہل کی اس تجویز کو بہت سراہا اور تمام شرکاء اجلاس نے اس قرارداد پر مہر تائید ثبت کر دی۔ پھر اس مجرمانہ قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نہایت رازدارانہ انداز میں جلد از جلد تیاریاں مکمل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ قرآن مجید نے ان کی اس مجرمانہ حرکت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ"

اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ کفار یہ تدبیر کر رہے تھے کہ آپؐ کو قید کر دیں یا آپؐ کو قتل کر دیں یا آپ کو شہر بدر کر دیں اور وہ تدبیر کرتے ہیں اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

# سازش کا پردہ چاک ہوگیا

ادھر دارالندوہ میں سرور کائنات ﷺ کے قتل کی مجرمانہ سازش تیار ہوئی تو اللہ نے اپنے رسولؐ کے سامنے اس سازش کا پردہ چاک کردیا۔ جبریل امین بارگاہ رسالت مآبؐ میں حاضر ہوکر قریش کی قاتلانہ تیاریوں کی آپؐ کو خبر دی۔ اور اللہ کی جانب سے ہجرت کا حکم آپؐ کو سنایا اور یہ بتایا کہ آج ہی رات آپ کو سفر ہجرت کرنا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی سرور کائنات ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت اپنے سر پر کپڑا ڈالے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لائے، تاکہ آج رات کے سفر ہجرت کی انھیں بھی اطلاع دیدیں تاکہ وہ ضروری تیاری کرلیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تو دورازے پر ٹھہر کر اجازت طلب کی۔ آپؐ کو مرحبا کہا گیا اور آپؐ اندر تشریف لائے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے دریافت کیا۔

یارسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا آپؐ کے ساتھ مجھے بھی حکم ہوا ہے؟

آپؐ نے فرمایا۔ ہاں! تم بھی میرے ساتھ چلوگے۔

# امانتیں علیؓ کے حوالے

حضرت ابوبکرؓ سے یہ گفتگو اور نظام طئے کرکے رسول اللہ ﷺ اپنے دولت کدہ پر تشریف لے آئے اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کو اپنے پاس بلاکر لوگوں کی امانتیں ان کے حوالے کردیں اور لوگوں تک ان کی امانتوں کو پہونچانے کی ذمے داری آپ کو سونپ دی۔ اور حضرت علیؓ سے فرمایا۔

علیؓ! آج رات تمھیں ہمارے بستر پر سونا ہے کیونکہ مجھے ہجرت کا حکم مل چکا ہے اور میں آج رات یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ تم ان امانتوں کو لوگوں تک پہونچا کر مدینہ منورہ آجانا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر تقریباً بائیس سال کی تھی۔

ادھر قریش کے اکابر مجرمین اپنی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مسلسل تگ و دو میں مصروف تھے اور انھوں نے اس کے لئے آدھی رات کے بعد کا وقت مقرر کیا۔

وقت گذرتا رہا، رات آگئی، گرمی کا موسم، ۱۳؍ستمبر ۶۲۲ء اور ۲۷؍صفر ۱۳ نبوی کی تاریخ، پورے مکہ شہر میں سناٹا چھایا ہوا ہے اور کچھ لوگ چپکے چپکے سرور کائنات ﷺ کے مکان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ آپؐ کے دروازہ پر پہونچ کر پورے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں ہیں، اب انھیں انتظار ہے کہ محمدؐ باہر نکلیں اور وہ سب ان پر قاتلانہ حملہ کردیں۔

## رسولؐ گھر سے باہر نکلتے ہیں

رب کائنات نے اپنی قدرت کا مظاہرہ کیا اور ان تمام مجرمین پر اونگھ طاری کردی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا بستر علیؓ کے حوالہ کیا اپنی حضرمی چادر اوڑھنے کے لئے دیدی اور خود سورۂ یٰس کی تلاوت فرماتے ہوئے دروازے سے باہر تشریف لائے، اور ایک مٹھی مٹی اٹھا کر ان تمام مجرموں کے سروں پر ڈالی، اس وقت آپؐ کی زبان مبارک پر سورۂ یٰس کی اس آیت کی تلاوت جاری تھی۔

"وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ"

اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنادی اور ہم نے ان کے پیچھے دیوار بنادی پس ہم نے انھیں ڈھانک لیا ہے تو وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔

رات کی تاریکی میں جب کہ ہر چہار جانب سناٹا چھایا ہوا تھا سرور کائناتؐ مکہ سے رخصت ہو رہے ہیں اور مکہ کے در و دیوار کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر فرما رہے ہیں

مَااَطْیَبَکَ مِنْ بَلَدٍ وَاَحَبَّکَ اِلَیَّ وَلَوْلَا اَنَّ قَوْمِیْ اَخْرَجُوْنِیْ مَاسَکَنْتُ غَیْرَکَ. (مشکوۃ)

اے مکہ! تو کتنا پاکیزہ شہر ہے اور مجھے تو کس قدر محبوب ہے۔ اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ قیام نہ کرتا۔

اسی طرح ابن ماجہ میں آپؐ کا یہ فرمان منقول ہے

وَاللّٰہِ اِنَّکَ لَخَیْرُ اَرْضِ اللّٰہِ وَاللّٰہِ لَوْلَا اَنِّیْ اُخْرِجْتُ مِنْکَ مَاخَرَجْتُ.

اے مکہ! اللہ کی قسم۔ تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور اللہ کو تو بہت ہی پسند ہے اگر مجھے یہاں سے نہ نکالا جاتا تو میں ہرگز نہ نکلتا۔

سرور کائنات ﷺ نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ اپنے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان پر تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ کو اپنی معیت میں لے کر مدینہ منورہ کے بالکل برعکس یمن کے راستہ پر چل پڑے اور چند میل کے فاصلہ پر واقع جبل ثور کی آخری چوٹی پر بنے ہوئے ایک غار میں روپوش ہوگئے۔ جو غار ثور کے نام سے مشہور ہے۔

## مجرمین کی بوکھلاہٹ

رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے جن لوگوں نے آپؐ کا محاصرہ کر رکھا تھا جب ان کی اونگھ ختم ہوئی تو انھوں نے دیکھا کہ کوئی اجنبی شخص ہے جو ان سے پوچھ رہا ہے کہ تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو؟

انھوں نے کہا۔ ہم محمد ﷺ کی جستجو میں ہیں۔ اس شخص نے بتایا کہ وہ تو یہاں سے جا چکے۔ اب کس چیز کا انتظار! اور یہ تو بتاؤ یہ تمہارے سروں پر مٹی کیسی ہے؟

وہ اپنے سروں کو جھاڑتے ہوئے اٹھے اور جس کی تلاش میں دن بھر کی منصوبہ سازی کے بعد رات کالی کی تھی اس کے نکل جانے کی خبر نے انھیں ہیجانی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ اب ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ محمد ﷺ کی تلاش میں رخ کدھر کیا جائے۔

ان مجرموں میں سے کسی نے دروازے کی جھری سے اندرون خانہ جھانک کر دیکھا تو سب

کو اطمینان دلایا۔ اس نے کہا گھبراؤ نہیں، اس شخص کی خبر غلط ہے، کیونکہ وہ دیکھو محمد ﷺ اپنے بستر پر اپنی چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں۔ اس لئے ادھر ادھر بھاگنے کے بجائے یہیں انتظار کرو۔ وہ جب بھی نکلیں گے ہم ان کا کام تمام کر دیں گے۔ پھر اور لوگوں نے بھی جھانک کر دیکھا اور مطمئن ہو کر آپؐ کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ آج اس بستر پر سرور کائنات ﷺ کے بجائے حضرت علیؓ ابن ابی طالب آرام فرما ہیں۔

جب بالکل صبح ہوگئی اور حضرت علیؓ اٹھے تو محمد ﷺ کے بجائے علیؓ کو دیکھ کر ان کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی، نامرادی کے احساس نے انھیں مخبوط الحواس بنا دیا، پاگل کتوں کی طرح ادھر ادھر بھاگنے دوڑنے لگے۔ حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ان لوگوں نے کچھ زیادتیاں بھی کیں مگر حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کسی بھی طرح کی کوئی معلومات فراہم نہیں کیں۔

اب وہ مجرم لوگ آپؐ کی تلاش میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان پر جا پہونچے۔ وہاں معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ بھی نہیں ہیں۔ تب انھیں مکمل یقین ہوگیا کہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ شہر مکہ سے باہر نکل چکے ہیں، اب انھوں نے تلاش کی سرگرمیاں تیز کر دیں اور پہلے مدینہ منورہ کے کاروانی راستہ کی چھان بین شروع کر دی کیونکہ مدینہ منورہ مسلمانوں کی آماجگاہ بن چکا تھا، اس لئے انھوں نے سوچا کہ محمد ﷺ بھی اسی راستہ سے ہوتے ہوئے مدینہ جائیں گے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی بالکل مخالف سمت جنوب کی طرف کوچ کیا اور تقریباً پانچ کلو میٹر کا فاصلہ طئے کر کے جبل ثور کے اوپری حصے میں بنے ہوئے غار ثور میں روپوش ہوئے تھے۔

# غارِ ثور میں

جب اس غار کے پاس رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق ؓ پہونچے تو ابو بکرؓ نے آپؐ سے کہا۔ یارسول اللہ! آپ تھوڑی دیر توقف فرمائیں تا کہ پہلے میں اندر جا کر اس غار کی صفائی کردوں۔ حضرت ابو بکرؓ اس غار کے اندر گئے اور اس کی صفائی کی۔ جہاں جہاں سوراخ دکھائی دیئے ان میں اپنی چادر کو پھاڑ پھاڑ کر کپڑا لگا دیا تا کہ کوئی موذی چیز نکل کر گزند نہ پہونچائے۔ لیکن نیچے کی جانب دو سوراخ باقی رہ گئے جنھیں بند کرنے کے لئے آپ کے پاس کپڑا نہیں بچا۔ اس لئے آپ نے سوچا کہ ان میں اپنے پیر لگا دوں گا۔ پھر اگر کوئی چیز نکلتی ہے تو مجھے ہی تکلیف ہوگی اور میرے محبوب ﷺ محفوظ رہیں گے۔

غارِ ثور کی صفائی سے فارغ ہو کر ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ اب آپؐ اندر تشریف لائیں۔ سرورِ کائنات ﷺ اندر تشریف لے گئے۔ صدیق اکبرؓ نے اپنے پیروں کو پھیلا کر ان سوراخوں کو پاؤں سے بند کر دیا اور آپ کی آغوش میں سر رکھ کر سرورِ کائنات ﷺ آرام فرمانے لگے۔ کچھ دیر بعد آپؐ کی آنکھ لگ گئی ادھر کسی زہریلے کیڑے نے ابو بکر کے پیر میں ڈس لیا۔ صدیق اکبرؓ نے اپنے بدن کو محض اس وجہ سے حرکت نہ ہونے دی کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کی نیند میں خلل نہ آجائے، لیکن تکلیف کی شدت ہر لمحہ قوت برداشت سے باہر ہوتی جارہی تھی کہ اتنے میں صدیق اکبر کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ آنسوؤں کے قطرے جب رخسارِ مصطفیٰ ﷺ پر گرے تو آپؐ بیدار ہوگئے۔ رونے کی وجہ معلوم کی، صدیق اکبر نے کہا یارسول اللہ ﷺ! کسی کیڑے نے پاؤں میں ڈس لیا ہے۔ شدید تکلیف کی وجہ سے بے اختیار آنسو نکل پڑے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صدیق اکبرؓ کے پاؤں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا اور صدیق اکبر اسی وقت شفایاب ہوگئے۔

# انعام کا اعلان ہو گیا

ادھر ان دشمنان اسلام نے ایک ہنگامی میٹنگ کر کے آپؐ کی تلاش کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرنے کا تہیہ کیا نیز حضرت محمد ﷺ کو پکڑ کر لانے والے کے لئے سو سرخ اونٹوں کا اعلان کر دیا۔

سو اونٹوں کے لالچ میں بہت سے شاطر لوگ ٹولیاں بنا بنا کر آپؐ کی تلاش میں نکل پڑے۔ اس تلاش و جستجو میں دیوانہ وار گھومتے گھماتے ان مجرموں کی ایک ٹولی جبل ثور کی چوٹی پر بھی پہونچ گئی۔ ان کے پیر غار ثور کے اندر سے صاف نظر آ رہے تھے۔ صدیق اکبرؓ ان کو دیکھ کر حفاظتِ رسولؐ کے سلسلے میں فکر مند ہو گئے، کیونکہ اب تو خطرہ بالکل سر پر منڈلا رہا تھا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ سے کہا مَا ظَنُّکَ یَا اَبَا بَکْرٍ بِاثْنَیْنِ اللّٰہُ ثَالِثُھُمَا اے ابو بکر ایسے دو لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔

ان دشمنانِ اسلام نے اپنی جیسی کوشش کی مگر یہاں سے نامراد واپس لوٹے۔ کیونکہ غار ثور کے دہانے پر جھاڑ، مکڑی کے جالے اور کبوتروں کے انڈے وہاں کسی بھی شخص کے وجود کا پتہ نہیں دے رہے تھے۔

# تین لوگ۔ تین ذمے داریاں

اس غار ثور میں سرور کائنات ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تین راتیں گذاریں یعنی جمعہ، سنیچر، اور اتوار کی رات یہیں گذاری۔ اور ہجرت سے قبل ہی سفر ہجرت کو کامیاب بنانے کے لئے ظاہری اسباب کے طور پر ان تین لوگوں کے ذمہ تین اہم کام سونپے گئے۔

(۱) حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بیٹے عبد اللہ کے ذمے یہ کام رکھا گیا کہ وہ دن بھر مکہ مکرمہ میں رہ کر دشمنان اسلام کی تمام سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھیں اور رات کی تاریکی میں خفیہ طریقے پر آ کر ان تمام حالات سے رسول اللہ ﷺ کو باخبر کر دیں۔

عبداللہ بن ابی بکرؓ اس وقت نہایت بانکے جوان تھے، وہ گہری سوجھ بوجھ کے مالک، بات کو پرکھنے والے، بہت ہوشیار تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی بکرؓ نہایت رازداری کے ساتھ ان دشمنانِ اسلام کے منصوبوں اور ان کی کارکردگی سے رسول اللہ ﷺ کو باخبر کرتے رہے۔ رات دیر گئے تک وہ مکہ میں لوگوں کے ساتھ رہتے۔ اور جب سب لوگ سو جاتے تو یہ غارِ ثور پہونچ کر تمام حالات سے آگاہی دے کر صبح سے پہلے پہلے شہر مکہ واپس پہونچ جاتے۔ مکہ والوں کو یہی محسوس ہوتا کہ عبداللہ بن ابی بکر نے مکہ ہی میں رات گذاری ہے۔

(۲) حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ کے ذمے یہ کام تجویز کیا گیا تھا کہ وہ بکریاں چراتے چراتے رات کی تاریکی میں ان بکریوں کو غار پر لے جائیں اور ان کا تازہ دودھ رسول اللہ ﷺ اور صدیق اکبر کو پلائیں۔ چنانچہ غارِ ثور میں قیام کے دوران اس خدمت کو عامر بن فہیرہ نے نہایت سلیقے سے انجام دیا۔ جب شام کو اندھیرا ہوجاتا تو یہ بکریاں لے کر وہاں پہونچ جاتے اور بکریوں سے تازہ دودھ نکال کر رسول اللہ ﷺ اور صدیق اکبر کو پلا دیتے۔ نیز عبداللہ ابن ابی بکر کے آنے جانے میں جو نشانات قدم زمین پر پڑ جاتے تھے تو عامر بن فہیرہ ان پر اپنی بکریوں کو چلا دیتے تاکہ ان کے پیروں کے نشانات زمین پر باقی نہ رہیں چنانچہ نشانات قدم سے جاسوسی کرنے والے بھی اپنے منصوبوں میں مسلسل ناکام ہی ہوتے رہے۔

(۳) غیر معروف راستوں اور پُر پیچ وادیوں سے مدینہ منورہ جانے کے لئے ایک رہبر کی ضرورت تھی، جو مدینہ منورہ کی عام شاہراہ سے ہٹ کر دیگر راستوں سے سرورِ کائنات ﷺ اور صدیق اکبرؓ کو مدینہ تک پہونچا دے۔ کیونکہ مدینہ منورہ کے مشہور راستے سے جانے کا مطلب تھا خود کو ہلاکت میں ڈالنا۔ اس خدمت کے لئے عبداللہ بن اریقط کو اجرت پر طئے کیا گیا۔ عبداللہ بن اریقط اگرچہ مسلمان نہیں تھا مگر قابل اعتماد شخص تھا۔ اس کو غارِ ثور سے روانگی کا پورا نظام پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔ اور وعدہ کے مطابق وقت مقررہ پر عبداللہ بن اریقط غارِ ثور پہونچ گیا۔ سرورِ کائنات ﷺ اور صدیق اکبرؓ نے جمعہ، سنیچر اور اتوار کی تین راتیں غارِ ثور میں گذاریں۔

# غارِ ثور سے روانگی

پھر جب پیر کی رات آئی جو ربیع الاول ۱ھ کی چاند رات تھی اور شمسی تاریخ ۱۶ ستمبر ۶۲۲ء تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ غارِ ثور سے روانہ ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس عظیم اور مقدس سفرِ ہجرت کے لئے دو اونٹنیاں پہلے سے ہی پال رکھی تھیں، ان کو لے کر عبداللہ بن اریقط حاضرِ خدمت ہوا، اور صدیق اکبر نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی۔ یارسول اللہ ﷺ! ان دو سواریوں میں سے یہ سواری زیادہ بہتر ہے آپ اس کو قبول فرمالیں۔

سرورِ کائنات ﷺ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، آپ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ اور عبد اللہ بن اریقط پر مشتمل یہ چھوٹا سا قافلہ رات کی تاریکی میں غارِ ثور سے روانہ ہوا۔ عبداللہ بن اریقط پہاڑی راستوں اور پُر پیچ وادیوں سے بخوبی واقف تھا۔ وہ پہلے یمن کی جانب چلا۔ اور کافی دور تک چلتا رہا پھر مغرب کی جانب مڑا اور سمندر کے ساحل پر چل پڑا۔ پھر ایک اجنبی راستہ پر آکر شمال کی جانب مڑ گیا۔ یہ راستہ بحرِ احمر کے قریب ہی تھا۔

# شعلے بھڑک رہے ہیں اور تلاش جاری ہے

سرورِ کائنات ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکلے ہوئے حالانکہ کئی دن گذر چکے ہیں مگر دشمنانِ اسلام ابھی تک آپؐ کی تلاش میں سرگرم ہیں۔

سراقہ بن مالک بن جعشم قبیلہ بنی مدلج کا ایک شیخ ہے۔ اسے بھی اس انعام کی خبر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی گرفتاری یا ان کے قتل کے سلسلے میں اعیانِ قریش نے مقرر کی تھی۔ سراقہ کے دل میں بھی اس انعام کے پانے کا جذبہ امنڈ رہا تھا مگر تلاش کے لئے کس سمت نکلا جائے اس کا فیصلہ وہ نہیں کر پا رہا تھا۔ ایک موقع پر سراقہ کچھ لوگوں کے ساتھ ایک چوپال میں بیٹھا تھا کہ کسی مخبر

نے یہ خبر پہونچائی کہ میں نے سمندر کے کنارے کنارے جاتے ہوئے کچھ لوگوں کو دیکھا ہے بہت ممکن ہے کہ وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی ہوں۔

سراقہ کا بیان ہے کہ میں نے سوچا کہ اس شخص کا کہنا صحیح بھی ہوسکتا ہے۔ مگر سارا انعام اکیلے حاصل کرنے کے شوق میں میں نے بظاہر اس مخبر کی بات ٹال دی اور میں نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ محمد وہاں کیونکر ہوسکتے ہیں؟ فلاں فلاں لوگ میرے سامنے سے گذر کر ادھر گئے ہیں تم نے ان کو ہی دیکھا ہوگا۔ سراقہ کہتے ہیں کہ میرے اس بہکاوے میں وہ مخبر بھی آ گیا اور میرے ساتھیوں نے بھی ادھر کوئی توجہ نہیں دی۔ تھوڑی دیر بعد میں چپکے سے وہاں سے اٹھا اور سیدھا اپنے گھر گیا اور اپنی باندی کو حکم دیا کہ فلاں جگہ میرا گھوڑ چر رہا ہے تو اسے لاکر جلدی سے تیار کردے، میں نے بھی ضروری سامان لے لیا اور محمد کی تلاش میں اپنے مکان کی پشت کی طرف سے نکل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ وہ گھوڑا مجھے لے کر چلتا رہا یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا۔ لیکن اچانک میرے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ گر گیا، میں بھی اس کے ساتھ زمین پر آ گرا۔ میرے ترکش میں فال کے تیر تھے میں نے ان کو نکالا۔ اور محمد ﷺ کو نقصان پہونچانے یا نہ پہونچانے کی بابت میں نے فال دیکھا۔ تو ترکش میں سے وہ تیر نکلا جو مجھے پسند نہیں تھا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہو پاؤں گا۔ مگر انعام کے لالچ میں میں نے اس فال سے بغاوت کی اور گھوڑے پر سوار ہوکر تیزی سے اسے آگے بڑھایا اور اب میں رسول اللہ ﷺ کے اتنے قریب پہونچ گیا کہ مجھے آپؐ کی تلاوت کی آواز سنائی دے رہی تھی، میں نے دیکھا کہ آپؐ کسی بھی جانب کوئی توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ البتہ ابوبکر صدیقؓ دائیں بائیں نظریں دوڑا رہے تھے۔ میں کچھ اور آگے بڑھا ہی تھا کہ اب میرے گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور میں بھی زمین پر ڈھیر ہوگیا۔

اپنے اوپر قابو پاتے ہی میں نے بمشکل تمام گھوڑے کے پیروں کو زمین سے نکالا۔ اور جیسے ہی اس کے پیر زمین سے نکلے تو اس جگہ سے دھوئیں کی طرح غبار نکلا جو آسمان کی جانب چڑھ رہا

تھا۔ پھر میں نے فال کے تیر نکالے اور اس مرتبہ بھی میری مرضی کے خلاف تیر نکلا تو میری ہمت ٹوٹ گئی اور مجھے یقین ہو گیا یہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ ہے آپؐ اس میں ضرور کامیاب ہوں گے تو میں نے اسی جگہ سے بلند آواز سے پکار کر کہا۔ مجھے معاف کر دیجئے، میں امن چاہتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے میری پکار سنی اور رک گئے۔ میں حاضر خدمت ہوا اور میں نے قریش کی تمام تگ و دو سے آپؐ کو آگاہ کیا اور ان کے مستقبل کے منصوبے بھی آپؐ کو بتا دیئے۔ پھر میں نے کچھ توشہ اور سامان آپؐ کی خدمت میں پیش کیا مگر آپؐ نے لینے سے انکار کر دیا۔ پھر میں نے آپؐ سے گزارش کی کہ اسی راستے میں فلاں جگہ پر آپ کو ہمارے اونٹ ملیں گے ان کیساتھ ہمارے مقرر کردہ چرواہے بھی ہیں، میں آپؐ کو اپنا تیر دئے دیتا ہوں آپؐ ان کو یہ تیر دکھا دیں اور جتنا دودھ چاہیں ان سے لے لیں۔ مگر آپؐ نے میری یہ پیشکش بھی منظور نہیں فرمائی۔ البتہ آپؐ نے مجھے یہ حکم دیا کہ ہمارے اس سفر کو راز میں رکھنا، کسی بھی شخص کو اس کا سراغ نہ ملنے پائے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا وعدہ کر لیا، پھر میں نے آپ سے ایک درخواست یہ کی کہ آپؐ مجھے امن کا پروانہ عنایت فرما دیں۔ تو آپؐ نے عامر بن فہیرہ کو پروانۂ امن کی تحریر کا حکم دیا۔ اور انھوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر میرے لئے امن کا پروانہ لکھ کر مجھے دے دیا۔

اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سراقہ سے کہا تھا۔ سراقہ میں تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔

یہ پیشگوئی اپنی تمام تر صداقتوں کے ساتھ صحیح ثابت ہوئی اور فارس کی فتح کے بعد کسریٰ کے کنگن سراقہ کے ہاتھوں میں ڈالے گئے۔

سراقہ کا بیان ہے کہ پھر اس مقام سے میں واپس آ گیا اور وعدہ کے مطابق میں نے کسی بھی شخص کو آپؐ کے بارے میں کوئی بات نہیں بتائی۔ بلکہ ہر شخص کو یہی بتاتا رہا کہ میں دور دور تک ان کی تلاش میں گیا مگر کہیں سے کہیں تک ان کا سراغ نہ مل سکا۔

سراقہ بن مالک بن جعشم کے اسی کردار کے متعلق حضرت انسؓ نے فرمایا تھا کہ سراقہ کی مختصر

روئداد یہ ہے کہ صبح کے وقت حملہ آور اور شام کے وقت محافظ (بخاری)

# چٹان کے سایہ میں

سرور کائنات ﷺ اب مکہ مکرمہ سے کافی دور جا چکے ہیں۔ کیونکہ پوری رات چلتے رہے اور دن میں بھی چلتے چلتے دو پہر ہو چکی ہے۔ آرام کا بھی تقاضہ ہے۔ لیکن دور دور تک کہیں سے کہیں تک درخت کا نام ونشان تک نہ تھا، چلتے چلتے پتھر کی ایک لمبی چٹان دکھائی دی، وہ چھوٹے سے سائبان کا کام کر رہی تھی، اسے دیکھ کر یہ حضرات وہاں رکے۔ اور صدیق اکبرؓ نے اس چٹان کے نیچے جگہ برابر کی اور اس پر ایک کھال بچھا کر رسول اللہ ﷺ سے التجاء کی کہ آپ اس پر آرام فرما لیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس چٹان کے سایے میں اس کھال کے اوپر لیٹ گئے اور آپ کو نیند آ گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نگرانی کرتے رہے اور نہایت مستعدی سے چاروں طرف نگاہ دوڑاتے رہے۔

اچانک ایک چرواہا نظر آیا اور وہ بھی اس چٹان کے سایے میں آرام کرنے کے لئے آ رہا تھا جب وہ قریب آ گیا تو صدیق اکبرؓ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہاری بکریوں میں کچھ دودھ ہے؟ اس نے کہا ہاں! ہماری بکریاں دودھ سے لبریز ہیں، تو صدیق اکبرؓ نے اس سے دودھ دوھنے کی اجازت مانگی، تو اس نے نہ صرف یہ کہ بخوشی اجازت دی بلکہ ایک بکری پکڑ کر صدیق اکبرؓ کے حوالے کر دی۔ صدیق اکبرؓ نے اس بکری سے دودھ دوہا اور چمڑے کے ایک لوٹے میں اسے محفوظ کر لیا۔ مگر چونکہ رسول اللہ ﷺ سو رہے تھے اس لئے صدیق اکبرؓ کی ہمت نہ ہوئی کہ آپؐ کو بیدار کر کے دودھ پیش کریں۔ اس لئے آپؐ کے بیدار ہونے کا وہ انتظار کرتے رہے۔ اور جب آپؐ بیدار ہوئے تو صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ ﷺ کو وہ دودھ پیش کیا اور آپؐ نے اسے نوش فرمایا۔ صدیق اکبر کہتے ہیں کہ مجھے اس سے بے حد خوشی ہوئی۔ پھر آپؐ یہاں سے روانہ ہو گئے۔

# ام معبد کے خیمے میں

اس سفر کے دوران آپؐ کا گذر ایک خیمے کے پاس سے ہوا۔ اس خیمے میں ام معبد خزاعیہ رہتی تھیں، یہ خاتون نہایت مہمان نواز اور فراخ دل تھیں، جو شخص بھی ان کے خیمے کے پاس سے گذرتا یہ اس کی تواضع کیا کرتی تھیں، جب یہ مختصر سا مقدس قافلہ اس خیمے کے پاس پہونچا تو اتفاق سے اس وقت ام معبد کے گھر میں میزبانی کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ بکریاں دور جنگل میں چرنے گئی تھیں، قحط کا زمانہ تھا، اس لئے ام معبد نے میزبانی سے معذرت چاہی اور اپنی مجبوری اور شرمندگی کا اظہار بھی کیا،

رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ خیمے کے ایک کنارے ایک بکری موجود ہے، آپؐ نے ام معبد سے پوچھا، یہ بکری کیسی ہے؟ ام معبد نے جواب دیا کہ بہت کمزور ہے۔ بیماری نے اسے لاغر کر رکھا ہے اور اپنی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے اس قابل بھی نہیں کہ چرنے کے لئے ریوڑ کے ساتھ جاسکے۔ اسی وجہ سے یہ یہاں پڑی ہوئی ہے۔

آپؐ نے ام معبد سے کہا۔ کیا اس کا دودھ دوہنے کی اجازت ہے؟

ام معبد نے کہا بخدا اس کے تھنوں میں دودھ نام کی کوئی چیز نہیں ہے البتہ آپ دوہنا چاہیں تو دوہ لیں۔ آپؐ نے اس بکری کے تھن پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ بسم اللہ پڑھ کر دعاء کی، بکری نے فوراً اپنے پیر پھیلا دیئے اور اس کے تھن دودھ سے یکا یک لبریز ہوگئے۔

آپؐ نے ام معبد سے کہا کوئی بڑا برتن دیدو۔ ام معبد نے آپ کو اتنا بڑا برتن دیا کہ اگر وہ دودھ سے بھرا ہوا ہو تو پوری جماعت کی سیرابی کے لئے کافی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس برتن میں دودھ دوہنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ بڑا برتن لبریز ہوگیا۔ آپؐ نے وہ دودھ ام معبد کو دیا۔ ام معبد اسے پی کر شکم سیر ہوگئیں۔ پھر آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو دیا۔ وہ سب بھی پی پی کر شکم سیر ہوگئے۔ پھر آپؐ نے وہ دودھ نوش فرمایا۔ پھر اسی برتن میں مزید دودھ دوہا۔ اور دودھ سے لبریز وہ

برتن ام معبد کے حوالہ کر کے آگے چل پڑے۔

ام معبد یہ منظر نامہ دیکھ کر بے حد متاثر ہوئیں، کیونکہ اس کی وہ بکری جو مریل تھی، چلنے پھرنے کے بھی قابل نہ تھی، اس کے تھنوں میں دودھ نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ مگر ایک مسافر کے ہاتھ سے اس کے تھنوں سے اتنا دودھ نکلا کہ یہ سب شکم سیر بھی گئے اور پھر بھی وہ برتن دودھ سے لبریز رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ام معبد کے شوہر ابو معبد جنگل سے بکریوں کو چرا کر واپس آئے۔ گھر میں یہ دودھ دیکھ کر ان کو بہت تعجب ہوا اور اپنی بیگم سے معلوم کیا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ جب کہ گھر میں دودھ دینے والی بکری بھی نہیں۔

ام معبد نے جواب دیا۔ رب کعبہ کی قسم! یہ ساری برکت ایک ایسے مسافر کی ہے جو اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ ہمارے خیمہ میں آیا تھا۔ چہرہ نہایت نورانی تھا۔ اور باتیں ایسی کہ گویا موتی بکھر رہے ہوں۔

ابو معبد نے کہا کہ یہ تو وہی قریشی معلوم ہو رہے ہیں جن کی تلاش میں مکہ کے قریش سرگرداں ہیں، ابو معبد اپنی اہلیہ سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ مختصر سا تعارف سن کر بے حد متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ ان صاحب کے ساتھ رہوں، کوئی سبیل نکلی تو میں ایسا ضرور کروں گا۔

## قبا بستی میں

مدینے کے مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے سفر ہجرت کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی اور اب انھیں ہر لمحہ دیدار رسولؐ کا انتظار تھا۔ اس لئے وہ لوگ روزانہ صبح صبح حرہ کی جانب نکل جاتے اور ٹیلوں اور پہاڑوں پر چڑھ چڑھ کر آپؐ کی تشریف آوری کا بے تابانہ انتظار کرتے۔ پھر جب دوپہر ہو جاتی اور دھوپ کی شدت اپنے شباب کو پہونچ جاتی تو مایوسی کی حالت میں وہ لوگ اپنے گھروں کو واپس ہو جاتے۔

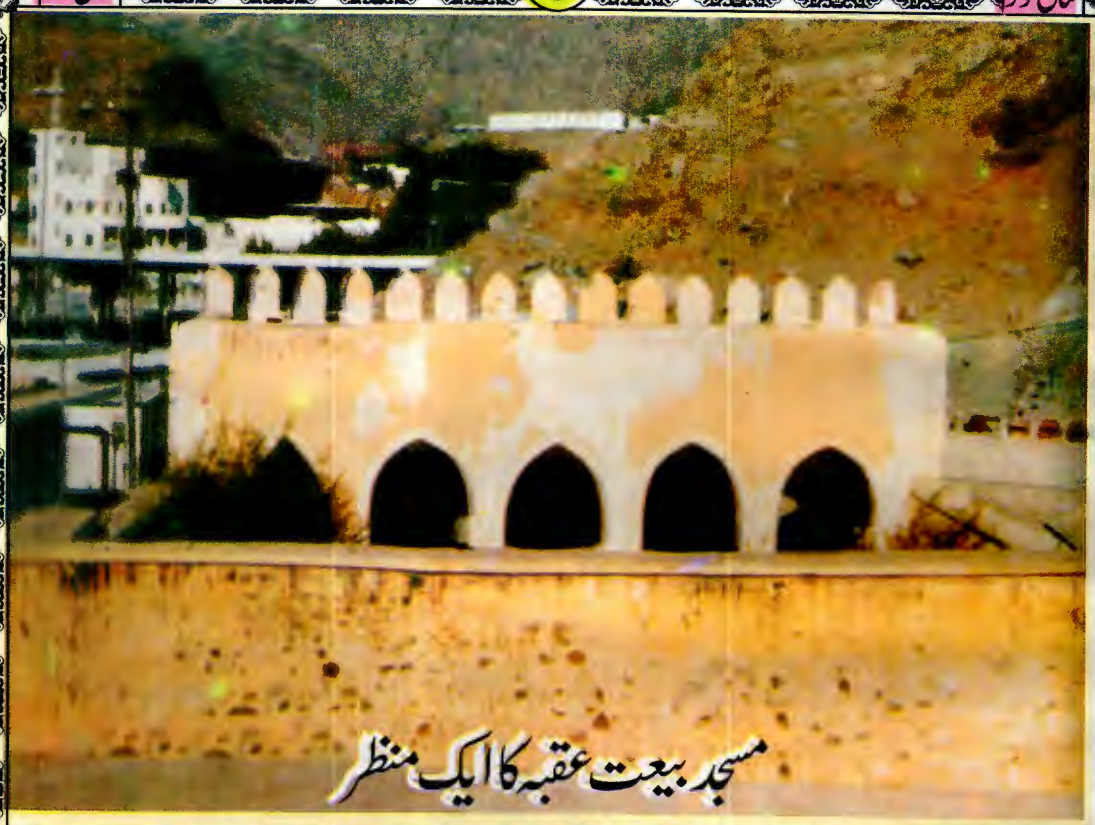

مسجد بیعت عقبہ کا ایک منظر

غار ثور جہاں ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پناہ لی

اسلام کی سب سے پہلی مسجد مسجد قبا کا جدید تعمیر کے بعد نہایت دلفریب منظر۔ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں قبا بستی میں آپؐ نے چودہ روز قیام فرمایا اور اسی قیام کے دوران اسلام کی سب سے پہلی مسجد کی تعمیر فرمائی۔

یہ جبل احد ہے جس کے دامن جنگِ اُحد ہوئی تھی حضرت حمزہؓ کے مزار کی چہار دیواری صاف نظر آ رہی ہے جبل اُحد کے متعلق نبیؐ کا فرمان ہے کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

ایک دن ایک یہودی اپنی کسی ضرورت سے ایک ٹیلے پر چڑھا ہوا تھا اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفید کپڑے پہنے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ سفید کپڑے زیب تن کئے ہوئے اس قافلہ سے چاندنی سی چھٹک رہی تھی۔ اس یہودی نے یہ منظر دیکھ کر بلند آواز میں پکار لگائی۔ لوگو! دیکھو وہ تمہارا گوہر مقصود آ رہا ہے جس کے انتظار میں ابھی تک تم سب بے چین تھے۔

یہ سنتے ہی مسلمان مسلح ہو کر آپؐ کے استقبال کے لئے امنڈ پڑے۔

سرور کائنات ﷺ ۸ ربیع الاول ۱ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء روز پیر قبا بستی میں داخل ہوئے اور کلثوم بن ہدم کے مکان میں قیام فرمایا۔

قبا بستی کے باشندوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور نعرۂ تکبیر سے قبا کی فضاء گونج اٹھی۔ اور شمع رسالت کے پروانے آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اس وقت آپؐ پر سکینت طاری تھی اور اس وقت آپؐ پر اس وحی کا نزول ہوا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ.

اللہ آپ کا مولیٰ ہے۔ اور جبریلؑ اور نیک مومنین بھی اور اس کے بعد فرشتے آپؐ کے مددگار ہیں۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی مکہ میں تین دن ٹھہر کر امانتوں کی واپسی کا کام نمٹا کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے اور قبا بستی میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

سرور کائنات ﷺ نے قبا میں اپنے مختصر سے قیام کے دوران اپنے دست مبارک سے ایک مسجد کی بنیاد رکھی جسے مسجد قبا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر قبا تشریف لائے تو کلثوم بن ہدم کے مکان میں آپؐ نے قیام فرمایا اور انہیں کی ایک زمین پر مسجد کی تعمیر کی اور اس تعمیر میں ان کو بھی شریک کیا۔

شموس بنت نعمان بیان کرتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسولؐ کی پہلی زیارت اس موقع پر کی

جب آپؐ قبا میں تشریف لائے اور مسجد کی بنیاد رکھی اور اس کی تعمیر فرمائی۔ میں دیکھ رہی تھی کہ آپؐ بھاری بھاری پتھر اٹھا کر لا رہے ہیں جس کے بوجھ سے آپؐ کی مبارک کمر جھک جاتی تھی اور دھول مٹی آپ کے اوپر لگ جاتی تھی اتنے میں ایک شخص نے آ کر آپؐ سے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ یہ مشقت نہ اٹھائیے، اس کام کے لئے میں حاضر ہوں، آپؐ نے فرمایا نہیں! تم بھی کام کرو اور میں بھی کروں، یہاں تک کہ مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس مسجد کا قبلہ جبریل امین نے درست کیا ہے۔

اسلامی تاریخ میں مسجد قبا نہایت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہی وہ پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد سرور کائنات ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھی۔ قرآن مجید میں اس مسجد کا تذکرہ ان الفاظ میں موجود ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ.

یعنی وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز ہی تقویٰ پر رکھی گئی۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص گھر سے وضو کر کے مسجد قبا آئے اور دو رکعت نماز مسجد قبا میں ادا کرے تو اسے ایک عمرہ کا ثواب ملے گا۔